13-190

محسن پاکستان

ڈاکٹر عبدالقدیر خان

"اسلامی ایٹم بم" کے خالق اور غوری میزائل کے موجد کی ولولہ خیز داستانِ حیات

پاکستان ایٹمی طاقت کیسے بنا؟ تہہ در تہہ سازشوں کی کھلی کہانی

عمران حسین چوہدری

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُحسن پاکستان

ڈاکٹر عبدالقدیر خان

Marfat.com

☆...... ملنے کے پتے ......☆

خزینہ علم و ادب الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور
مشتاق بک کارنر الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور
اسلامی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور
کتاب گھر کمیٹی چوک، راولپنڈی
احمد بک کارپوریشن کمیٹی چوک، اقبال روڈ، راولپنڈی
رحمٰن بک ہاؤس اُردو بازار، کراچی
احمد بک کارپوریشن اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی
مسٹر بکس سپر مارکیٹ اسلام آباد
مکتبہ ضیائیہ بوہڑ بازار، راولپنڈی
گڈ بکس شاپ صدر بازار، راولپنڈی
بختیار سنز قصہ خوانی بازار، پشاور
بنگش بکڈپو اردو بازار، سیالکوٹ
ماڈرن بکڈپو سیالکوٹ کینٹ
کھوکھر بکسٹال مسلم بازار، گجرات
بلال بکڈپو، گجرات
کتاب مرکز امین پور بازار، فیصل آباد
کتب خانہ مقبول عام امین پور بازار، فیصل آباد
شریف سنز کارخانہ بازار، فیصل آباد
کارواں بک سنٹر، ملتان کینٹ
دارالکتاب کالج روڈ، لیہ
الیاس کتاب محل کچہری بازار، جڑانوالہ
ڈار برادرز تحصیل بازار، جہلم
جالندھر بکڈپو، ڈسکہ
یونائیٹڈ بک ہاؤس، کچہری روڈ، منڈی بہاؤالدین
شائلہ بک ایجنسی محلہ چوہدری پارک، ٹوبہ ٹیک سنگھ
میاں ندیم مین بازار، جہلم
اسلامی کتب خانہ، حافظ آباد
کارواں بک سنٹر، بہاولپور
گلیکسی بکس، خان آرکیڈ، کچہری روڈ، سرگودھا
النور بک کارنر محمدی پلازہ، میرپور آزاد کشمیر

مکتبہ قابل اردو بازار، لاہور
کتاب سرائے الحمد مارکیٹ اردو بازار، لاہور
فہیم بکڈپو، رجپوت مارکیٹ اردو بازار، لاہور
اشرف بک ایجنسی کمیٹی چوک راولپنڈی
فضلی سنز اردو بازار، کراچی
ویلکم بک پورٹ اُردو بازار، کراچی
کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
سعید بک بنک اسلام آباد
کیپٹل بکڈپو، اردو بازار، راولپنڈی
سعید بک بنک، پشاور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار، پشاور
حافظ بک ایجنسی اقبال روڈ، سیالکوٹ
بک سنٹر اردو بازار، سیالکوٹ
پنجاب بکڈپو سرکلر روڈ، گجرات
سلطان بک پیلس، گجرات
فائن بکس امین پور بازار، فیصل آباد
نیو مکتبہ دانش امین پور بازار، فیصل آباد
مقبول بک ایجنسی چوک پاک گیٹ، ملتان
الکریم نیوز ایجنسی، اوکاڑہ
چوہدری بکڈپو مین بازار، دینہ
عمر بک سنٹر جی ٹی روڈ، سرائے عالمگیر
شکیل بکڈپو، سمندری
مسلم بک لینڈ، بینک روڈ، مظفر آباد
نیو وہاڑی کتاب گھر، جناح روڈ، وہاڑی
ہلال کاپی ہاؤس لیاقت روڈ، میاں چنوں
نیو نفیس بکڈپو مین بازار، میانوالی
خالد کتاب محل، سیالکوٹ روڈ، اگوکی
پاکستان بکڈپو مین بازار، جلال پور جٹاں
جہلم بک کارنر، جہلم
منور بک ڈپو گجرات

علی سٹیشنرز، حیدری چوک، لالہ موسیٰ

Marfat.com

مُحسنِ پاکستان

ڈاکٹر عبدالقدیر خان

''اسلامی ایٹم بم'' کے خالق اور غوری میزائل کے موجد کی ولولہ خیز داستانِ حیات
پاکستان ایٹمی طاقت کیسے بنا؟ تہہ در تہہ سازشوں کی کھلی کہانی

عمران حسین چوہدری

علم و عرفان پبلشرز

34-اردو بازار، لاہور فون:8405100-7232336-7352332

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ

98331

نام کتاب	....	محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان
مصنف	....	عمران حسین چوہدری
اہتمام	....	گل فراز احمد/ محمد نواز کھرل
پروف ریڈنگ	....	ملک محبوب الرسول قادری
مطبع	....	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
اشاعت اوّل	....	2003ء
اشاعت دوم	....	2006ء
اشاعت سوم	....	اپریل 2011ء
کمپوزنگ	....	محمد حفیظ/ رفاقت علی
قیمت	....	-/400روپے

علم وعرفان پبلشرز

34-اردو بازار، لاہور فون: 7352332-7232336

Marfat.com

انتساب!

☆...... وجاہت اور وقار کی تصویر............ مجیب الرحمٰن شامی

☆...... دانش اور بصیرت سے مالا مال............ سیّد ارشاد احمد عارف

☆...... دلیر، دبنگ اور باضمیر صحافی............ تنویر قیصر شاہد

☆...... جمال و کمال کے رنگوں سے سجے ہوئے ادیب............ ڈاکٹر محمد اجمل نیازی

☆...... سوز و گداز کی سرمست کیفیتوں میں رہنے والی............ محترمہ بشریٰ اعجاز

اور

☆...... شائستہ اطوار کے سنجیدہ فطرت صحافی............ محسن گورایہ

کے نام

Marfat.com

جو عالم ایجاد میں ہے صاحب ایجاد
ہر دور میں کرتا ہے طواف اُس کا زمانہ

Marfat.com

فہرست

ابواب	مضامین	صفحہ
1	ریاست بھوپال اور نواب حمید اللہ خاں	19
2	خاندانی پس منظر	25
	محمد منصور (دادا)	28
	والد محترم	30
	والدہ محترمہ	33
3	ڈاکٹر عبدالقدیر خاں	34
	پیدائش	34
	تعلیم	34
	علمی مباحثے	38
	پاکستان کی طرف ہجرت	39
	پاکستان آمد	41
	پاکستان میں زندگی	45
4	ملازمت	47
	اعلیٰ تعلیم	48
	دست شناس کی پیش گوئی	48
	اساتذہ	49
	ڈاکٹر خاں کی شادی	51

Marfat.com

	وطن سے مایوسی	53
	ہالینڈ روانگی	55
5	ایف۔ڈی۔او۔کیا ہے؟	56
	ڈاکٹر عبدالقدیر کی عظمت	59
	عزت و شان	60
6	ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی پریشانی کے ایام	62
	بے بنیاد الزام	65
7	ایمسٹرڈیم میں قیام	67
8	وطن کی محبت اور تڑپ	68
	ایف ڈی او سے استعفیٰ	70
9	خاکہ حالات زندگی	73
	شجرہ نسب	75
10	ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے کارنامے	76
	وزیراعظم پاکستان سے ملاقات	78
	ہالینڈ کو خیر آباد کہنا	83
	ایٹمی توانائی کمیشن کا قیام	85
11	پاک فرانس ری ایکٹر	88
	خریداری معاہدہ 1976ء	88
	معاہدہ فرانس	89
12	الٹراسنٹری فیوج	92
	ڈیفوژن کا طریقہ	95
13	ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی مایوسی	99
14	ابتدا کہوٹہ پلانٹ	104
	کہوٹہ پلانٹ	105
	طریقہ انتخاب پراجیکٹ	108
	کہوٹہ کو کیوں منتخب کیا گیا؟	111

Marfat.com

15	کہوٹہ پلانٹ کی ترویج	118
16	ڈاکٹر محمد اقبال ولہلہ کا انتخاب	122
17	ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی مصروفیات	127
18	امریکہ کی دھمکیاں	145
	ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے معاون دوست	148
	میاں شیخ محمد فاروق	148
	آغا حسن عابدی صاحب	149
	ارشد پرویز صاحب	150
	بریگیڈیر انعام الحق	150
19	کامیابی کا سہرا	153
20	ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کا حسن کارکردگی	156
21	جنرل ضیا الحق کا کردار	159
	دیہات کی سماجی زندگی	163
	جنرل ضیا الحق کا بھیانک کردار	165
22	کہوٹہ منصوبہ کی عالمی تشہیر	170
23	صدر ضیا الحق کو دھمکی	173
24	پاکستان کی مضبوط موقف	176
	امریکہ کی زیادتیاں	180
25	ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو قید کی سزا	187
26	ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کا الزامات سے باعزت بری ہونا	190
27	بنی گالہ کا آپریشن	196
28	وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کا کردار اور ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی جرأت	203
29	ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی کہوٹہ سے فراغت	207
30	پاکستان کا ایٹمی پروگرام اور امریکہ کا کردار	216
31	افغانستان پر روسی حملہ	225
	سودیت یونین کی دھمکی	232

Marfat.com

	''ایٹم بم ہے مگر نہیں ہے''	234
	جنرل ضیاالحق کا ابہام	236
	سولارز ترمیم کے اطلاق کا خطرہ	239
	پاکستانی ایٹم بم اور جنرل ضیاالحق	243
32	ایٹمی پروگرام اور بے نظیر بھٹو	246
33	امریکہ کی امداد کا نیا طریقہ	254
	اختیارات میں کمی	262
34	پاکستان اور بھارت کی ایٹمی تنصیبات	265
	i- بھارت کی ایٹمی تنصیبات	268
	ii- پاکستان کی ایٹمی تنصیبات	273
35	ایٹمی اسلحہ سازی کا سدباب	278
	ایٹمی ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کا معاہدہ کیا ہے؟	280
36	این پی ٹی پر اعتراضات	283
	این پی ٹی معاہدہ عدم پھیلاؤ اسلحہ	286
37	انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی	288
	انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی کو درپیش مشکلات	292
38	پاکستان کا پُرامن ایٹمی پروگرام	295
39	پاکستان کا ری پراسسنگ پلانٹ	303
	عالمی رویہ	309
	انرچمنٹ (متبادل راستہ)	314
40	ایٹم بم کے لیے سامان کی فراہمی	318
41	منیر احمد خان (انکشافات)	322
	مسٹر منیر احمد خان	324
	آغا شاہی کے انکشافات	328
42	ڈاکٹر عبدالقدیر کی شخصیت	331
	i- ہنس مکھ انسان	331

Marfat.com

ii- قوت فیصلہ 334

iii- ماتحت عملے سے شفقت 335

iv- شفیق انسان 337

v- بلا کے ذہین ہیں 340

vi- پکے مذہبی اور دین دار 341

vii- وقت کی قدر اور پابندی 343

viii- خلق خدا کی مدد اور خدمت 346

ix- غربا کی مدد 348

x- اچھے منتظم ہیں 350

43 مسز ہینی خاں 352

خاندانی پس منظر 355

بچپن 355

تعلیم 356

ملازمت 356

شادی 356

نکاح کی رسم 357

پاکستان میں آمد 358

شادی کے بعد کے حالات 358

اولاد 361

پاکستان میں ملازمت 361

پاکستان کے بارے میں تاثرات 362

خاوند کے بارے میں تاثرات 362

بچوں کی تعلیم 363

کتابیات 364

Marfat.com

Marfat.com

اپنی بات

محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان ملت اسلامیہ کی آنکھ کا تارا اور ہر مسلم کو اپنی جان سے پیارا ہے۔ پاکستانی قوم کی عظمت و غیرت کی جیتی جاگتی تصویر اور شاعر مشرق کے خواب کی تعبیر ہے۔ دشمنوں کے لیے سیل تند و تیز اور اپنوں کے لیے ایک جوئے نغمہ ریز ہے۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان، جس نے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال کر قوم کے لیے ایٹمی توانائی کا حصول ممکن بنایا۔ جس نے اپنی جوانی کی بہاریں مغرب کی تجربہ گاہوں میں کھپا دیں جو صبح و شام اپنا مقصد حیات پانے کے لیے مسلسل جدوجہد کرتا رہا۔ جو دن رات ملک و قوم کی محبت میں بے چین رہا۔ جس نے اپنی علمی استعداد، فنی مہارت اور اپنے خدا پر ایمانِ کامل سے ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔

میں برملا کہنے کی جسارت کر رہا ہوں کہ پاکستان کو سیاستدانوں، حکمرانوں اور بیوروکریٹوں نے تباہ کر کے رکھ دیا ہے مگر ہم ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا احسان نہیں بھول سکتے جس طرح ہم قائداعظم کا احسان نہیں بھول سکتے کیونکہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے اپنی جرأت رندانہ اور مومنانہ فراست سے قائداعظم کے پاکستان کو ناقابل تسخیر بنا دیا ہے۔ اسی لیے پاکستان میں قائداعظم کے بعد ڈاکٹر عبدالقدیر خان سے زیادہ محبوب شخص کوئی نہیں ہے۔ اس سے بڑا پاکستانی کون ہے کہ اس کے بنائے ہوئے بم کو دشمنوں نے اسلامی بم کا نام دیا۔

پاکستان کو دنیا کی ساتویں ایٹمی قوت بنانے والے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کئی ہزار ڈالر کی پرکشش ملازمت چھوڑ کر صرف تین ہزار ماہوار تنخواہ پر پاکستان آئے۔ مگر روزِ

Marfat.com

اوّل سے قوم کے اس مایہ ناز سپوت کے راستے میں رکاوٹوں کے پہاڑ کھڑے کیے گئے اور سازشوں کے جال بچھائے گئے مگر اپنے خالق اور مالک کی رحمت پر کامل ایمان رکھنے والے اس عظیم انسان کی استقامت کے سامنے سب سازشیں راکھ کا ڈھیر ثابت ہوئیں۔

28 مئی 1998ء کے دھماکوں کے بعد کئی بے نام سائنسدان ڈاکٹر قدیر کے برابر کھڑے کیے گئے ان سائنسدانوں کا نام پہلی بار لوگوں نے سنا تھا۔ اس دور کے کم ظرف اور خود اعتمادی سے محروم حاکموں نے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی بے پناہ مقبولیت اور محبُوبیت سے ''ڈر'' کر محسن پاکستان کا کریڈٹ کسی اور کی جھولی میں ڈالنے کی کوشش کی لیکن سرکار کے تمام تر ہتھکنڈوں کے باوجود تیرہ کروڑ پاکستانیوں کے دلوں میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی محبتوں کا چراغ گل نہ کیا جاسکا اور آج بھی ہر پاکستانی کے دل کی سرزمین پر ڈاکٹر قدیر کی محبت، عقیدت اور احترام کا پرچم لہرا رہا ہے۔

میں نے اپنی اس کتاب میں پاکستانی قوم کو تحفظ کا سکون بخش احساس بخشنے والے محسن پاکستان کی عزم و ہمت سے عبارت حیرت انگیز اور ولولہ خیز داستانِ حیات کے چھپے گوشے منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے۔ مجھے احساس ہے کہ یہ کتاب ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی شخصیت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے کہ یہ دریا وہ نہیں جسے کوزے میں بند کیا جاسکے۔ ہم نے تو اس تاریخی اور نادر ذخیرے میں سے کہ جس تک ہر فرد کی رسائی ممکن نہیں کچھ پھول جمع کر کے ایک گلدستہ سجایا ہے۔ یقین کامل ہے کہ ان پھولوں کی تازگی اور مہک میں کمی نہیں آئے گی کیونکہ جس شخص سے انہیں نسبت ہے اس کا عمل نہ صرف زندہ ہے بلکہ زندگی گزارنے کا حوصلہ بھی بخشتا ہے۔

میری دعا ہے کہ خدا اس بڑے آدمی کی بڑائیوں، سچّائیوں اور معرکہ آرائیوں کو سلامت رکھے تاکہ ان سے وہ کام لیا جاسکے جس کے لیے یہ بدنصیب ملک اور بدقسمت قوم ابھی تک منتظر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مردِ حر کے نورِ بصیرت کو عام کرے اور اس کے جذبوں اور ولولوں کی تپش سے ہماری قوم کے نوجوانوں کی رگوں میں بھی محنت، ہمت اور جرأت کی حرارت پیدا کرے۔

عمران حسین چوھدری

(12 نومبر 2002ء)

Marfat.com

شکریہ!!

☆...... صاحب کردار کونسلر چوہدری اللہ دتہ (ہائی ویکمب) کا شکریہ، جو ہمیشہ علمی سرگرمیوں میں مجھے مخلصانہ راہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

☆...... مخلص، مہربان اور شفیق چوہدری محمد صدیق (Super Save) کا شکریہ، جن کی شفقت اور سرپرستی میرا قیمتی اثاثہ ہے۔

☆...... نہایت اعلیٰ ظرف اور دین دوست انسان جناب چوہدری عبداللہ زید کا شکریہ جن کی پرخلوص دعاؤں کی ٹھنڈی چھاؤں مجھے ہر لمحے میسر رہتی ہے۔

☆...... کتابوں سے عشق کرنے والے علامہ پیر ثاقب شامی، سفیر محبت علامہ محمد جمشید سعیدی، خوش کردار، خوش خصال سید فرید شاہ کاظمی کا نہایت سچے دل سے شکریہ، جن کی رفاقت میرا سرمایہ حیات ہے۔

☆...... فرانس میں مقیم، اپنے کرم فرماؤں چوہدری شبیر بھدر، چوہدری شاہد فاروق لنگڑیال، چوہدری سہیل، چوہدری محمد ارشد مارتھ اور ڈاکٹر ارشاد علی کی بے لوث محبتوں کا شکریہ، جن کے ساتھ تعلق و وابستگی میرے لیے ایک انوکھی عزت مندی کی علامت ہے۔

Marfat.com

☆ ...... بحرِ صحافت کے شناور سیّد ہمراز احسن، جدید لہجے کے نوجوان شاعر فیضان عارف، برطانوی صحافت میں نمایاں مقام رکھنے والے جناب ظفر تنویر اور سچائی کے علمبردار، صاحب قلم راجہ فریاد خان کا بے حد شکریہ کیونکہ ان علم دوست احباب کی خاموش مدد کے بغیر یہ کتاب پایہ تکمیل تک نہ پہنچ پاتی۔

☆ ...... تہذیبی، تحقیقی اور تخلیقی اعتبار سے ایک مخصوص اور مستحکم مزاج رکھنے والے نوجوان دانشور، خواجہ جمشید امام اور محبِ وطن صحافی، ذوالفقار احمد راحت کا ممنون احسان ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تکمیل کے دوران کئی مفید تجاویز اور قیمتی مشوروں سے نوازا۔

☆ ...... اپنے کرم فرما محترم چوہدری ممتاز (لندن)، چوہدری طالب حسین (سلاؤ) اور محبت کی عظمت کے علمبردار جناب صاجزادہ ذوالفقار (میرپور) اور جناب سردار ماجد خان (میرپور) کا شکریہ، ان مخلص احباب کا اخلاص مجھے رزمگاہ حیات میں آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتا ہے۔

☆ ...... اپنے اچھے اور پیارے دوست قاسم خالد ''چن'' بھیگے دل والے محمد نواز کھرل اور اجلے من والے ملک محبوب الرسول قادری کا خصوصی شکریہ جن کی سنگت میرے لیے نعمت کی طرح ہے۔

☆ ...... حرمتِ لفظ کے امین، بیباک اور نڈر صحافی سیّد قیصر عباس شاہ اور پی ٹی وی کے صاحبِ صلاحیت پروڈیوسر سیّد اظہر فرید شاہ کا شکریہ، جنہوں نے اس کتاب کی نظرثانی کا فریضہ سرانجام دیا۔

عمران چوہدری

Marfat.com

مردِ فقر و عشق

میں سب سے پہلے تو نوجوان مصنف عمران حسین چوہدری کو مبارک باد دینا چاہتا ہوں کہ اُس میں قبیلے کی آنکھ کا تارا بننے کے لیے سارا کچھ موجود ہے اور ایں سعادت بزورِ بازو نیست۔ وہ اس سے قبل بھی کئی کتب تصنیف کر چکے ہیں اور کئی جریدوں کی ادارت کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں لیکن اس بار انہوں نے ایک تابناک اور مہک بار شخصیت کا انتخاب کیا ہے جس سے میرا غائبانہ عشق ہے۔

تاریخ اقوامِ عالم اس حقیقت کی غماز ہے کہ ہر قوم میں چند ایسی ہستیاں ہوتی ہیں جو اُس قوم کے ماتھے پر جھومر بن کر چمکتی رہتی ہیں۔ ہمارے مقدس وطن پاکستان میں بھی چند ہستیاں ایسی ہیں جنہیں سبز پرچم کے چاند ستارے کا نور کہا جاسکتا ہے اور ان میں ایک نام ڈاکٹر عبدالقدیر خان ہے۔ ڈاکٹر صاحب ایک ہمہ پہلو شخصیت ہیں۔ وہ انسانیت سے چھلکتے ہوئے انسان ہیں، دردِ دل ان کے حرف حرف سے رِستا ہے، وہ گھر کے باورچی خانے میں برتن بھی دھو لیتے ہیں، کھانا پکانے میں بھی ماہر ہیں اور میں یہ نہیں کہوں گا کہ انہیں اپنے شعبے پر دسترس حاصل ہے بلکہ میں یہ کہوں گا کہ اُن کا شعبہ اُن کی گرفت میں ہے۔ ایسے کئی اوصاف کے علاوہ جو چیز مجھے ان کی شخصیت کے طلسم میں گرفتار کرلیتی ہے وہ ان کی پاکستانیت ہے۔ ان کے دل پر شائد چاند ستارے کا نشان ہی بنا ہوگا۔

میں اس بات کا قائل ہوں کہ روزِ اوّل ہی سے "Survival of the Fittest" کا فارمولا مؤثر ہے اور کائنات کا آخری سورج غروب ہونے تک مؤثر رہے گا اور پاکستان جیسے ملک کے لیے اس فارمولے کو ہمہ وقت پیشِ نظر رکھنا ناگزیر ہے کیونکہ ایک طرف تو ہمارے مشرق میں وہ ملک ہے جسے ہمارا وجود ہی گوارا نہیں اور عالمی سطح پر ہمیں اسلام کا قلعہ تصور کیا جاتا ہے۔ اگر ہمارے پاس ڈاکٹر قدیر نہ ہوتے تو شائد غوری، عنزہ، شاہین اور ان کے کئی مزید ہم نسل بھی نہ ہوتے۔ انہوں نے پاکستان کے

Marfat.com

ہاتھ کو نیوکلیئر ہاتھ بنا دیا ہے اور امورِ حکمت عملی کا طالب علم ہونے کی حیثیت سے میں اس بات کا قائل ہوں کہ کسی نیوکلیئر ہاتھ کو ہاتھ ڈالنا آسان کام نہیں ہوتا۔ اگر یہ نیوکلیئر ہاتھ نہ ہوتا تو بھارت 2002ء میں تقریباً ایک برس اپنی تمام افواج ہماری سرحدوں پر رکھ کر بلاجنبش واپس نہ چلا جاتا۔

یہ مردِ فقر و عشق صرف عظیم سائنسدان ہی نہیں بلکہ ''شریکے برادری'' والا ایک عظیم فرزند پاک سرزمین بھی ہیں جب ہمارے دائمی حریف نے ''پرتھوی'' بنایا تو اُس نے ان کے مقابلے میں ''غوری'' بنا دیا۔ غوری نے تو پرتھوی کو لڑ کر شکست دی تھی لیکن قدیر خان نے بغیر جنگ کے سبقت حاصل کرلی۔ میں نے انہیں مردِ فقر و عشق اس لیے کہا ہے کہ میزائل کی تعمیر کر کے ایک قد آور سائنسدان کے ساتھ ساتھ ایک انتہائی قد آور مسلمان اور پاکستانی ہونے کا عملی ثبوت بھی فراہم کر دیا۔

ہمارے ابھرتے ہوئے ستارے عمران حسین چوہدری یقیناً قابلِ تحسین ہیں کہ انہوں نے اپنی تمام کاوشوں کو بروئے کار لاکر یہ عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ ایسی شخصیات کو تاریخ کے اوراق میں محفوظ کرنا ایک طرف تو اُس شخصیت کی خدمات کا اعتراف ہوتا ہے اور دوسری طرف جب آئندہ نسلیں اِن کتب کا مطالعہ کرتی ہیں تو انہیں یہ تاریخی حقائق نہ صرف روشنی عطا کرتے ہیں بلکہ اپنی ملّت پر فخر کرنے کا جواز بھی مہیا کرتے ہیں۔ نوجوان مصنف نے ڈاکٹر قدیر صاحب کے بارے میں جس محنت، لگن اور دیانتدارانہ کاوش سے معلومات حاصل کی ہیں یہ اُن جیسے متحرک اور جذبوں سے معمور نوجوان ہی کا کام ہے۔ کتاب کی زبان، سٹائل اور ترتیب قابلِ ستائش ہیں اور عمران صاحب کی محنت قابلِ قدر ہے۔ یہ غیر شادی شدہ نوجوان ایسے ہی کاموں کے کھوج میں کبھی لندن میں، کبھی کشمیر اور کبھی لاہور میں سرگرداں ہوتا ہے۔ میں اس کے ذہن میں تعلیمی منصوبے، دل میں انسانی خدمت کے جذبے اور اس کی شخصیت میں کچھ کر گزرنے کے وہ طوفان دیکھتا ہوں جن طوفانوں سے آشنا ہونے کے لیے حکیم الامت ڈاکٹر علامہ اقبالؒ نے دعا کی تھی۔ اُن کے بحر کی موجوں میں اضطراب ہے اور لحہ لحہ دعا گو ہوں کہ اللہ کریم میری قوم کو ایسے کئی نوجوان عطا کرے جو اس قوم کے مستقبل کے لیے تابناک سورج ہوں۔

میجر (ر) نذیر احمد ظفر چیمہ

چیف ایڈیٹر ''ہراول''

Marfat.com

باب نمبر: 1

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں

ریاست بھوپال اور نواب حمید اللہ خاں

ڈاکٹر عبدالقدیر کے بارے میں کتب کی ورق گردانی کرنے پر بھوپال ریاست کا نام نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ بھوپال ریاست حیدرآباد دکن برصغیر کی مسلمان ریاستوں میں قومی، تعلیمی اور ادبی خدمات میں آزادی سے پہلے بھی اہم مقام کی حامل تھی۔ یہاں بے شمار علماء فضلاء نے اپنا نام اور کردار پیدا کیا جو کہ ماضی کے ان تین اہم حکمرانوں کے دور میں تھے۔

(i) شاہ جہاں بیگم

(ii) سلطان جہاں بیگم

(iii) نواب حمید اللہ خاں

اُس زمانے میں ''بغداد آف[1] انڈیا'' کے نام سے بھوپال مشہور تھا۔ اور

ڈاکٹر اقبال جو کہ مفکر پاکستان اور شاعر مشرق کے القابات سے اپنے ملک کا نام روشن کر چکے تھے انہوں نے بھی کہا ہے کہ:

''بھوپال دارالاقبال کہلاتا تھا''

1. تاریخ مسلم "History of Muslim Nations" by Maulana Aslam Jairajpuri

Marfat.com

اس کی سب سے بڑی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس وقت کے محبّ وطن اور مخلص حکمرانوں نے اپنی ذہانت اور مالی لحاظ سے تعاون کیا جس کی وجہ سے بہت سی مشہور اور اہم کتب تکمیل ہو کر شائع ہوئیں۔ جن کی وجہ سے بھوپال ریاست کا نام روشن ہوا۔ ان میں درج ذیل اہم تصور کی جاتی ہیں جو کہ بھوپال سے حکمرانوں کی سرپرستی میں شائع کی گئی تھیں:

(فتح الباری شرح صحیح بخاری)

(i) شارح فتح الباری از شیخ بخاری۔

(Shareh Fatahal- Bari of Shaikh Bokhari)

(ii) سیرت النبی از مولانا شبلی اور مولانا سلمان ندوی

(iii) البرامکہ (Albaramake) از مولوی عبدالرزاق

(iv) حیات النّاظر از منشی مہراوری (Hiyatun Nazir)

اس سلسلے میں ڈاکٹر علامہ اقبالؒ نے بھی ایک مرتبہ یوں فرمایا کہ:

"ہندوستان کے معززین میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جو کہ نواب حمیداللہ خاں یا اُن کے آباؤ اجداد کا احسان مند نہ ہو۔"

انیسویں صدی کے آخر میں چوتھائی حصے میں بھوپال کے حکمرانوں نے اپنے قول و فعل اور من و دھن کے ساتھ برصغیر کی ادبی اور کلچرل جدوجہد میں حصہ لیا۔ سنہ ۱۹۵۰ء تک بھوپال ریاست میں کوئی ایسا فرد نہ تھا جس سے کسی نہ کسی طرح حکومت نے ادبی، تعلیمی یا سیاسی مدد حاصل نہ کی ہو۔

ریاست بھوپال نے ان اہم شخصیات کی بھی بہت امداد کی:

(i) ثاقب لکھنوی

(ii) امیر مینائی

(iii) ہادی رسوا

(iv) مولوی عبدالحق

(v) مولانا شبلی

(vi) مولانا سیّد سلیمان ندوی

Marfat.com

(vii) ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری (viii) نیاز فتح پوری

ان شخصیات کے علاوہ پین اسلامک خلافت کی تحریکوں میں بھی ریاست نے مدد کی اور ان حضرات کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

(i) حکیم محمد اجمل خاں (ii) ڈاکٹر انصاری

(iii) علی برادران (iv) حسرت موہانی

(v) سر آغا خاں (vi) قائداعظم محمد علی جناح

اس کے علاوہ ریاست کی طرف سے ان تعلیمی روایتی مراکز کو بھی مالی امداد فراہم کی گئی تھی:

(i) دیوبند (ii) ندوۃ اور دارالمصنفین

(iii) علی گڑھ یونیورسٹی

۱۹۳۵ء سے لے کر مسلم یونیورسٹی کے چانسلر کے فرائض انجام دیتے رہے اور شاہی خاندان نے ۱۹۳۵ء کے بعد دستبرداری کا فیصلہ کیا۔ بھوپال کے مخلص حکمرانوں نے تحریک آزادی میں بڑا اہم کردار ادا کیا انہوں نے نہ صرف تحریک پاکستان میں ہی بھرپور کردار ادا کیا بلکہ اس کے علاوہ انہوں نے احیائے اسلام، مسلم بیداری اور برصغیر کے مسلمانوں کی ہر قسم کی آزادی اور اسلامی جدوجہد میں مدد کی اس سلسلے میں رشید احمد صدیقی کا بیان ہے کہ:

''ڈاکٹر علامہ اقبال کی عظمت کا حقیقی تعاون، حوصلہ افزائی، خراجِ تحسین اپنی زندگی میں بھوپال کا ایک عظیم کارنامہ تھا جس کو قوم کبھی بھی فراموش نہیں کرسکتی، اور یہ بھوپال کی سلامتی کے لیے کافی ہے بھوپال نے علامہ اقبال کی بہت امداد کی اور انہیں روزی کمانے کے غم سے بھی نجات دیدی۔''

Marfat.com

"The True association, en-courgement and Acknowledgement of Greatness of Allama Iqbal in his life time is such a noble deed of Bhopal that future generation will never for get, and this single deed is enough for the solvation of Bhopal. Bhopal did a great service by freeing Allama Iqbal from the trouble of earning his bread." (1)

اس تعاون اور مدد کے نتیجہ میں ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے نہ صرف ضربِ کلیم اور ارمغانِ حجاز لکھیں بلکہ انہوں نے برصغیر اور کشمیر کے مسلمانوں کی تحریک آزادی کو بھی بہت حد تک آگے بڑھایا اور مسلمانوں کے لیے ایک الگ آزاد ریاست کے قیام کے نظریہ کو بھی فروغ دیا۔ جس کے نتیجہ میں پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ یہی وجہ تھی کہ ڈاکٹر علامہ اقبال نے نواب حمید اللہ کی مدح سرائی کی اور یہ اشعار ان کی نذر کئے۔

؎ تو صاحب نظری آنچہ در ضمیر من است
دل بیند و اندیشہ تو می داند

(ترجمہ) آپ کی عظمت اور شان میرے دل میں ہے
کیونکہ آپ بلند عظمت کے مالک ہیں۔

جب ہندوؤں کو نواب حمید اللہ خاں کے ارادوں کا علم ہوگیا تو انہوں نے اُن کے خلاف کارروائیاں شروع کردیں اور انہوں نے یہ نعرے بازی شروع کردی کہ ''بھوپال میں ہندو اکثریت کی وجہ سے ہندو مہاراجہ حکمران ہونا چاہیے''۔ حالانکہ نواب حمید اللہ خاں ہر ایک کے ساتھ مساوی سلوک روا رکھتے تھے کسی کو بھی شکایت کا موقع نہ

98331

Marfat.com

دیتے۔ مگر ان کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ نواب بھوپال حمید اللہ خاں کے جناب محمد علی جناح قائداعظم کے ساتھ تعلقات بڑے گہرے اور دوستانہ تھے اور ریاست بھوپال میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھ دی گئی تھی۔ اس کی وجہ سے ہندوؤں کی تنظیم پیپلز کانگرس نے مسلمانوں کے گھروں کو نذر آتش کرنا شروع کر دیا۔ بازاروں میں ہنگامے برپا کر دیئے اور بھوپال میں ہندوؤں کی نسبت مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ اور حکمرانوں میں بھی مسلمانوں کی اکثریت تھی تجارت ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی۔ انتظامیہ کے تمام شعبوں میں مسلمان برسر اقتدار تھے۔

مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد سیاسی جماعت تھی۔ جس کی ان تھک محنت اور کوششوں سے پاکستان دنیا کے نقشے پہ ظاہر ہوا اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ اسلام کے نام پر حاصل کی گئی ریاست تادم کائنات دنیا کے نقشے پر قائم رہے گی مگر اس میں وعدہ ازلی کے مطابق اسلامی نظام لانے کی ضرورت ہے، جو کہ ہر پاکستانی کے دل کی دھڑکن سے ظاہر ہے۔

نواب آف بھوپال ایک امن پسند اور شریف طبع انسان تھے۔ اور وہ ریاست کے حالات سے بخوبی واقف تھے وہ ہر لحاظ سے اپنی ریاست کو پرسکون رکھنے کی کوشش کرتے تھے مگر ہندوؤں کے فرقہ پرستوں کو بھی بھارتی حکومت پیپلز کانگریس کے فرنٹ سے برابر شہہ اور مدد وتعاون فراہم کر رہی تھی۔ اور وہ نمائندہ حکومت کے مطالبے کی آڑ میں ہر روز نت نئے ہنگامے کھڑے کرتے رہتے تھے۔ جن کی وجہ سے وہ مطمئن نہ تھے ریاست کے حالات کے پیش نظر دسمبر 1949ء میں نواب حمید اللہ حکمرانی کے فرائض سے دستبردار ہوگئے اور ریاست بھوپال کو مدھیہ پردیش میں ضم کر دیا۔ کیونکہ وہ ستمبر 1948ء میں حیدرآباد دکن پر نہرو حکومت کا فوجی حملہ اور اس کی تباہی و بربادی کا منظر دیکھ چکے تھے جس کی وجہ سے انہوں نے اسی کو مصلحت خیال کیا۔

نواب حمید اللہ خاں کی اس حکمت عملی سے ہندوؤں کو کھل کر تباہی مچانے کا

Marfat.com

موقع ہاتھ آ گیا۔ کیونکہ ہندو بڑے متعصب اور متشدد قسم کے جذبات رکھتے تھے انہوں نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کردیا۔ بزرگ مسلمانوں کی توہین ان کا روز مرہ کا معمول بن گیا۔ مساجد میں کوئی بھی مسلمان نماز ادا نہ کرسکتا تھا اُن پر گندگی پھینکی جاتی تھی ان کے راستے روکے جاتے تھے اُن پر فقرے کسے جاتے تھے مردوں کے علاوہ ہندوؤں نے عورتوں کی بھی بے حرمتی کرنی شروع کردی۔ بچوں کو پریشان کیا جاتا تھا۔ گویا کہ ہندوؤں نے ایسا کرنا اپنی زندگی کا معمول بنالیا تھا کہ ہر ممکن طریقے سے مسلمان مرد وزن کو تنگ و پریشان کیا جائے اور خواہ مخواہ راستے میں چلتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتے تھے جن کی حرکات سے مسلمان شرفا بہت تنگ آ چکے تھے۔

ان غنڈوں کے علاوہ پولیس بھی ان کی معاونت کرتی تھی وہ بھی مسلمانوں کے گھروں کی تلاشی کے بہانے سے ان کو گھروں سے نکال کر لے جاتی اور انہیں کئی کئی گھنٹے تھانوں میں بند کر کے پریشانی اور بے سکونی میں مبتلا کر دیتی تھی۔

شہریوں کو ناجائز اسلحے کے الزامات کی آڑ میں پریشان و ہراساں کیا جاتا تھا۔ اس بہانے سے لوگوں کے گھروں کی بار بار تلاشی لی جاتی اور بعض اوقات ان پر ناجائز مقدمات بھی چلائے جاتے تھے اور زیر سماعت مقدمات پر کسی کو صفائی کا موقع دیئے بغیر فیصلہ سنا دیا جاتا تاکہ مسلمانوں کو قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا رکھا جائے۔ اور اگر کوئی ہمت کر کے مزاحمت کرتا تو اس کو ہمیشہ کے لیے راستے سے ہٹا دیا جاتا تھا یا معذور کردیا جاتا۔

الغرض بھوپال کے مسلمانوں پر عرصہ حیات ہندوؤں نے تنگ کردیا تھا اور ان حالات میں نواب بھوپال حمید اللہ خاں بھی بے خبر نہ تھے مگر وہ مسلمانوں سے بڑے مخلص اور وفادار تھے۔ جس کی وجہ سے انہوں نے مسلمانوں کو پاکستان کی طرف ہجرت کر جانے کا مشورہ دیا۔ جس سے بہت سے مسلمان ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آ گئے اور انہوں نے سکون و آرام کے سانس حاصل کیے۔ جن میں ڈاکٹر عبدالقدیر کا بھی خاندان شامل تھا۔

Marfat.com

باب نمبر:2

خاندانی پس منظر

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کا خاندانی لحاظ سے ترکی نسل سے تعلق ہے اور وہ غوری خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد بارھویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں وارد ہوئے یہ وہ وقت تھا کہ جب مسلمان خواجہ معین الہند محی الدین چشتی اجمیری کی دینی اصلاحات اور کوششوں سے فیض یاب ہو رہے تھے اور سلطان غازی محمد شمس الدین غوری برصغیر میں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھ رہے تھے۔

ڈاکٹر خاں کے خاندانی حالات کے مطابق ان کا جد امجد (دادا) جس کا نام ملک بہبل تھا (Malik Bahbal) وہ سلطان شمس الدین غوری کی فوج میں کمانڈر تھا۔ اور اُس کا دست راست بھی تھا۔ کیونکہ اس نے 1192ء میں جنگ ترائن میں بڑا اہم کردار ادا کیا' جس میں راجے پرتھوی راج چوہان کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ اُس جنگ میں ملک بہبل نے بڑی جوانمردی اور فوجی حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے دشمنوں کا صفایا کردیا اور مسلمانوں کی ہندوستان میں حکومت کی داغ بیل پڑ گئی۔

بہبل کی مثالی جوانمردی

ایک دن بہبل اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ شکار کی غرض سے نکلا تو راجہ داہر جو کہ صوبہ بہار کا راجہ تھا جو کوٹ مقام کے قریب تھا راجہ داہر آف بہار پرتھوی راج چوہان کا بڑا وفادار اور مخلص تھا۔ اس کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اُن پر حملے کی تیار کرلی۔

کوٹ کا مقام کانپور کے قریب واقع ہے جو کہ فتح پور سے زیادہ قریب نظر آتا

Marfat.com

ہے۔ وہ ہندو راجہ ذات کے لحاظ سے گجر کہلاتا تھا اور اس دن ہولی تہوار پر چھٹی منا رہا تھا۔ راجہ نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ملک بہبل پر اچانک حملہ کردیا۔ اس کو قوی یقین تھا کہ وہ حملے میں کامیاب ہوگا مگر ملک بہبل اور اس کے ساتھی بھی جہاد کے جذبے سے سرشار تھے اور اسلحے سے پوری طرح لیس تھے انہوں نے امبادائی کے میدان جنگ میں بہت سے کارنامے سرانجام دیئے تھے۔ انہوں نے راجہ اور اس کے ساتھیوں کو تہہ تیغ کردیا جس سے ان کا بھاری نقصان ہوا۔ اس کے بہت سے سپاہی مارے گئے اور باقی نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ ہندوؤں کو تاحال یہ جنگ یاد ہے اور کوٹ کا گاؤں بھی اس لڑائی کی وجہ سے کافی مشہور ہوا۔ اور ترک اور پٹھان وہاں آباد ہوگئے۔ اور اس گاؤں میں آباد ہو کر خوب بڑھے اور پھلے پھولے ملک حفاظت علی کاہ کرکوئی نے اپنے اشعار کی شکل میں تاثرات یوں نوٹ کیے ہیں۔

ہوا جب انتقال مورث اعلیٰ ملک بہبل
بنی قبر پھلواری میں ان کی سنگ احمر سے
ملے میراث میں حاجی بہبل کو گاؤں بھی بارہ
کیا ایماں کو پختہ انہوں نے حج اکبر سے
راجہ بہار آگے تھا گوجر کی فوج میں
لڑکے سمیت آئے تھے دشمن سے لڑنے جنگ
میدان امبادائی میں افغان رک گئے
بولے ملک کو پیٹھ دکھانا ہے عار و ننگ
گھمسان کی لڑائی ہوئی لاکھوں کٹ گئے
دو چار گھنٹے ہی میں ہوئی ختم ساری جنگ
راجہ کی ساری قوم وہیں کھیت ہوگئی
مارے گئے کچھ ان کے بھی جانباز و پختہ رنگ

Marfat.com

بہبل کے جب جوان فتح یاب ہو گئے
سب گاؤں کو جلا دیا پھر بعد قتل عام
محلات جو تھے راجہ کے مسمار کر دیئے
کھردے میں جا کے پھر کیا ان لوگوں نے قیام
کچھ دن کے بعد کوٹ میں آباد وہ ہوئے
لائے بہارپور سے کھدوا کے وہ تمام

سلطان شمس الدین غوری نے ملک بہبل کو اعزازی طور پر کوٹ گاؤں کی زمین بطور جاگیر دے دی اور اس علاقے کا حکمران مقرر کر دیا گیا۔ مزید برآں ان کو ملک بابر کا خطاب بھی عنایت کیا گیا جو کہ اس وقت کے حالات کے مطابق سب سے اعلیٰ اعزاز تصور کیا جاتا تھا یہ بھی وضاحت کے لیے ضروری ہے کہ سلطان غوری کے عہد حکومت میں مسلمان لارڈز اور کمانڈرز کو ''خان'' کا خطاب دینے کا رواج نہ تھا۔ یہ محض دہلی کے سلاطین نے متعارف کروایا تھا۔

فوجی نظم و ضبط کے مطابق ملک کے زیر کمان ایک ہزار گھوڑ سوار ہوتے تھے۔

مسالک الصابر کی تحقیقات کے مطابق۔

''خان'' زیادہ سے زیادہ (9) نو جھنڈے استعمال کر سکتا تھا جب کہ ایک امیر زیادہ سے زیادہ تین جھنڈے استعمال کر سکتا تھا یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ملک بہبل کو ''خان'' کا خطاب سلطان قطب الدین ایبک کی طرف سے ملا تھا یا سلطان شمس الدین التمش نے عطا کیا تھا۔ بہر حال اس کو دہلی کے سلطان کے دور حکومت میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ یہ بھی وضاحت کے قابل ہے کہ سلطان بلبن اور الغ خاں کو خان کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ ملک بابر کو خان کے خطابات سے نوازا گیا اور ملک بہبل کی وفات کے بعد اس کے بیٹے اور پوتے بھی تخت دہلی سے وابستہ رہے اور ان کو بھی قدر کی نگاہ سے نوازا جاتا تھا۔

ملک بہبل کو پھلواری کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

Marfat.com

i- محمد منصور

محمد منصور ڈاکٹر عبدالقدیر کے دادا تھے۔ وہ اپنے خاندانی تنازعات اور جھگڑوں کی وجہ سے کوٹ گاؤں کو خیر آباد کہہ کر وسطی صوبے کی چھاؤنی کامتی میں ہجرت کر آئے۔ ان کے چار فرزند تھے جن کے نام بالترتیب درج ذیل ہیں:۔

(i) محمد اسماعیل خاں۔

(ii) محمد محمود خاں۔

(iii) عبدالغفور خاں۔

(iv) محمد امیر خاں۔

1- محمد اسماعیل خاں سب سے بڑے تھے انہوں نے اپنے تینوں چھوٹے بھائیوں کی باپ کی طرح پرورش کی اور حالات کے مطابق ان کو تعلیم بھی دلائی۔

2- محمد اسماعیل سے چھوٹے جن کا نام محمد محمود خاں تھا وہ بڑے ذہین اور عقلمند تھے۔ وہ صوبے کے ہر ہندو کی ہر قسم کی بدنیتی اور شرارتوں کو بھانپ لیتے تھے۔ ان دنوں میں سلطان جہان بیگم بھوپال ریاست کی حکمران تھی اور وہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کی سرپرستی کرتی تھی محمود خاں نے بھوپال کا رخ اختیار کیا۔ وہاں اس نے محکمہ مال میں سینئر سیکرٹری کی پوسٹ پر نوکری حاصل کرلی۔

3- عبدالغفور خاں جو کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے باپ تھے انہوں نے کومتی میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور انہوں نے 1896ء میں ناگپور یونیورسٹی سے بی اے

Marfat.com

کی ڈگری حاصل کی اور محکمہ تعلیم میں ملازمت حاصل کرلی۔

4- محمد منصور کے سب سے چھوٹے بیٹے جن کا نام محمد امیر خاں تھا انہوں نے قانون میں تعلیم مکمل کی اور وہ صوبے میں فرسٹ مجسٹریٹ کے عہدے پر تعیّن ہوئے اس کے بعد ریاست دھرم جے گڑھ میں دیوان مقرر ہوگئے اور حکومت برطانیہ نے انہیں ''خان صاحب'' کے القابات سے نوازا۔ جو کہ ان کی لیاقت اور اعلیٰ کارکردگی کا صلہ تھا۔

محمد محمود خان کی شادی بھوپال میں ہی ہوئی ان کے دونوں چھوٹے بھائیوں نے بھی بھوپال میں ہی شادیاں کیں کیونکہ اکثر وہ تعطیلات گزارنے کے لیے بھوپال میں آیا کرتے تھے جو کہ اُن کے رشتہ داری کے شواہد ہیں۔ اور آخر کار تینوں بھائی مستقل طور پر بھوپال میں ہی سکونت پذیر ہوگئے۔

Marfat.com

ii- ڈاکٹر عبدالقدیر کے والد محترم

آپ کے والد محترم عبدالغفور خاں تھے۔ اُن کے آباؤ اجداد بارھویں صدی عیسوی میں برصغیر میں آ کر آباد ہوئے۔ آپ کے والد کے چار بھائی اور دو بہنیں تھیں بھائیوں کے نام گزشتہ اوراق میں بتائے گئے ہیں مگر ہمشیرگان کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔

آپ کے والد عبدالغفور خاں اپنے باپ کی اولاد میں چھٹے نمبر پر تھے ان سے بھی ایک چھوٹی بہن تھی۔ آپ کے والد نے ابتدائی تعلیم کامتی میں ہی حاصل کی اور ناگپور یونیورسٹی سے گریجویشن کی۔ وہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد محکمہ تعلیم میں ملازم ہو گئے اور کچھ عرصہ تک الور جبل پور، بھساول، کامتی میں فرائض انجام دیتے رہے ان کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی ملازمت کے سلسلے میں قیام پذیر رہے۔ انہوں نے انسپکٹر آف سکولز اور سپریٹنڈنٹ آف سکولز کے عہدوں پر بھی کام کیا۔ علاوہ ازیں انہوں نے جبل پور اور ناگ پور کے مختلف مقامات میں بطور مدرس بھی اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے اور بالآخر 1935ء کو ملازمت سے ریٹائرمنٹ حاصل کر لی۔ اور مستقل طور پر بھوپال میں ہی آ کر رہنے لگے کیونکہ بھوپال ایسی ریاست تھی جہاں اہل علم اور اہل قلم کی بڑی قدر تھی۔

عبدالغفور خاں بھوپال میں بڑے احترام کے مالک تھے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اُن کے بارے میں یوں فرماتے ہیں کہ:

"میں جب کبھی ان کے ساتھ بازار جاتا تھا۔ تو ہر شعبہ زندگی کا فرد مثلاً ایک دکاندار سے لے کر ڈاکٹر اور اعلیٰ سرکاری عہدیدار ان کے

Marfat.com

احترام میں کھڑا ہو جاتا تھا۔ وہ لوگوں کے ہاں جاتے تو وہ اُن کی آمد کو اپنے لیے تعظیم گردانتے تھے اور وہ اس خواہش کو دہراتے کہ مزید کچھ وقت ہمارے ساتھ گزاریں اور چائے وغیرہ پی کر جائیں میری عمر اس وقت سات سال تھی۔ والد گرامی کے اس احترام نے مجھے تمام عمر اس بات پر آمادہ کیا کہ میرے والد نے جس مشعل کو روشن کیا تھا میں اسے ہمیشہ بلند رکھوں۔"

اُن کے والد اپنے ہونہار بیٹے کی تربیت کی خاطر اپنے اسلاف کے کارنامے ہمیشہ بیان کیا کرتے تھے اور وہ مستقبل کے عظیم سپوت کو ہندوؤں کے اوچھے اور قابل نفرت ہتھکنڈوں سے بھی آگاہ کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے والد نے سی۔ پی۔ میں اپنی ملازمت کے دوران ہندوؤں کا متعصبانہ رویہ بخوبی ملاحظہ کیا تھا۔

جس دور میں آپ کے والد بھوپال میں مقیم تھے ان دنوں میں انفرادی شعور کی جگہ اجتماعی شعور جگہ لے رہا تھا۔ بھوپال اصطلاحاً ہی نہیں بلکہ عملی طور پر دارالاقبال بن گیا تھا اور نواب حمید اللہ خاں اور علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کے قریبی تعلقات نے اسلامیان ہند میں واضح طور پر مسلمانوں کی تنظیم نو اور اسلامی نشاۃ ثانیہ کا جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ مگر آپ کے والد بھی اس تحریک سے بہت متاثر تھے۔ اور اپنے حلقہ میں پاکستان کے قیام کے لیے کام کیا کرتے تھے۔ وہ اکثر اوقات شہر میں ماسٹر جلیل صاحب' ڈاکٹر محمد ہاشم صاحب اور ڈاکٹر گرائل کے پاس بیٹھ کر اخبارات کا مطالعہ کرتے اور بعد میں حالات پر تبادلہ خیالات اور بحث و تمحیص بھی ہوا کرتی تھی۔ وہ قائداعظم محمد علی جناح کی بہت عزت کیا کرتے تھے وہ ہمیشہ لوگوں کو گاندھی کی عیاریوں سے یوں آگاہ کرتے تھے کہ:

"گاندھی جھوٹا ہے اور مسلمانوں کو دھوکے میں رکھ کر تباہ کرنا چاہتا ہے۔"

عبدالغفور خاں جبل پور کے مشہور ڈاکٹر محمد امیر خاں اور ناگپور کے مولوی کفایت اللہ

Marfat.com

کے بڑے گہرے دوست تھے اور سب پاکستان کی حمایت کیا کرتے تھے۔ عبدالغفور خاں کو تدریسی شعبہ سے اس قدر لگاؤ اور اُنس تھا کہ انہوں نے ریٹائرمنٹ کے بعد بھی پڑوس کے بچوں کو پڑھانا شروع کیا اور ان کو حوصلہ و جرأت دیتے کہ وہ ہمیشہ علم حاصل کریں۔ عبدالغفور کی اولاد میں پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں شامل تھیں۔ اپنے باپ کی اولاد میں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں سب سے چھوٹے تھے ان کے سب سے بڑے بیٹے کا نام عبدالرؤف خاں تھا۔ جو کہ کراچی میں پولیس افسر تھے۔

وہ ریٹائرمنٹ کے بعد مستقل طور پر کراچی میں سکونت پذیر ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے بھائی جن کا نام مسٹر عبداللطیف خاں بتایا گیا ہے وہ ایمسٹرڈیم میں پی آئی اے میں اکاؤنٹ مینجر کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ ان سے چھوٹی ایک بہن تھی جس کا نام ثریا بیگم ہے جس کی شادی ملک کے مایہ ناز ہاکی کے کھلاڑی مرحوم غلام حبیب کے ساتھ ہوئی۔ وہ اب کراچی میں قیام پذیر ہیں۔

عبدالغفور کے تیسرے بیٹے کا نام عبدالحفیظ خاں ہے جنہوں نے ایم اے ایل ایل بی تک تعلیم حاصل کی اور گزشتہ سال تک بھوپال میں ہی قیام پذیر تھے۔ وہ بھوپال میں سینئر ریونیو آفیسر کے طور پر کام کر رہے تھے۔ ان کے چوتھے بیٹے کا نام عبدالقیوم خاں ہے جو کہ حبیب بنک کراچی میں بطور سینئر وائس پریذیڈنٹ کے کام کر رہے ہیں۔

ان کی رضیہ بیگم نے کراچی میں مونٹیسوری سکول قائم کر رکھا ہے اُن کے خاوند کا تعلق کاروباری شعبہ سے ہے اور ڈاکٹر عبدالقدیر خاں ثریا بیگم سے تقریباً سات سال چھوٹے ہیں۔ اور رضیہ بیگم سے تین سال بڑے ہیں۔

آپ کے والد عبدالغفور خاں کا 1956ء میں بھوپال میں انتقال ہوا۔ اس وقت ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کراچی میں زیر تعلیم تھے۔ والد کے انتقال پر عبدالقدیر کو دھچکا لگا

تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
مگر میرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا

Marfat.com

iii- ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی والدہ محترمہ

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی محترمہ زلیخا بیگم تھا۔ وہ بھوپال کے ہی معزز گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس کے آباؤ اجداد دہلی دربار کے معززین میں شمار ہوتے تھے اور ان کی دادی حکیم محمد اجمل خاں کی نزدیکی رشتہ دار تھیں۔

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد جب دہلی کے معززین کا وہاں رہنا مشکل ہوگیا تو بہت سے لوگوں نے بھوپال کی طرف ہجرت اختیار کی جن میں ڈاکٹر خاں کی والدہ کی دادی بھی شامل تھیں۔ وہ چھکڑے پر اپنے سامان کے ساتھ سوار ہو کر اپنے اہل وعیال کے ہمراہ دو ماہ کے طویل سفر کے بعد بھوپال پہنچیں جہاں بھوپال کے حکمرانوں نے ان کا استقبال کیا اور ہر لحاظ سے ان کی امداد کی۔

ڈاکٹر عبدالقدیر کی والدہ محترمہ بڑی شریف اور معزز خاتون تھیں وہ اپنے پڑوس کی بچیوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیا کرتی تھیں۔ وہ ختم القرآن کے موقع پر لڑکیوں کو نقدی اور کپڑے بھی دیا کرتی تھیں۔ اور وہاں پر نادار طالبات کی ہر ممکن طریقے سے مدد و معاونت کیا کرتی تھیں۔ ان کی اولاد میں پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں شامل تھیں جو کہ تمام اعلیٰ تعلیم یافتہ اور برسر روزگار تھے۔

وہ اپنے بچوں سے بہت محبت اور پیار کرتی تھیں خاص طور پر ڈاکٹر عبدالقدیر خاں چونکہ چھوٹے تھے ان کے ساتھ زیادہ ہی لاڈ و پیار سے پیش آتی تھیں۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں ہمیشہ باقاعدگی کے ساتھ اپنی والدہ کے پاس جاتے اور ان سے دعائیں حاصل کرتے تھے:۔

دفتر ہستی میں ہے زرین اوراق اُن کی حیات
ہے سراپا دین و دنیا کا سبق اُن کی حیات

Marfat.com

باب نمبر: 3

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں

ے مشک آنست کہ خود بوید
نہ کہ عطار بگوید

i- پیدائش

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں 27 اپریل 1936ء کو بھوپال میں پیدا ہوئے۔

ii- تعلیم

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے حمیدیہ ہائی سکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ سکول کے ہیڈ ماسٹر کا نام محمد ذکی صدیقی تھا۔ (Mr. Muhammad Zaki Siddiqi) اس نے اپنے ہونہار طالب علم کی ذہانت اور علمی جستجو کے جذبے کو بھانپ لیا تھا' جس کی وجہ سے اُس نے اپنے طالب علم کو امتحان دلوانے کے لیے اُس کی تاریخ پیدائش میں تبدیلی کی۔ یعنی 27 اپریل کی بجائے یکم اپریل لکھ دی تاکہ وہ امتحان میں بیٹھ سکے کیونکہ بورڈ امتحان قانون کے مطابق 16 سال سے کم عمر کا کوئی طالب علم بھی میٹرک کے امتحان میں شرکت نہیں کرسکتا تھا۔ اُن کے والد نے ملازمت سے فراغت کے بعد بھوپال میں ہی رہائش رکھی۔ ان کے والد امیر خاندان سے وابستہ نہ تھے بلکہ متوسط طبقے کے فرد تھے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر نے بھوپال ریاست میں ہی پرورش پائی اور یہ ایسا موقع تھا کہ اُس

Marfat.com

وقت اُس کے اردگرد تمام پڑھے لکھے لوگوں کا ماحول تھا۔

ڈاکٹر عبدالقدیر کی نانی کا نام مسز کلثوم بیگم تھا۔ جن کے روابط بیگم بھوپال کے ساتھ تھے۔ اُن کی وجہ سے ڈاکٹر عبدالقدیر کی والدہ کے تعلقات بھی شاہی خاندان کی خواتین سے گہرے ہوگئے۔ بھوپال مساجد کا شہر کہلاتا تھا۔ بھوپال میں بہت سے حفاظ قرآن تھے۔ ان کے بچپن کا ماحول کلی طور پر مذہبی تھا۔ وہ بچپن میں روزانہ مسجد میں اذان دیا کرتے تھے ان کے گھر کے نزدیک ''رام پال والی مسجد'' تھی۔ جہاں وہ نمازیں باجماعت ادا کرتے۔

ڈاکٹر عبدالقدیر اپنے دوستوں کے ساتھ ہاکی کھیلا کرتے اور دوپہر کے وقت وہ قریبی جھیل پر مچھلیوں کے شکار کے لیے جایا کرتے تھے۔ ان کے گہرے دوستوں میں رؤف اور ممتاز نمایاں نظر آتے ہیں۔

عبدالقدیر نے ابتدائی تعلیم جنیاری پرائمری سکول سے حاصل کی۔ جس کے صدر معلم کا نام رضا خاں تھا۔ عبدالقدیر خاں نے جماعت چہارم میں اوّل پوزیشن حاصل کی اس کے لیے اس کے بعد جہان گیریہ سکول میں داخلہ لیا اور جماعت ششم نمایاں پوزیشن سے پاس کی۔ اس کے بعد الیگزینڈریہ سکول میں داخل ہوئے جس کا بعد میں حمیدیہ ہائی سکول نام رکھا گیا۔

اس سکول نے نامور عالم، مصنف اور شاعر پیدا کر کے اپنا نام روشن کیا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے اس ہائی سکول سے میٹرک کا امتحان 1952ء میں پاس کیا۔ اس سکول کو مسٹر محمد ذکی صدیقی چلا رہے تھے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر اس سکول کے اساتذہ کا بہت احترام کرتے تھے۔ خصوصی طور پر جن کے اسم گرامی درج ذیل ہیں:

(i) مسٹر سلیم حامد رضوی۔

(ii) مسٹر ذکی صدیقی۔

Marfat.com

(iii) استاد شیری بھوپالی۔

(iv) سیّد صاحب۔

(v) مسٹر راس مسعود۔

(vi) مسٹر وحید اور رضا خاں۔

(vii) سابقہ اردو کے فروغ و ترویج کے سربراہ کونسل کے ہیڈ جن کا اسم گرامی استاد جلیل صاحب تھا۔

حتیٰ کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اپنے محترم اساتذہ کی تعریف میں آج بھی بہت کچھ فرماتے ہیں۔ یہ بھی قابل وضاحت ہے کہ حمیدیہ ہائی سکول کے اکثر اساتذہ ڈاکٹر علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح کے مدح خواں تھے اور ان کی خدمات کی بہت تعریف کرتے تھے۔ ہر استاد اپنا یہ پہلا فرض تصور کرتا تھا کہ وہ علامہ اقبال کی فلاسفی کو بھوپال میں متعارف کروائیں وہ اپنے طلباء کو بھی اقبال کے فلسفہ کے بارے میں پڑھاتے تھے۔

ان دوستوں کے ساتھ وہ ہاکی کھیلا کرتے تھے اور پتنگ بازی کرتے تھے۔ وہ مچھلیوں کے شکار کا بھی بہت شوقین تھا اور تیراکی کا بھی وہ عموماً اپنے گھر کی نزدیکی جھیل میں مچھلیاں بھی پکڑتے تھے اور تیراکی بھی کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھوپال میں بہت سی جھیلیں بھی تھیں جہاں وہ اپنے دوستوں کے ہمراہ اپنے مشاغل جاری رکھتے تھے۔ ان کے دوستوں کے مطابق وہ گلی ڈنڈا کھیلنے کے بھی شوقین تھے۔ وہ سکول کے بہت ہی ہونہار، ہوشیار اور حاضر باش طالب علم تھے اور سکول میں شرارتیں نہیں کرتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات پتنگ بازی کے سلسلے میں مسٹر اختر علی خاں کے باغ میں سے گزرتے تھے جو کہ احمد علی خاں کے والد تھے۔ اور وہ ''ڈان'' اخبار کے ایڈیٹر اور محکمہ جنگلات میں کنزرویٹو تھے۔ ڈاکٹر قدیر بعض اوقات سکول جاتے ہوئے راستے میں باغ سے پھل توڑ

Marfat.com

کر کھانے کے عادی تھے۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں شروع سے ہی بڑے ذہین، محنتی اور کتب بینی کے شوقین طالب علم تھے۔ وہ شب و روز پڑھائی میں دل لگا کر محنت کرتے تھے۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے حمیدیہ ہائی سکول سے 1952ء میں میٹرک کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کرنے کے بعد ایف ایس سی (نان میڈیکل) میں داخلہ لے لیا۔ کیونکہ انہیں انجینئرنگ کے شعبہ سے زیادہ دلچسپی اور لگاؤ تھا۔ وہ کالج کے دوران صرف تعلیمی سرگرمیوں میں ہی شریک ہوتے تھے اور زیادہ تر اپنا وقت اساتذہ کی رہنمائی اور فزکس کے مشکل فارمولوں کو سمجھنے میں صرف کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی غیر سنجیدہ سرگرمیوں کی طرف دھیان نہ دیا اور اس کے علاوہ اُن کو سیاست سے کسی قسم کا کوئی سروکار اور لگاؤ بھی نہ تھا۔ وہ اس سلسلے میں کسی دوست کی بات سننے اور ماننے کو تیار نہ ہوتے تھے۔ وہ اپنے دوستوں کو اکثر ان الفاظ میں والہانہ انداز میں کہتے تھے کہ:

> ''دوستو! اب ہمیں سیاست کی نہیں فنی تعلیم کی ضرورت ہے۔ قائداعظم نے جب فرمایا کہ طلباء سیاست میں حصّہ لیں تو ایک مقصد کی خاطر ہم نے سیاست میں حصّہ لیا مگر جب انہوں نے سیاست ترک کرنے کا فرمایا اور کہا کہ طلبہ اب صرف تعلیم پر توجہ دیں تو ہمیں اب علم کے حصول کی جنگ لڑنی چاہیے۔''

Marfat.com

علمی مباحثے

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے بھی کالج کے دوران اپنے دوستوں کا ایک حلقہ قائم کر رکھا تھا۔ جو علمی مباحث میں ان کا ہمیشہ ساتھ دیتا تھا۔ خاص طور پر ان کا زیر بحث مضمون فزکس ہی ہوتا ہے جس میں وہ زیادہ دلچسپی لیتے تھے مگر وہ فزکس کے علاوہ بھی زیادہ سے زیادہ معلومات جمع کرنے میں کوشاں نظر آتے تھے گویا کہ ان کو سائنسی علوم کے ساتھ زیادہ عشق اور محبت تھی۔

ڈاکٹر عبدالقدیر کی ان کوششوں کا مقصد اپنے محترم والد سے کیا ہوا وعدہ ایفا کرنا تھا اور اُن کے تمام بڑے بھائیوں کی بھی یہی خواہش تھی کہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کریں۔ اِس مقصد کو پورا کرنے کے لیے بھائیوں نے اس کو ڈی۔ جے سائنس کالج کراچی میں داخل کرایا تھا جو کہ کراچی میں اچھے اداروں میں نمایاں مقام رکھتا تھا۔ اس کالج سے عبدالقدیر خاں نے ایف۔ ایس۔ سی کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔

Marfat.com

پاکستان کی طرف ہجرت

اسباب

15 اگست 1947ء کے بعد بھوپال میں ہندوؤں نے اپنی مذموم حرکات کا سرعام مظاہرہ کرنا شروع کردیا تھا۔ انہوں نے گوالیار، جبل پور کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی مسلمانوں کی بے عزتی اور قتل عام شروع کردیا تھا دوسرے علاقوں کے لوگوں نے بھوپال ریاست کو پناہ گاہ سمجھا تھا مگر یہاں کے حالات بھی دگرگوں نظر آرہے تھے جس سے لوگوں کو مزید پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ ریلگاڑیاں مسلمانوں کی لاشوں سے بھری ہوتی تھیں۔ جن کو دیکھ کر مسلمان نوجوانوں کے دل دہل جاتے تھے مگر پھر بھی وہ انسانی ہمدردی اور اُخوت کے ناطے سے ان کی بھرپور خدمت اور امداد کرتے تھے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے ایسے اذّیت ناک مناظر کو بھی اپنے لڑکپن کے دوران دیکھا تھا۔

چونکہ نواب بھوپال ایک امن پسند شخصیت کے مالک تھے مگر وہ بھوپال ریاست کے حالات کو ٹھیک خطوط پر استوار نہ کرسکے تھے کیونکہ حکومت پیپلز کانگرس کے فرقہ پرست ہندوؤں کی برابر سرپرستی کر رہی تھی۔ آخر کار نواب بھوپال دسمبر 1948ء میں ریاست سے دست بردار ہو گئے اور ریاست بھوپال کو مدھیہ پردیش میں ضم کردیا۔ تو اس عمل سے ہندوؤں کو اپنے مذموم عزائم کی آبیاری کے لیے مزید موقع مل گیا۔ انہوں نے اپنے متعصّبانہ ارادوں کا خوب اعادہ کیا۔ بزرگ مسلمانوں کی توہین کرتے تھے اور مسلمان

Marfat.com

خواتین کی بے حرمتی کرنا ان کا روز مرہ کا وطیرہ اور دستور بن چکا تھا۔ چونکہ درپردہ حکومت اُن کی حمایت کر رہی تھی اس لیے پولیس کو دیکھ کر انتظامیہ کا عملہ بھی غیر موثر ثابت ہو رہا تھا بلکہ پولیس بعض اوقات شرفاء کو مختلف قسم کے بہانوں سے ناجائز تنگ کرتی تھی۔ اگر کوئی اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر مزاحمت کرتا تھا تو اس کو ہمیشہ کے لیے ٹھکانے لگا دیتے تھے۔

غرضیکہ بھوپال کے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ ہو چکا تھا اور ہر آدمی اپنی اپنی جگہ پر بے بس اور لاچار نظر آتا تھا۔ مسلمان اذیت اور مصائب میں گھرے ہوئے نظر آتے تھے تو ان حالات کا جائزہ لیتے ہوئے نواب حمید اللہ خاں نے ریاستی مسلمانوں کو پاکستان کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔

Marfat.com

پاکستان آمد

1947ء میں ڈاکٹر عبدالقدیر کے دو بڑے بھائی پاکستان آچکے تھے اور کراچی میں مقیم تھے۔ ان کے تیسرے بھائی اور ان کی ایک بہن بھی 1950ء میں پاکستان میں آگئے اور وہ کراچی میں ہی رہائش پذیر ہوئے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے جب میٹرک کا امتحان 1952ء میں پاس کیا تو ان کو بھی بھائیوں نے پاکستان آنے کا مشورہ دیا۔ مگر چونکہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے والدین بھوپال میں تھے اس لیے وہ والدین کو اکیلے چھوڑنے پر رضامند نہ تھے۔ مگر والدین نے ان کو اجازت دے دی تو ان کی رضامندی اور اجازت سے وہ عازم پاکستان ہوئے۔ اُن کی اس وقت عمر 16 برس کی تھی اور اُس کم عمری میں سفری صعوبتوں کو برداشت کرنا کوئی آسان کام نہ تھا مگر پاکستان کی محبت اور اسلام کی چاہت نے اُن کو اپنی کم عمری میں ایسی ہمت اور ولولہ انگیزی عطا فرمائی کہ وہ جوانمردی سے ان مصائب کو برداشت کرتے ہوئے اپنے عظیم ملک میں وارد ہوئے۔

ڈاکٹر عبدالقدیر نے اپنے سفر کے دوران کے حالات و واقعات کا یوں ذکر کیا ہے کہ:

> ”میں اُس وقت نوعمر تھا جب پاکستان آیا۔ اجمیر سے مونا باؤ تک ہندو پولیس والوں نے جو توہین آمیز سلوک کیا اُس کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا درحقیقت یہ بات اُس وقت میری سمجھ میں آئی کہ جناب محمد علی جناح قائداعظم نے پاکستان کیوں قائم کیا تھا؟“

اس کے علاوہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں مسلمانوں کی بدحالی اور ہندوؤں کے مذموم

Marfat.com

ارادوں کی تکمیل کے طریقے اور حربے بھی ملاحظہ کر رہے تھے جن کو دیکھ کر وہ آٹھ آٹھ آنسو روتے تھے وہ ایک مجاہد حریت بن کر اُبھرنا چاہتے تھے مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا بدلہ لینے کے لیے بے تاب و پریشان تھے اور اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے مگر ان کے بڑے بھائیوں اور ان کے والد نے ان کو سمجھایا اور یوں نصیحت آمیز لہجے میں اُن کے جذبات کو سرد کیا کہ:

> "عبدالقدیر خاں! جو کچھ تم کرنا چاہتے ہو۔ ایسے بہت سے مجاہد مسلمانوں کی صفوں میں موجود ہیں۔ لیکن ہم جس چیز کی تم سے توقع رکھتے ہیں تم وہ پہلے کرو اور خاموشی سے تم اپنی تعلیم کو مکمل کرو۔ تعلیم مکمل کرکے اپنی قوم کے مظالم کا بدلہ چکانا۔ یہ قوم اب بہت کمزور ہوچکی ہے اور تم اسے مضبوط بنا دینا۔"

بھائیوں اور والد کے پندو نصائح کا انہوں نے مثبت اثر قبول کیا۔ اور اپنی شوریدہ سری کو قابو کرلیا اور اپنے حواس قائم کرکے حالات کا جائزہ لے کر اپنی تعلیمی سرگرمیوں میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔ چونکہ ان کو نواب بھوپال اور والدینؔ کی طرف سے پاکستان جانے کی اجازت مل چکی تھی اور اُن کے دیگر اعزا و اقارب بھی پاکستان آچکے تھے اس لیے انہوں نے بھی عازم پاکستان ہونے کے لیے اپنا بستہ کندھوں پر رکھا۔

ایسے حالات میں کسی بھی انسان کے سفر کا کیا سامان ہوسکتا ہے؟ کیونکہ وہ افراتفری اور بے چینی کا سماں تھا۔ لوگوں پر آفتوں اور مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔ کسی کی عزت محفوظ تھی نہ جان و مال۔

ڈاکٹر عبدالقدیر جو کہ اُس وقت سولہ سال کے تھے اُن کے پاس سوائے چند کتابوں کے کچھ نہ تھا۔ انہوں نے ایک صندوق میں اپنی چند کتابیں اور کپڑے وغیرہ

Marfat.com

ڈال لیے اور بھوپال سے براستہ اجمیر لونی' چتوڑ باز یہ' مونا باؤ تک بذیعہ ریل گاڑی روانہ ہوگئے۔ آپ اس سفر میں اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتے تھے کیونکہ ان کا کوئی قریبی عزیز ان کے ہمراہ سفر نہ تھا اگرچہ اس سفر میں بھوپال کے کئی مسلمان گھرانے ان کے ہم سفر تھے۔ اس سفر میں ہندو پولیس اور ریلوے ملازمین نے مسلم مسافروں کے ساتھ جو برتاؤ کیا اور ناقابل بیان ذلت آمیز سلوک روا رکھا اسے کوئی بھی باضمیر شخص زندگی کے کسی موقع پر نہیں بھلا سکتا کیونکہ اُن ظالم اور سفاک ہندوؤں نے کسی قسم کی اقدار کا لحاظ نہ رکھا ان تمام نے تعصب اور عناد کی عینکیں لگا رکھی تھیں۔ انہوں نے عورتوں کے کانوں سے بالیاں تک نوچ لیں اور ریلوے کے ملازمین کی افسوسناک حرکات تو اور جلتی پر تیل ڈالنے کے مترادف تھیں وہ مسافروں سے ٹکٹ چیک کرنے کے بہانے لیتے تو جب تک ان کو اضافی نذرانہ پیش نہ کیا جاتا مسافر کو وہ ٹکٹ واپس نہ کرتے تھے جو کہ غریب مسافروں کے لیے زیادہ ہی پریشانی کا باعث تھا۔

آخر خدا خدا کر کے ریلوے کا یہ سفر مونا باؤ اسٹیشن پر ختم ہوا تو اس کے آگے پاکستان پہنچنے کے لیے سات آٹھ کلومیٹر کا سفر طے کر کے پاکستان پہنچنا تھا۔ تا حد نگاہ ریت ہی ریت نظر آتی تھی۔ وہاں نہ کوئی درخت نظر آتا تھا اور نہ کوئی سایہ دار چیز ہی تھی سوائے تپتی ریت کے کچھ نہ تھا۔ جوتوں کے ساتھ چلنا بڑا مشکل اور دُوبھر تھا تو جوتوں کو اتار کر ہاتھوں میں پکڑ لیا اور ضبط وتحمل کے ساتھ چلتے رہے۔ کتابوں کا صندوق بھی سر پر تھا۔ ریت پر چلتے چلتے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ تھکاوٹ سے جسم چور تھا مگر ٹھہرنے کا کوئی مقام بھی قریب نہ تھا اور دوسرے ہندوؤں کے مظالم کی وجہ سے رات کا قیام بھی خطرے سے خالی معلوم نہ ہوتا تھا اسی لیے دن کے دوران میں ہی منزل مقصود تک پہنچنا ضروری تھا۔

آخر کار اللہ تعالیٰ کی مدد سے ''نومین لینڈ'' کو عبور کرنے کے بعد پاکستان میں

Marfat.com

داخل ہوئے تو محسوس ہوا کہ جس طرح کسی قیدی پرندے کو پنجرے سے آزاد کر دیا گیا ہو قلب و روح میں مسرت کی روح دوڑ گئی اطمینان اور سکون کا سانس لیا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے اور وہاں پر سب نے ''نعرہ پاکستان'' بلند کیا۔ کھوکھرا پار کی سرحدی چوکی پر لہلہاتے ہوئے سبز ہلالی پرچم کو سلام کیا اور وہیں پر ایک روٹی کے تندور پر بیٹھ کر گوشت کے سالن کے ساتھ پیٹ بھر کر کھانا کھا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ روانگی سے پہلے انہوں نے قسم کھائی تھی۔

''اے میرے پاک وطن! مجھے تیرے شہیدوں کی قسم میں اپنی ساری زندگی تیرے نام کرتا ہوں۔''

پھر میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ:

''اے میرے مولا میرے ارادوں کی استقامت میں مدد فرما تا کہ میں اپنے ملک اور بے بس قوم کے لیے کوئی بڑا کام کرسکوں۔''

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے پانچ سال بعد یعنی 1952ء میں پاکستان داخل ہوئے۔ اور کھوکھراپار سے بذریعہ ریل کراچی اپنے بھائیوں سے آملے۔

پہلے انہوں نے کراچی کے محلّہ شیرشاہ میں سکونت اختیار کی جہاں ان کے برادران عظیم قیام پذیر تھے۔ پھر سوامی میں۔

Marfat.com

پاکستان میں زندگی

پاکستان پہنچنے کے بعد ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے ڈی۔ جے۔ گورنمنٹ سائنس کالج کراچی (سندھ) میں 1953ء میں داخلہ لیا۔ ان کے ایک بڑے گہرے دوست بدرالسلام بھی بی۔ ایس۔ سی کے زمانہ میں ہی ان کو ڈاکٹر صاحب کہہ کر بلاتے تھے۔ وہ دونوں 1953ء تا 1957ء تک کالج میں ہم جماعت رہے۔ بدرالسلام ان کا پڑوسی بھی تھا مگر تعلقات میں گہرائی بی۔ ایس۔ سی میں داخلہ لینے سے آئی۔ بی۔ ایس۔سی۔ کے دوران ان کی دوستی کا ایک محدود سا دائرہ تھا جس میں مشکل سے چار یا پانچ ہم جماعت لڑکے تھے۔ اُن میں مہدی حسن اور عبدالرشید دونوں شاعر بھی تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ:

> ''ڈاکٹر صاحب! (ڈاکٹر عبدالقدیر خاں) اپنا زیادہ وقت مطالعہ میں گزارتے تھے وہ فزکس میں زیادہ دلچسپی رکھتے تھے۔''

اس کے دوستوں کا کہنا ہے کہ:

> ''ان کو زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کی خواہش تھی اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے خواہاں تھے۔ رشید صاحب اور ڈاکٹر صاحب اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے بیرون ملک جانے کے خواہش مند تھے۔ ڈاکٹر قدیر خاں نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جرمن زبان سیکھنا شروع کردی۔''

ان کو شاعری (Poetry) کے ساتھ بھی بڑی دلچسپی تھی۔ ان کے پاس ایک نوٹ بک ہوتی تھی جس میں عام طور پر منتخب شدہ اشعار درج ہوتے تھے۔ وہ ہر جگہ سے پسندیدہ اشعار اس نوٹ بک میں لکھ لیا کرتے تھے۔

Marfat.com

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں فطری طور پر بڑے نیک اور شریف انسان تھے۔ وہ باقاعدگی سے نماز ادا کرتے تھے مگر وہ کسی کے ساتھ کسی قسم کے سیاسی یا مذہبی مباحثوں میں الجھنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔

وہ کہا کرتے تھے کہ:

''اسلام ایک سیدھا سادہ مذہب ہے اس میں جبر کی کوئی بات نہیں ہے اس میں کسی مذہب کے بارے میں کوئی تعصب نہیں ہے۔''

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں 1957ء میں بی۔ ایس۔ سی پاس کرنے کے بعد اپنے گھر والوں کے ساتھ رام سوامی سے ناظم آباد چلے گئے۔ ان دنوں میں ان کے گھر کے حالات بھی قدرے دگرگوں تھے۔ چنانچہ انہوں نے خود انحصاری کے تحت اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا منصوبہ مرتب کیا جس کے لیے انہیں ملازمت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مگر جب بھائیوں کو ڈاکٹر خاں کے اس ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے سخت ناراضی کا اظہار کیا اور عبدالقدیر خاں سے کہا کہ:

''ہم سوکھی روٹی کھائیں گے اور آپ کو اعلیٰ تعلیم دلوائیں گے اور تم ملازمت کا خیال دل سے نکال دو۔''

چونکہ عبدالقدیر خان اپنے بھائیوں کا بہت احترام کیا کرتے تھے اُن کے سامنے اونچی نگاہ سے یا اونچی آواز سے نہیں بولتے تھے بلکہ بھائیوں کے سامنے سر جھکائے بات کرتے تھے مگر وہ اپنے بھائیوں کو مشکلات میں ڈال کر اپنی خواہشات کی تکمیل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ جس کی وجہ سے قدیر خاں نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ:

''بھائی جان! میں آپ کے جذبات سمجھتا ہوں۔ مگر آپ قطعی فکر نہ کریں۔ میں ملازمت صرف اعلیٰ تعلیم کے لیے ہی کرنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ تعلیم بھی ساتھ ساتھ جاری رکھوں گا اور اپنے وسائل بھی خود تلاش کروں گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب مجھے اپنے قدموں پر خود کھڑا ہونا چاہیے۔''

Marfat.com

باب نمبر: 4

ملازمت

ڈاکٹر خاں نے ملازمت کے لیے اپنی والدہ محترمہ سے اجازت حاصل کرلی۔ اور پھر ملازمت کرنے کا حتمی فیصلہ کرلیا۔ اور انہوں نے محکمہ اوزان و پیمانہ جات میں انسپکٹر کی آسامی پر بھرتی ہونے کے لیے درخواست دے دی۔ جس کے لیے مقابلے کا امتحان دیا جس میں وہ کامیاب قرار دیئے گئے۔ اور ڈاکٹر خاں محکمہ اوزان و پیمانہ جات میں انسپکٹر کی پوسٹ پر تعین ہوگئے انہوں نے اس محکمے میں تین سال تک کام کیا مگر اس محکمے کے طور طریقے اُن کی فطرت کے منافی تھے۔ ان تین سالوں کے دوران انہوں نے کوئی بھی ایسا کام نہ کیا جو اُن کی فطرت کے خلاف ہو۔ اور وہ ملازمت کے دوران بیرون ملک اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے ہمیشہ کوششیں کرتے رہے۔ اور بیرون ملک میں مختلف یونیورسٹیوں کو اپنے تعلیمی کوائف روانہ کرتے رہتے تھے۔ اس دوران خوش قسمتی سے ان کی امیدیں بر آئیں اور جرمنی کی بین الاقوامی شہرت یافتہ ٹیکنیکل یونیورسٹی ڈیلفٹ نے انہیں قبول کرلیا۔

چونکہ ڈاکٹر خاں نے دوران تعلیم ہی جرمن زبان سیکھ لی تھی جس کی وجہ سے یونیورسٹی نے انہیں اعلیٰ تعلیم کی خاطر بہت سی مراعات بھی دینے کا اعلان کیا۔ اور وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے مغربی برلن چلے گئے۔

Marfat.com

اعلیٰ تعلیم

دو سال برلن کی ٹیکنیکل یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ڈاکٹر خاں نے ڈیلفٹ (ہالینڈ) کی عالمی شہرت یافتہ ٹیکنیکل یونیورسٹی میں 1963ء میں داخلہ لے لیا۔ اور انہوں نے یونیورسٹی میں خوب دل لگا کر محنت کی' مطالعہ میں دلچسپی کا اظہار کیا اور جون 1967ء میں ٹیکنیکل یونیورسٹی ڈیلفٹ سے فزیکل میٹالوجی میں ماسٹر آف سائنس (M-Sc) کی ڈگری حاصل کی۔

دست شناس کی پیشگوئی

بیرون ملک سفر پر روانہ ہونے سے قبل ایک دست شناس نے ڈاکٹر قدیر خاں کا ہاتھ دیکھ کر دلچسپ پیشینگوئی کی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے ازل سے ہی اُن کے مقدر میں اعلیٰ مقام مقرر کر رکھا تھا۔

روانگی سے ایک روز قبل ان کے دوست خلیل الرحمٰن نامی نے جو کراچی میں رہائش پذیر ہیں۔ ان کا ہاتھ دست شناس ڈاکٹر گل کو دکھایا جب ڈاکٹر گل نے ڈاکٹر عبدالقدیر کے ہاتھ کا مطالعہ کیا تو وہ حیران رہ گیا اُس نے کہا کہ:

''میں حیران ہوں کہ تم ابھی تک یہاں ہو۔ آپ کو بیرون ملک ہونا چاہیے۔''

مگر اصل صورت حال کچھ ایسی تھی کہ ڈاکٹر خاں نے ایک ہفتہ قبل جرمنی کے لیے ٹکٹ حاصل کیا تھا مگر اس کو ملتوی کروانا پڑا کیونکہ جب تک ان کا استعفیٰ منظور نہ

Marfat.com

ہوتا۔ جس کے لیے ایک مزید ہفتے کی ضرورت تھی۔ اس سلسلے میں نہ تو ڈاکٹر خاں نے اور نہ خلیل الرحمٰن نے اس کے پروگرام کے بارے میں ڈاکٹر گل کو بتایا تھا۔

ڈاکٹر گل نے غور سے ڈاکٹر عبدالقدیر کے ہاتھ کو دیکھ کر کہا کہ:

''تم بہت جلد بیرون ملک جا رہے ہو اور آپ کی پڑھائی کا ابتدائی عرصہ بڑا سخت اور مشکل ہوگا لیکن آخر کار آپ اپنی اعلیٰ تعلیم کے مقصد کو حاصل کرلو گے۔ تم غیر ملکی لڑکی سے شادی کرو گے جو کہ آپ کی زندگی کا بہترین شریک ثابت ہوگی۔ اُس سے آپ کی بہنیں بھائی اور والدہ بہت محبت اور پیار کریں گی۔ اور اعلیٰ تعلیم مکمل کرنے کے بعد تم پاکستان میں آؤ گے مگر پاکستان آنے سے پہلے کچھ عرصہ ٹیکنیکل کام کے لیے وہاں ٹھہرو گے۔ آپ اپنے فن میں ماہر ہو گے جو کہ پاکستان کے لیے نیک نامی ہوگی۔ آپ اپنے خاندان کے لیے باعث فخر ہوگے اور پاکستانی آپ کی بہت قدر کریں گے ان کے دل آپ کی محبت سے بھرپور ہوں گے۔''

مسٹر ابرار الاسلام نے کہا کہ:

پہلے ڈاکٹر خاں اور اس کے دوست نے دست شناس کی باتوں کو درست نہ جانا کیونکہ یہ ساری باتیں غیر یقینی اور ناممکن سی معلوم ہوتی تھیں مگر وقت نے ان کو درست ثابت کردیا۔

اساتذہ

ڈاکٹر خاں کے دل میں کراچی اور پاکستان کے لیے بہت محبت تھی کیونکہ یہی وہ خطہ تھا کہ جس نے اسے یورپ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم کئے۔ اور ان کے علاوہ وہ اپنے اساتذہ اور پروفیسر کا بھی بہت مشکور تھے جو انہیں ڈی۔ جے۔

Marfat.com

سائنس کالج کراچی میں پڑھاتے تھے جن کے نام بھی وہ بڑے احترام وعزت کے ساتھ لیتے تھے۔ وہ اپنے اساتذہ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے تھے کہ:

''اساتذہ کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی کے بغیر وہ نہ تو بیرون ملک اعلیٰ تعلیم کے لیے جاسکتے تھے اور نہ وہ اس طرح اپنے ملک کی اعلیٰ پیمانے پر خدمت ہی کرسکتے تھے۔''

ان کے اساتذہ میں نمایاں طور پر درج ذیل اسمائے گرامی مشہور تھے:۔

(i) پروفیسر محمد عمران زبیری صاحب۔

(ii) پروفیسر قدیر خاں (Q.K) غوری صاحب۔
جو کہ قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد میں شعبہ ریاضی کے سابق صدر شعبہ تھے۔

(iii) ڈاکٹر ایم۔ اے۔ قاضی (جو کہ وزیراعظم پاکستان کے سائنس اور ٹیکنالوجی میں سابقہ مشیر تھے۔

(iv) پروفیسر محبوب علی خاں صاحب

(v) پروفیسر انصاری (مرحوم) صاحب

(vi) پروفیسر کمال (مرحوم) صاحب

(vii) پروفیسر سدھوا (مرحوم) صاحب

(viii) پروفیسر ڈسوزہ (مرحوم) صاحب

(ix) پروفیسر شیخ (مرحوم) صاحب

(x) پروفیسر ترمذی (مرحوم) صاحب

ڈاکٹر خاں ان تمام معزز حضرات کے تہ دل سے مشکور ہیں جنھوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں معاونت فرمائی اور وہ ان کی محنت اور کوششوں سے اس عالی شان مقام تک پہنچے۔ دست شناس کی پیشگوئی کے مطابق ڈاکٹر خاں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور پاکستان میں آکر پُرخلوص انداز سے خدمت کرکے اعلیٰ مقام حاصل کیا۔

Marfat.com

ڈاکٹر خاں کی شادی

شریک حیات کے بارے میں ڈاکٹر خاں اور ان کے دوست کو تو پہلے اس کی باتیں نامعقول اور بے معنی سی معلوم ہوئیں۔ مگر آخر کار وقت نے ان کو درست ثابت کر دیا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے دو سال تک ٹیکنیکل یونیورسٹی برلن میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنی غیر ملکی منگیتر کے اصرار پر ڈیلفٹ (Delfit) (ہالینڈ) کی عالمی شہرت یافتہ ٹیکنیکل یونیورسٹی میں 1963ء میں داخلہ لے لیا۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے جون 1967ء میں ڈیلفٹ یونیورسٹی سے ایم۔ ایس۔ سی (فزیکل میٹالوجی) کی ڈگری حاصل کی۔ اسی دوران اُس نے اپنی ڈچ منگیتر سے شادی کر لی۔ وہ تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ جن کا نام اب ہینی (Haney) خاں ہے۔ انہوں نے کئی ممالک میں ملازمتیں بھی کیں مگر جب وہ ماں بنی تو اس نے ملازمت ترک کر دی اور ایک گھریلو عورت کی طرح زندگی کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کا جیون ساتھی بڑا پُراعتماد ثابت ہوا۔ شادی سے پہلے انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

ڈاکٹر عبدالقدیر سے ان کی شادی کامیاب اور زندگی میں مدد و معاون ثابت ہوئی۔

تقدیر نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو یورپ میں خوب صیقل کر دیا۔ اور انہیں ایک پُراعتماد ساتھی بطور شریک حیات ملا۔ شادی سے قبل ڈاکٹر خاں اور بیگم ہینی خاں کی ملاقات دسمبر 1961ء میں ہیگ (ہالینڈ) میں ہوئی جہاں ڈاکٹر خاں صاحب پاکستان

Marfat.com

کے لیے خط ڈالنے کے لیے نکلے تھے مگر انہیں ڈاک کے خرچ کا علم نہ تھا اور اُن کی ملاقات بیگم ہینی خاں سے ہوگئی۔ جنہوں نے ڈاکٹر خاں کو اپنا خط ارسال کرنے میں مدد فراہم کی۔ اور یہی ایک اتفاقیہ ملاقات جیون بھر کے ساتھ میں تبدیل ہوگئی۔

اس ابتدائی ملاقات کے بعد دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خط و کتابت کرتے رہے ڈاکٹر خاں تعطیلات گزارنے کے لیے ٹیکنیکل یونیورسٹی برلن لوٹنے والے تھے جب ہینی ان کی دعوت پر ان سے ملنے ڈوسلڈ واف گئیں۔ یہ ملاقات بڑی خوشگوار تھی۔ بعد میں دونوں میں خط و کتابت جاری رہی اور دونوں نے اپنے ارادوں کا ایک دوسرے سے اظہار کیا مگر یہ ضروری سمجھا گیا کہ ان کے ارادوں کی تکمیل سے قبل وہ ایک دوسرے کو نفسیاتی طور پر سمجھ لیں تاکہ زندگی بہتر طریقے سے گزار سکیں۔ اس لیے برلن میں ہینی نے ملازمت تلاش کرنے کی کوشش کی اور وہاں ملازمت ملنے کی صورت میں ایک سال تک برلن میں کام کیا۔ اسی دوران دونوں میں ملاقات کا سلسلہ جاری رہا تو دونوں نے اپنے مستقبل کا فیصلہ کرلیا کیونکہ دونوں ایک دوسرے کو بہت پسند کرتے تھے۔ ہینی خاں نے پہلے اسلام قبول کرلیا اور پھر دونوں میں شادی کی رسم مکمل کی گئی۔ شادی کے وقت ہینی خاں کی عمر 21 سال اور ڈاکٹر خاں کی عمر 27 سال تھی۔ اس کے بعد دونوں نے ہالینڈ جانے کا فیصلہ کیا۔ ہالینڈ جانے کے بعد ڈاکٹر خاں نے اپنی تعلیم جاری رکھی اور انہوں نے قلیل مدت میں اپنی پوری توجہ اور شوق سے شب و روز کی محنت کر کے تعلیم مکمل کرلی۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے بہت خوش تھے اور اس کے علاوہ دست شناس کی پیشگوئی کے مطابق شادی کے بارے میں ان کی بات درست ثابت ہوئی تو ان کا اس بارے میں کچھ یقین پختہ سا ہوگیا۔ اور وہ پراعتماد انداز سے وطن واپس آ کر زندگی کا آغاز کرنا پسند کرتے تھے۔ وہ اپنے ملک پاکستان لوٹنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ مگر شائد ان کے خیالات اپنے ملک کے حالات کے مطابق نہ تھے تو ان کو اپنے ملک میں سخت مایوسی کا سامنا ہوا۔

Marfat.com

وطن سے مایوسی

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں ہالینڈ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد 1967ء میں مادر وطن لوٹے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ پاکستان میں اعلیٰ ملازمت حاصل کرسکیں گے کیونکہ بیرون ملک سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے آرہے تھے مگر ان کا یہ خیال غلط ثابت ہوا جس کا قصہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ:

''جب ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد 1967ء میں پاکستان آئے اور انہوں نے آکر سٹیل ملز کراچی میں ملازمت کے لیے درخواست دی۔ مگر سٹیل ملز کے ارباب بست وکشاد نے اُن کی خدمات کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ جس کی درج ذیل وجوہات ریکارڈ کی جاتی ہیں۔

(i) ان دنوں میں سٹیل ملز کراچی کا کام نااہل افراد کے ہاتھ میں تھا۔

(ii) انہوں نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی درخواست برائے ملازمت اس وجہ سے مسترد کردی کہ وہ طبعی میٹارلوجسٹ' ہیں Physical Metallurgist اس وجہ سے وہ سٹیل ملز کی ضروریات پوری نہیں کرسکتے۔''

اصل میں وہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی صلاحیتوں اور خوبیوں کو درست انداز میں نہ سمجھ سکے۔ ڈاکٹر صاحب نے ہالینڈ واپس جاکر یونیورسٹی میں اپنے ٹیوٹر کے ہاں بطور ریسرچ آفیسر کے کام کرنے کا ارادہ کرلیا جو کہ دنیا بھر میں مشہور ومعروف تھے اور اس کا

Marfat.com

نام پروفیسر ڈاکٹر برجر تھا۔

اس کے بعد جلدی ہی یہ فیصلہ کیا گیا کہ ان کو لاون یونیورسٹی (بلجیئم) میں وظیفہ دلایا جائے جہاں سے اُنہوں نے ڈاکٹریٹ مکمل کی۔ اپنی ڈاکٹریٹ کی تعلیم مکمل کرنے سے قبل ڈاکٹر عبدالقدیر نے دوبارہ پاکستان میں ملازمت حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے پاکستان میں مختلف اداروں کو اپنی درخواستیں برائے موزوں ملازمت روانہ کیں مگر کہیں سے بھی ان کو مثبت جواب موصول نہ ہوسکا جس کی وجوہات درج ذیل انداز میں بیان کی گئی ہیں:۔

(i) اداروں میں خصوصی طور پر ترقی پذیر ملک میں اہم پوسٹوں پر خواہ وہ فنی ہوں یا غیر فنی۔ نااہل افراد کا قبضہ ہوتا ہے اور ان کا ایک دوسرے سے گہرا رابطہ ہوتا ہے۔

جس کا مقصد اہل اور موزوں لوگوں کو ایسے عہدوں سے دور رکھنا ہوتا ہے۔

(ii) اہل افراد کے آنے سے نااہل افراد کی خامیاں ظاہر ہو جائیں گی۔

(iii) ان کے علاوہ ان کو امریکہ (U.S.A) آسٹریلیا' انگلینڈ اور ترکی سے مختلف اداروں سے ملازمت کی پیشکش موصول ہوئیں۔

Metu University (میٹو یونیورسٹی جو کہ انقرہ (ترکی) میں واقع تھی انہوں نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو میٹالوجی میں پروفیسر کی پوسٹ کی پیشکش کی۔ اور پروفیسر این۔ بی لر نے لکھا کہ:

"مجھے یقین ہے کہ تم شعبہ طبیعات کے لیے گرانقدر اثاثہ ہو گے۔"

ڈاکٹر خاں کو آسٹریلیا سے بھی تدریسی کام مل گیا جبکہ آسٹریلین اٹامک انرجی کمیشن ان کو روزگار دینے کے لیے رضامند تھا۔

Marfat.com

ہالینڈ روانگی

ڈاکٹر خاں اور ان کی بیوی آسٹریلیا جانے پر راضی تھے۔ مگر ان کو یہ پیشکش دیر سے موصول ہوئی کیونکہ انہوں نے دوسری Offer کو قبول کرلیا تھا جب کہ صرف چھ ہفتے یا ڈیڑھ ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اور وہ پیشکش جو اس نے منظور کی تھی وہ ان کے ایک دوست کی طرف سے تھی جن کا تعلق ہالینڈ کی ایک انجینئرنگ کی مشہور فرم کی طرف سے تھی۔ کیونکہ اُن کو ایک نوجوان اور اہل شخص کی تلاش تھی اور انہوں نے اس سلسلے میں ڈاکٹر خاں کے پروفیسر باربر سے بھی مشورہ کیا تھا۔ (Prof Brabars) پروفیسر باربر نے ڈاکٹر خاں کا نام پیش کیا تھا اور یہ بیگم خاں کے لیے بڑی خوشی کی بات تھی کیونکہ ان کے والدین ہالینڈ میں رہتے تھے۔ وہ ان سے بھی مل سکتی تھی۔ اس لیے وہ اپریل 1972ء میں ہالینڈ روانہ ہوگئے۔

Marfat.com

باب نمبر: 5

"FDO"

ایف۔ ڈی۔ او۔ کیا ہے؟

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو جب مادر وطن میں مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تو اس نے دوبارہ غیروں کی طرف رُخ کیا۔ ایف۔ ڈی۔ او جو کہ ہالینڈ کی مشہور فرم کی کمپنی تھی۔ اُس نے ان کی صلاحیتوں سے خوب فائدہ اٹھایا یہ فرم درج ذیل امور کے بارے میں کام کرتی تھی:۔

1- Resaerch

ii- Manufacturing and design of.

A- Railway Engines ریلوے انجن۔

B- Wind Tunnels. (ونڈ سرنگوں)

C- Desalination plants and ulracentri fuge-technology.

اس فرم میں تقریباً 2500 افراد ملازم تھے جو کہ تمام اپنے فن میں ماہر تھے۔ ان دنوں میں یورپ کی بہت سی ترقی یافتہ کمپنیاں نیوکلیر جوہری تحقیقاتی مرکز یورینکو کے ذیلی ٹھیکیدار کی حیثیت سے کام کر رہی تھی یورنکو برطانیہ' مغربی جرمنی اور ہالینڈ کا مشترکہ منصوبہ تھا اس منصوبے کے تحت یورینیم کی افزودگی عمل میں لائی جاتی تھی۔ جس کے لیے ہزاروں سائنسدان بیس سال سے کام کر رہے تھے۔ اور یہ المیلو کے مقام پر کام ہو رہا تھا۔ اس منصوبے پر امریکی دو بلین ڈالر صرف کر چکے تھے۔ یہ بڑا حساس ادارہ تھا اور جو

Marfat.com

ممالک اس میں شریک تھے انھوں نے امریکی دباؤ کے تحت نہایت خفیہ ہونے کا اعلان 10 مارچ 1960ء کو دیا تھا یہ منصوبہ بڑا ترقی یافتہ اور شاندار طرز پر کام کر رہا تھا جس میں جدید ترین سنٹری فیوج کی تکنیک میں دھاتوں کے استعمال میں خصوصی ادراک رکھتے تھے۔ جس پر اس سے قبل کام نہیں ہوا تھا۔ اس وقت منصوبے میں کوئی مسئلہ درپیش تھا۔ جس کا تعلق ان دھاتوں سے تھا اور صرف مسٹر خان ہی اب باصلاحیت شخص تھے جو ان کے مسئلے یا مشکل کو حل کر سکتے تھے۔ تو انھوں نے اُن کو اپنے پاس بلا لیا۔

FDO المیلو الٹراسنٹری فیوج منصوبے کے مشیر تھے اور ڈاکٹر خان کی صلاحیتوں سے خوب فائدہ اٹھایا گیا تھا اور وہاں ڈاکٹر خاں نے نہ صرف دھاتوں کے مسائل حل کیے بلکہ بعض کیمیائی اور پیداواری عمل کو بھی درست کیا۔

F.D.O نے بہت قلیل عرصے میں محسوس کر لیا کہ ڈاکٹر خاں کی صلاحیتوں سے خوب فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اس لیے انھوں نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے یورنیکو میں کام کرنے کے لیے ڈاکٹر خاں کی سفارش کی۔ اس سے قبل کہ ڈاکٹر خاں کو یورنیکو میں کام کرنے کی اجازت دی جاتی انھوں نے سب سے پہلے ڈچ وزارت داخلہ جس نے ڈاکٹر خاں کے دوستوں اور پروفیسروں سے انٹرویو لیا تھا سے معلومات حاصل کیں اور پوری طرح تسلی حاصل کرنے کے بعد انھوں نے ڈاکٹر خاں کو المیلو میں کام کرنے کی اجازت دی۔ ڈاکٹر خاں نے اپریل 1972ء کو ایف ڈی او کی تیس ہزار کی پُرکشش مشاہرے کی ملازمت قبول کر لی اور وہ اپنی دونوں بچیوں کے ساتھ ایمسٹرڈیم میں منتقل ہو گئے وہاں انھیں ملازمت کے علاوہ مکان اور آمد و رفت کے لیے ایک کار بھی دی گئی اور ہر دسمبر میں ایک اضافی تنخواہ بھی دینے کا معاہدہ کیا گیا تھا اس فرم کی طرف سے ڈاکٹر خاں یورپ کے دوسرے ممالک بھی جاتے تھے اور امریکہ میں بھی ہالینڈ کی نمائندگی کرتے تھے اور وہ پاکستان میں واپس آنے تک وہاں ہالینڈ مین کام کرتے رہے۔ مگر ان کے دل میں اپنے ملک کے لیے تڑپ مسلسل بیدار تھی۔ جس کی وجہ سے وہ بڑے بے قرار تھے۔

Marfat.com

اَللّٰھُمَّ مَالِکُ الْمُلْکِ تُوْتِی الْملکِ مَنْ تُشَاء وَتنْزِیُ
الْمَلکَ مِمَّنْ اتَشَاء وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُزِلُّ مَنْ تُشَاءُ.

(قرآن پاک۔ سورہ بقرہ)

ترجمہ: اے اللہ تعالیٰ جہاں کا مالک ہے تو جسے چاہتا ہے بادشاہت
دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا اور جسے چاہتا عزت
دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر عبدالقدیر کی عظمت

F.D.O کے علاوہ اور کئی حساس اداروں نے بھی ان کو اپنے ہاں ملازمت دینے کی پیشکش کی مگر یہ اُس کی اپنی مرضی اور پسند کا سوال تھا کہ اس نے تمام دیگر پیشکشوں کی نسبت ایف ڈی او میں ہی کام کرنے کو بہتر سمجھا اور وہ مکمل دیانت داری سے اپنے فرائض ادا کرتے رہے اور انھیں یورنیکو کے حساس ادارے/ منصوبے میں ضم کر دیا گیا۔

چونکہ غیر ملک میں ملازمت کا سوال تھا تو تمام متعلقہ تحقیقاتی اداروں نے ڈاکٹر خاں اور ان کی بیوی کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کیں جس میں دونوں کو بے داغ پایا گیا۔ غیر ملک ایجنسیوں نے ان کے رفقائے کار، سسرال اور پروفیسروں سے بھی ان کے بارے میں ضروری اور اہم معلومات حاصل کیں ڈاکٹر خاں کو ان زبانوں پر خاصی مہارت حاصل تھی جن کی وجہ سے ان کو اپنے کام کرنے میں بہت مدد حاصل ہوئی۔

-i جرمن زبان۔ (German Language)

-ii ڈچ زبان۔ (Dutch Language)

-iii فرانسیسی زبان۔ (French Language)

المیلو کے منصوبے میں حساس دشواریوں کو نمٹانے کی ذمہ داری ڈاکٹر خاں کے سپُرد کر دی گئی تھی اور انھیں اکثر فنی دستاویزات کو جرمن سے ڈچ زبان یا انگریزی زبان اور ڈچ سے انگریزی یا جرمن زبان سے دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنے کے لیے کہا جاتا تھا۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب بڑے محنتی اور قابل شخص تھے جس کی وجہ سے ایف۔ ڈی۔ او کے حکام کو ان پر مکمل اعتماد تھا اور ڈاکٹر خاں کو سرکاری طور پر حساس دستاویزات گھر لے جانے کی بھی اجازت دے دی گئی تھی جن کے انھوں نے اپنی پوری دیانتداری اور خلوص کے ساتھ فرائض ادا کیے اور اپنے ادارہ کے اعتماد کو قائم رکھا۔

Marfat.com

عزت و شان

ڈاکٹر خان پر ادارے کے اعتماد کی بڑی مثال ملاحظ ہو کہ 1974ء میں ان کو ایک نہایت ہی اہم رپورٹ کا ترجمہ کرنے کے لیے کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ اس کو بہت حد تک خفیہ رکھنا ہو گا کیونکہ اس رپورٹ کا تعلق سنٹری فیوج کے ڈیزائن اور اس کے پلانٹ کے علاوہ فنی تراکیب سے متعلق تھا۔ جس پر یورینیم کی افزودگی کا انحصار تھا اور اس پر برسوں سے تحقیق جاری تھی۔ ان کے لیے یہ بڑی سخت دشواری کا کام تھا۔ ڈاکٹر خان نے شب و روز محنت اور خلوص سے کام کر کے ان کی توقعات سے کم مدت میں پایہ تکمیل کو پہنچا دیا۔ جس کی وجہ سے المیلو نے ڈاکٹر خاں کی محنت اور استعداد کی بہت تعریف کی۔ مگر بعد میں جب ہالینڈ کے حساس اداروں کو یہ علم ہوا کہ یہ کام المیلو نے ایک پاکستانی سائنسدان سے کروایا ہے تو وہ سخت ناراض ہوئے مگر ایف ڈی او کی انتظامیہ نے ان کو مناسب جواب دے کر خاموش کرا دیا۔ ان دنوں واقعی ڈاکٹر خاں کے کڑے دن تھے کیونکہ ڈاکٹر خاں کے دل میں مادر وطن کی محبت جوش مارتی نظر آ رہی تھی۔ اگرچہ وہ ہالینڈ میں اچھی تنخواہ پر کام کر رہے تھے اور ان کی وہاں بڑی قدرو منزلت بھی تھی۔ مگر ان کے لاشعور میں اپنے والد کی پند و نصائح اور پاکستان کے بارے میں تاثرات محفوظ تھے۔ جس کی وجہ سے وہ پاکستان میں مستقل طور پر آ کر خدمت کرنا چاہتے تھے اور کبھی اپنی بیوی سے اپنے دل کی بات کہتے:

''میرا ملک مجھے کب قبول کرے گا؟ میری قوم کو میری ضرورت ہے

Marfat.com

مگر اس کے راہنما و رہبر اندھے ہو چکے ہیں وہ میری صلاحیتوں سے استفادہ نہیں کرنا چاہتے"۔

الغرض ڈاکٹر خاں کو اللہ تعالیٰ نے غیر ملک میں عزت نصیب فرمائی اور اُن کی نگاہوں میں ایک پاکستانی کی عزت وشان کو دوبالا کیا۔ جس کی وجہ سے وہ ڈاکٹر خاں کی استعداد و اہلیت کو تسلیم کر گئے مگر اپنے پاکستانی بھائیوں کو ان کی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ نہ ہو سکا۔

Marfat.com

باب نمبر: 6

ڈاکٹر خان کی پریشانی کے ایام

ڈاکٹر خاں کو اللہ تعالیٰ نے ہالینڈ میں تیس ہزار ماہوار پر (پاکستانی کرنسی) اور عزت و شان کی ملازمت عطا کر رکھی تھی اور وہ اپنی بیوی بچوں کے ساتھ اپنی صلاحیتوں کا بخوبی مظاہرہ بھی کر رہے تھے۔ وہ ظاہری صورت میں لازمی طور پر مطمئن اور پُرسکون نظر آتے تھے۔ مگر ہر انسان کی انا اور ضمیر اس کو جھنجھوڑتا ہے اور اس طرح ان کے دل میں اپنے مادر وطن کی عزت اور وقار و بقا کا سوال بار بار ذہن میں گھوم رہا تھا۔ اور وہ درج ذیل اہم واقعات کی بنا پر پاکستان کی سالمیت کو زیادہ اہمیت دیتے ہوئے اندرونی طور پر بڑے پریشان بھی تھے۔

i- 1965ء میں بھارت نے پاکستان پر اچانک حملہ کر دیا تھا۔ تو ہالینڈ ٹیلی ویژن کے معروف مبصر پروفیسر ڈے ینگ نے اس سلسلے میں ایک پروگرام پیش کیا جس میں مسئلہ کشمیر پر پاکستان کے موقف کو غلط قرار دیا گیا تھا۔ جس کو دیکھ کر ڈاکٹر خاں تڑپ اٹھے اگرچہ وہ ان دنوں وہاں زیر تعلیم تھے اور اُن کے پاس کسی قسم کے وسائل نہ تھے۔ بہرحال انھوں نے فوری طور پر پروفیسر ڈے ینگ کو خط لکھ کر صحیح صورت سے آگاہ کیا۔ انھوں نے اخبارات میں کشمیر کے حوالے سے مضامین بھی تحریر کیے جس کے نتیجہ میں پروفیسر ڈے ینگ نے

Marfat.com

دوبارہ ٹیلی ویژن پر مسئلہ کشمیر صحیح سمت میں پیش کرنا شروع کیا اور پاکستان کے کشمیر کے موقف کو حق بجانب اور درست قرار دیا گیا۔ جس سے ڈاکٹر خاں کو دلی طور پر سکون حاصل ہوا یہ بھی قابل غور بات ہے کہ غیر ملکی پاکستان کے کشمیر کے موقف کو تسلیم کرنے سے گریزاں تھے۔ مگر ڈاکٹر خاں نے اپنی استعداد اور حب الوطنی کے تحت ان کو دلائل سے قائل کیا۔

ii- جب 1971ء کا سانحہ پاکستان کو درپیش ہوا اور بھارت نے حسب معمول ناگہانی طور پر مشرقی پاکستان پر حملہ کر دیا۔ تو اس وقت ڈاکٹر خاں بلجیم میں تھے تو ٹیلی ویژن پر سقوط ڈھاکہ اور پاک آرمی کو ہتھیار ڈالتے ہوئے دکھایا گیا تو ہر پاکستانی تڑپ اٹھا تھا اسی طرح ڈاکٹر خاں بھی تڑپ اٹھے اور وہ اپنے ملک کی ناتوانی اور بے بسی پر بہت پریشان تھے اور کئی دنوں تک اُن کے ذہن پر ان امور کا اثر باقی رہا اور ان کو بڑی ذہنی کوفت اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اسی دوران انھوں نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ:۔

"اب وہ اپنی تمام توانائیاں پاکستان کے لیے وقف کر دیں گے"۔

اس لیے انھوں نے پاکستان آنے کے پروگرام مرتب کرنے شروع کر دیے۔

مگر بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جس ملک کے لیے ڈاکٹر خان کے دل میں ایسے محبت بھرے جذبات جوش مار رہے تھے اس ملک کے سربراہان ڈاکٹر خاں کی صلاحیتوں سے ناواقف تھے اور ناقدردان تھے۔

iii- تیسری وجہ جو ڈاکٹر خاں کے لیے بہت زیادہ پریشانی کا باعث بنی وہ بھارت کا 18 مئی 1974ء کا ایٹمی دھماکہ تھا جو کہ بھارت نے روس کی مدد سے کیا تھا۔ جس کا ڈاکٹر خاں کے دل پر گہرا اثر ہوا کیونکہ وہ یہ دیکھ چکے تھے کہ:۔

i- پاکستانی حکمرانوں کا مورال گر چکا ہے۔

ii- پاکستانی فوج پسپائی کی وجہ سے بددل ہو رہی ہے۔

iii- عوام بے بس اور مجبور و ناتوان ہیں۔

Marfat.com

ان حالات کا ڈاکٹر خاں نے بڑا گہرا اثر قبول کیا اور اُس نے اپنے ملک کے عوام کی خدمت کرنے کا مصمم ارادہ کرتے ہوئے پاکستان آنے کے لیے پُرزور رابطے شروع کر دیے۔ جس کے لیے وہ ہالینڈ میں آنے والے ہر پاکستانی کے آگے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے مگر کوئی بھی فرد ان کی حوصلہ افزائی نہ کرتا بلکہ ہر آدمی کہتا کہ:۔

''ابھی پاکستان کو اُن کی ضرورت نہیں''۔

مگر ڈاکٹر خاں اس بات سے سخت پریشان تھے کہ اب بھارت جو کہ پاکستان کا ازلی دشمن ہے ایٹمی ملک بن گیا ہے تو اس حالت میں پاکستان کی سالمیت سخت خطرے میں ہو گی۔ اس لیے پاکستان کو زندہ رہنے کے لیے انڈیا کے مقابلے میں ایٹمی طاقت بننا ضروری ہو گا ورنہ دس سال کے عرصہ تک پاکستانی اپنی آزادی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے اور دوبارہ ہندوستان چھا جائے گا۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے ملک کی عزت و ناموس اور اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزت بچانے کے لیے بے تاب و بے قرار نظر آتے تھے۔

اِن پریشانی کے لمحات کے باوجود ڈاکٹر خاں نے ہمت نہیں ہاری وہ بار بار پاکستان واپس آنے کے لیے کوشاں رہے اور آخر کار جس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا تھا اس کی آب یاری کے لیے پاکستان میں آئے اور انھوں نے آ کر بہت مشکلات کے باوجود پاکستانی قوم کے لیے محنت و خلوص کے ساتھ کام کیا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کو پاکستان میں عزت و شہرت سے نوازا۔ ڈاکٹر خاں نے پاکستان کو ایٹمی ملک بنایا۔ جس کے لیے انھیں بے شمار مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا۔

''ہمت مرداں مدد خدا''

اگر انسان اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے خلوص نیت سے کام کرتا رہے تو ضرور مولا کریم اُس کی مدد فرماتا ہے اور وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جاتا ہے جس کی واضح مثال ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی ہے:۔

Marfat.com

بے بنیاد الزام

غیر ممالک کے افراد ڈاکٹر خاں کی صلاحیتوں اور استعداد سے تو مرعوب تھے اور ان سے بھرپور فائدہ بھی اٹھا رہے تھے مگر اس کے ساتھ ہی وہ اس سے بے خبر بھی نہ تھے کہ وہ ایک پاکستانی ہے اور اس پر وہ اس قسم کا اعتماد کرنا پسند نہ کرتے تھے جو ایک اپنے ملکی فرد پر کیا جا سکتا تھا۔ تو اس سلسلے میں مغربی اخبارات اور رسالوں نے ڈاکٹر خاں پر بے بنیاد قسم کے الزامات لگانے شروع کیے جن میں سے ایک کا بیان کرنا ضروری ہو گا اگرچہ وہ بعد میں بے بنیاد ہی ثابت ہوا کیونکہ ڈاکٹر خاں بڑے سمجھ دار اور باشعور ہونے کے ساتھ زندہ ضمیر انسان ہیں۔ وہ ہر وقت قانون اور اصول کے بغیر کوئی کام نہ کرتے تھے۔ جس سے اُن کی عزت یا ان کے ملک کی عزت پر حرف آئے۔ انھوں نے ہمیشہ اپنے اور اپنے ملک کے مفاد کو پیش نظر رکھا تھا جس کی وجہ سے انھیں اللہ تعالیٰ نے اس خطہ ارض میں اس قدر عزت و احترام سے نوازا ہے۔

مغربی اخبار نویسوں نے ڈاکٹر خاں پر یہ الزام لگایا کہ:۔

"انھوں نے اپنی بیوی کے بارے میں یورنیکو میں جگہ لینے کے لیے درست معلومات بہم نہیں پہنچائیں"۔

یہ الزام اگرچہ بے بنیاد اور قابل تردید ہے جس کہ حقیقت یہ تھی کہ:۔

ڈاکٹر خاں کی بیوی کے والدین ڈچ تھے جنھوں نے جنگ عظیم دوئم سے قبل جنوبی افریقہ ہجرت کر لی تھی اور وہاں کے شہری ہو گئے اور وہاں 22 سال قیام کرنے

Marfat.com

کے بعد (جنوبی افریقہ اور زمبیا) وہ 1959ء میں واپس آئے اور ہیگ میں آباد ہو گئے۔ جہاں انھوں نے اپنی ڈچ نیشنیلٹی حاصل کر لی۔

چونکہ مسز خاں زمبیا میں رہتی تھیں جو کہ اس وقت برطانیہ کی کالونی تھی۔ اس نے برطانوی قومیت حاصل کر لی اور وہ ہالینڈ میں ایک غیر ملکی کی حیثیت رکھتی تھیں اور ان کو ہر سال ڈچ حکام سے اپنا ویزہ اور دیگر معاملات کو بحال کروانا ضروری ہوتا تھا اس سے ظاہر ہے کہ ڈاکٹر خاں نے کبھی بھی مسز خاں کو ڈچ نیشنل کاغذات میں ظاہر نہیں کیا جو کہ اس نے ملازمت کے سلسلے میں پیش کئے اس کے پس پشت ڈاکٹر خاں کو محض بدنام کرنا ہی مقصود تھا۔

ڈاکٹر خاں نے اس کے لیے وزارت داخلہ سے المیلو میں کام کرنے سے پہلے سیکورٹی وضاحت حاصل کر لی تھی۔ کیونکہ ڈاکٹر خاں جانتے تھے کہ ان کو بطور غیر ملکی یہاں سخت محنت کرنی چاہیے تاکہ ان کے کام کی قدر ہو اور حکام ان کو کام کی وجہ سے عزت دیں اس لیے اس نے نہایت والہانہ انداز میں کام کیا جس کی وجہ سے اُس کو وہاں شہرت حاصل ہوئی اور اس کے دوستوں اور افسران نے اس کی صلاحیتوں کے لوہے کو تسلیم کر لیا۔

Marfat.com

باب نمبر: 7

ایمسٹرڈیم میں قیام

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں جو کہ ہالینڈ میں ایف ڈی او میں کام کر رہے تھے۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ ایمسٹرڈیم میں رہ رہے تھے وہ جگہ بڑی ہی صاف ستھری اور ہوا دار بھی تھی۔ جس کا نام زوانن برگ تھا۔ (Zwanen Burg) وہاں اُن کے بچے بھی سکول میں زیرِ تعلیم تھے وہ بڑے پُرسکون طریقے سے وہاں زندگی گزار رہے تھے۔ جس کا واضح ثبوت اُن کے ایک دوست ڈاکٹر جارج وین ڈرپر نے اپنے الفاظ میں یوں پیش کیا ہے کہ:۔

> ''خاں تمام معاشرتی اُمور میں فعال کردار ادا کرتا ہے اور تمام سماجی اجتماعوں میں بڑا محظوظ اور خوش ہوتا ہے''۔ وہ ہفتے کا آخری دن اپنے دوستوں اور سیر و تفریح پر جا کر گزارتے تھے۔ انھوں نے وہاں کے مقامی ماحول کو اپنا کر اپنے آپ کو خوش رکھنے کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ مگر ان کا دل پاکستان کی طرف ہی تھا''۔

ڈاکٹر خاں ڈچ زبان اور جرمن زبان بڑی روانی کے ساتھ بول سکتے تھے۔ وہ ان زبانوں میں خط و کتابت بھی کرتے تھے۔ وہ فرانسیسی زبان بھی سمجھ سکتے تھے اور اس کے افہام میں اس کو کوئی مشکل محسوس نہیں ہوتی تھی۔

Marfat.com

باب نمبر: 8

وطن کی محبت اور تڑپ

1974ء میں پاکستان کا ایک وفد ونڈ ٹنل (Wind Tunnel) سرنگوں کی خریداری کے لیے ہالینڈ آیا تو اس وقت ڈاکٹر اسلم خاں اور ڈاکٹر سبطین وفد کے اہم ارکان میں سے تھے۔ جب ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو اس کے بارے میں علم ہوا تو ان سے بڑے شوق اور جذبے کے ساتھ ملے۔ ان سے تفصیلی گفتگو ہوئی تو ڈاکٹر بخاری نے اُن کو ہر دم ڈرایا کہ:۔

''وہ پاکستان نہ آئیں کیونکہ وہاں کسی کو اُن کی صلاحیتوں کی قدر نہیں ہوگی اور وہ حصول روزگار کے لیے پریشان ہوں گے''۔

مگر ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے ان پر زور دیا اور اپنے شعبے اور اپنی صلاحیتوں کی اہمیت کو ہر ممکن انداز سے اُن کے سامنے واضح کرنے کی کوشش کی مگر انھوں نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی ایک نہ سنی اور ادھر اُدھر کی مار کر واپس چلے گئے۔ افسوس کا مقام تو یہ بھی تھا کہ وفد کے ارکان نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی صلاحیتوں کو سمجھنے کی ہی کوشش نہیں کی اور محض وفد ہالینڈ میں اپنی عیاشی خواہشات کی تکمیل کرتا رہا۔ جن کو دیکھ کر ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو بڑا رنج اور دکھ ہوتا تھا اور آخر انھوں نے برملا طور پر ان سے کہہ ہی دیا کہ:۔

''آپ لوگ قومی خزانے سے بھاری رقم لے کر ایک اہم قومی فریضہ ادا کرنے آئے ہیں آپ کو زیب نہیں دیتا کہ اب یہاں بیٹھ

Marfat.com

کر شطرنج کھیلیں"۔

وفد کے ارکان کو یہ بات ناگوار گزری اور وہ بولے کہ:۔

"ڈاکٹر خاں! آپ اپنے پر دھیان دیں ہم بہتر جانتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے"؟

اگرچہ ان باتوں کا ڈاکٹر عبدالقدیر خاں پر بڑا گہرا اثر تو ہوا اُن کو وقتی طور پر کرب اور تکلیف ضرور محسوس ہوئی مگر انھوں نے حوصلہ نہ ہارا۔ کیونکہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں بخوبی جانتے تھے کہ پاکستان میں ایسے ہی لوگ زوال کے باعث ہیں۔ اس لیے ان کے دل میں پاکستان واپسی کے خیالات نے زیادہ زور پکڑا اور انھوں نے پہلے سے بھی زیادہ کوششیں کرنی شروع کر دیں۔ جن میں آخر کار وہ کامیاب ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی اور اپنے ملک میں آ کر قوم کے سامنے سرخرو ہوئے۔

Marfat.com

ایف ڈی او سے استعفیٰ

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے ذہن پر اپنے ملک پاکستان کی واپسی کا خیال ہروقت سوار رہتا تھا۔ اس لیے وہ ہر کرسمس کو پاکستان میں تعطیلات گزارنے کے لیے آیا کرتے تھے حسب معمول 1975ء میں بھی کرسمس کی تعطیلات گزارنے کے لیے پاکستان اپنے فیملی کے ساتھ آئے تو اس کے بہن بھائیوں اور خاندان کے افراد نے اُس پر دباؤ ڈالا کہ وہ مستقل طور پر پاکستان میں رہیں۔ اُن دنوں میں جناب ذوالفقار علی بھٹو کا دور حکومت تھا اور وہ پاکستان میں وزیر اعظم تھے۔ اس نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں سے کہا کہ:۔

"وہ پاکستان میں جوہری توانائی کا منصوبہ بنائیں"۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے اس معاملے میں اپنی بیوی سے مشورہ کیا تو اس نے بھی ڈاکٹر خاں سے اتفاق کیا۔ جس کی وجہ سے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے ہالینڈ سے جنوری 1976ء میں استعفیٰ دے دیا۔ اس کے تمام رفقائے کار بڑے قابل اور اہل ساتھی کی جدائی کی وجہ سے بڑے مغموم ہوئے۔ مگر وہ اس معاملے میں بے بس اور مجبور تھے۔

ایف۔ ڈی۔ او نے بھی اس معاملے میں بہت دلیل سے کام کیا اور آخر میں انھوں نے ڈاکٹر عبدالقدیر کے حق میں ایک سرٹیفکیٹ یوں دیا:۔

ڈاکٹر عبدالقدیر نے ایف ڈی او اور V.M.F وی ایم ایف میں کامیابی سے بین الاقوامی اور مقامی کانفرنسوں میں نمائندگی کی ہے وہ ایک مافوق الفطرت قسم کے

Marfat.com

انجینئر ہیں۔ وہ اپنے دوستوں میں بہت ہی مقبول اور ہر دلعزیز تھے انھوں نے 1972ء تا 1975ء تک برسلز میں انڈسٹریز آف نیشن میں نمائندگی کی۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے جنوری 1976ء ہی میں F.D.O کو اپنا استعفیٰ بھجوا دیا تھا اور اس کا سبب ذاتی وجوہ ہی قرار دیا گیا تھا۔ ایف ڈی او ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو فارغ کرنے کے حق میں نہ تھے لیکن اُن کے اصرار پر اُن کا استعفیٰ منظور کرنا پڑا کیونکہ وہ اس معاملے میں مستقل مزاجی سے مصر تھے۔ ڈاکٹر خاں کے بارے میں ایف ڈی او کو یہ یقین تھا کہ:۔

"ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اپنے تجربے اور مہارت سے پاکستان جیسے پسماندہ ملک کو ایٹمی طاقت سے مستفید نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ امریکہ جیسی سُپر طاقت بھی جوہری ہتھیاروں کی تیاری اس کے پُرامن استعمال کے سلسلے میں دوسری جنگ عظیم کے فوراً بعد سے کام شروع کرنے کے باوجود سنٹری فیوج نظام کی اختراع سے قاصر تھی"۔

اس سلسلے میں ایف ڈی او کے حکام نے ڈاکٹر عبدالقدیر کی بیوی کو بہت ورغلایا اور سمجھایا کہ وہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو استعفیٰ واپس لینے کے بارے میں دباؤ ڈالیں وہ غلط فیصلہ کر رہے ہیں مگر بیگم ہینی نے دوٹوک جواب دیا کہ:۔

"میرے شوہر کا دماغ بکاؤ مال نہیں ہے میں ان کی شریک حیات ہوں اُن کو ان کے فیصلے اور ارادے سے باز نہیں رکھ سکتی۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ وہ انتہائی خوددار مستقل مزاج اور درست فیصلہ کرنے والے انسان ہیں"۔

اس کا ایک ڈچ دوست بڑا پریشان تھا جب ان کو فارغ کیا گیا تو اس نے کہا کہ:۔

Marfat.com

"میں بہت خوش ہوں کہ ڈاکٹر خاں کو پاکستان میں اچھی ملازمت مل گئی ہے میں اس کو کئی سال پہلے سے مشورہ دے رہا تھا کہ وہ اپنے ملک چلا جائے اور اس کی خدمت کرے اس کا مستقبل یہاں کی نسبت زیادہ روشن اور تابناک ہوگا"۔

ڈاکٹر عبدالقدیر نے 8 مارچ 1976ء کو پاکستان میں اپنے اہل و عیال کے ہمراہ قدم رکھا جو کہ ان کی زندگی کا ایک نیا اور اہم باب ہے۔ جس سے پاکستانیوں کو خوشی اور فرحت ملی۔

Marfat.com

باب نمبر: 9

خاکہ حالات زندگی

نام۔	ڈاکٹر عبدالقدیر خاں۔
ولدیت۔	عبدالغفور خاں۔
دادا۔	عبدالمنصور خاں۔
قومیت۔	غوری (ترکی) پٹھان۔
برصغیر میں آمد۔	بارھویں صدی عیسوی میں۔
والدہ کا نام۔	زلیخا بیگم۔
بیوی کا نام۔	ہنی (Heney) بیگم از ہالینڈ۔
جائے پیدائش۔	ریاست بھوپال (انڈیا)
تاریخ پیدائش۔	27 اپریل 1936ء۔
میٹرک۔	1952ء (حمیدیہ ہائی سکول بھوپال)
انڈیا سے آمد پاکستان۔	15 اگست 1952ء کو۔
ایف ایس سی۔	1954ء (ڈی۔ جے۔ سائنس کالج کراچی)
بی ایس سی۔	1957ء (کراچی یونیورسٹی)
ملازمت (پاکستان)۔	محکمہ اوزان و پیمانہ بطور انسپکٹر۔

Marfat.com

ایم ایس سی۔ 1967ء۔

نام یونیورسٹی۔ ٹکنیکل یونیورسٹی ڈیلفٹ (ہالینڈ)

مضمون۔ فزیکل میٹالوجی (انجینئرنگ)

شادی۔ 1963ء۔

بیوی کی عمر۔ 21 سال (بوقت شادی)

ڈاکٹر عبدالقدیر کی عمر۔ 27 سال (بوقت شادی)

شادی کے بعد پہلی مرتبہ کب پاکستان آئے۔ 1967ء میں۔

غیر ملک میں ملازمت۔ ایف۔ ڈی۔ او۔ میں۔

تنخواہ۔ تیس ہزار روپے ماہوار (پاکستانی)

ڈاکٹریٹ کی ڈگری۔ طبعی میٹالوجی میں۔

یونیورسٹی کا نام۔ لیوؤن (بلجیم)

ایف۔ ڈی۔ او کو کب استعفیٰ دیا۔ 1976ء کو۔

استعفیٰ دینے کے بعد کب پاکستان آئے۔ 8 مارچ 1976ء۔

Marfat.com

شجرہ نسب

شجرہ[1] نسب

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں

ملک حاجی بہبل (کمانڈر فوج محمد شمس الدین غوری)

- ملک فیروز
- ملک عمر
  - حسن خاں
  - ملک اکبر
    - محمد خاں
    - نصر خاں
      - چوان خاں
      - بابو زمان خاں
        - دانش خاں
          - خاں محمد خاں
            - رسالدار یار محمد خاں
              - خاں عبدالستار خاں
                - محمد منصور خاں
                  - محمد محمود خاں
                  - عبدالغفور خاں
                  - محمد اسمٰعیل خاں
                  - محمد امیر خاں
        - مسعود خاں
      - احمد خاں
    - امیر خاں

- عبدالروف خاں
- عبداللطیف خاں
- ثریا بیگم
- عبدالحفیظ خاں
- عبدالقیوم خاں
- عبدالقدیر خاں
  - مسز دینا خاں
  - مسز عائشہ خاں
- رضیہ بیگم

---

1. ڈاکٹر عبدالقدیر خاں از زاہد ملک ص 31

Marfat.com

باب نمبر: 10

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں

کے کارنامے

Marfat.com

ذوالفقار علی

Marfat.com

وزیرِ اعظم پاکستان سے ملاقات

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں ہالینڈ میں ملازمت کر رہے تھے مگر ان کے دل میں پاکستان کی خدمت کے جذبات بھی اُبل رہے تھے مگر ایسا کوئی مناسب موقع میسر نہیں آ رہا تھا کیونکہ وہ پاکستانی اداروں سے تو تقریباً مایوس ہو چکے تھے آخرکار انھوں نے وزیر اعظم پاکستان کو براہ راست خط لکھا اور اس خط میں درج ذیل مضمون کی تحریر بھجوائی جو کہ تیر بہدف ثابت ہوئی۔

یہ خط 1974ء میں لکھا گیا تھا۔

"ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے اس خط میں اپنے بارے اور پاکستانی اداروں کے بارے میں کھول کر بیان کیا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی یقین دہانی کرائی گئی کہ اُن کی ذات ہی پاکستان کے لیے سستا اور موثر ایٹمی صلاحیت والا منصوبہ پایہ تکمیل تک پہنچا سکتی ہے"۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے اس خط کا ایک ایک لفظ وزیر اعظم پاکستان کی نظروں سے گزرا تو اس نے اس کے دماغ میں اپنی جگہ بنا لی اور یہ خط بڑا موثر ثابت ہوا۔

i- وزیر اعظم پاکستان چونکہ خود بھی بڑے سمجھ دار اور جہاندیدہ فرد تھے۔ انھوں نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی المیلو پلانٹ کے منصوبے سے وابستگی اور یورینیم کی افزودگی میں مہارت سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔

ii- کیونکہ انڈیا نے پوکھران (راجستھان) میں ایٹمی دھماکہ کر کے وزیر اعظم

Marfat.com

پاکستان کے کان کھڑے کر دیئے تھے اور وہ پاکستان کو بھی نا قابل تسخیر بنانے کا اٹل فیصلہ کر چکے تھے اور انھوں نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے ارادوں کے ساتھ اتفاق کر لیا۔ جس کی بڑی وجہ اس وقت کی اشد ضرورت تھی کیونکہ وزیر اعظم پاکستان کو اُن کے بہی خواہوں' حساس اداروں اور دانشوروں اور محبان وطن نے یہ اشارے دے رکھے تھے کہ ہندوستان پاکستان کو ختم کرنے کے ناپاک ارادے رکھتا ہے اور اگر پاکستان نے ایٹم بم بنانے میں تاخیر سے کام لیا تو بھارت پاکستان پر بم پھینک کر ختم کر دے گا۔ جس کی وجہ سے وقت کی اہم ضرورت صرف بم کی تیاری ہی تھی۔

-iii وزیر اعظم پاکستان نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو بتوسط مقیم سفیر ہالینڈ خط پہنچایا جس میں وزیر اعظم کی ڈاکٹر عبدالقدیر خاں سے ملاقات کی خواہش کا اظہار شامل تھا۔ اس خط سے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی اُمیدیں برآئیں تو وہ اس خط کی موصولی پر فوری طور پر پاکستان آنا پسند کرتے تھے مگر اتفاق کی بات تھی کہ کام کی زیادتی کی وجہ سے اُن دنوں میں تعطیلات کا حاصل کرنا دشوار تھا۔ لہٰذا انھوں نے وزیر اعظم پاکستان کو جواب میں لکھا کہ:۔

"وہ ہر سال کرسمس کی چھٹیاں پاکستان گزارتے ہیں اگر وہ مناسب سمجھیں تو اس ملاقات کو اس وقت تک موخر کر دیں"

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے جب یہ خوشخبری اپنی بیوی ہینی بیگم کو سنائی تو وہ بولیں کہ:۔

"ڈاکٹر خاں! تقدیر نے آپ کو پاکستان بھیجنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میں آپ کے ساتھ ہوں جیسے ہی آپ اشارہ کریں گے میں یورپ کی فضاؤں کو خیر باد کہہ دوں گی"۔

Marfat.com

جب وزیر اعظم پاکستان کو ان کا یہ خط ملا تو انھوں نے پیغام بھجوایا کہ:۔

''وہ مطمئن رہیں کرسمس کی چھٹیوں میں پاکستان آئیں تو ان کے ملٹری سیکرٹری بریگیڈیر امتیاز سے رابطہ کر لیں''۔

اس دوران وزیر اعظم پاکستان سیکرٹ سروسز اور سفارتی ذرائع سے المیلو پلانٹ کی اہمیت اور ڈاکٹر عبدالقدیر کی کارکردگی کے بارے میں معلومات حاصل کر چکے تھے۔

دسمبر 1974ء کو جب ڈاکٹر عبدالقدیر خاں حسب معمول پاکستان میں تعطیلات کرسمس گزارنے کے لیے آئے تو انھوں نے آتے ہی حسب الحکم وزیر اعظم پاکستان (مسٹر ذوالفقار علی بھٹو) ان کے ملٹری سیکرٹری بریگیڈیر امتیاز سے رابطہ قائم کیا۔ جنھوں نے وزیر اعظم پاکستان کو ڈاکٹر عبدالقدیر کی پاکستان آمد کے بارے میں مطلع کر دیا۔ وزیر اعظم پاکستان نے فوری طور پر ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو اسلام آباد بلا لیا اور انھوں نے بڑی خوش دلی کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور بے تابی سے دریافت فرمایا کہ:۔

''ڈاکٹر خاں! مجھے صاف صاف اور سچ سچ بتائیں آپ کیا بم.......... میرا مطلب ہے۔ ایٹم بم تیار کر سکتے ہیں''؟

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے بڑے پُر اعتماد لہجے میں جواب دیا کہ:۔

''سر! یقیناً کیوں نہیں؟ میرا آپ کو خط لکھنے کا مقصد ہی یہی تھا۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ پاکستان کے لیے ایٹم بم کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ میں آپ کو اور پاکستانی قوم کو مایوس نہیں کروں گا''۔

یہ جواب سن کر وزیر اعظم پاکستان کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ اور وہ خوشی سے بولے:۔

''زبردست آگے کہو''۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں بولے کہ:۔

Marfat.com

"سر! میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا مگر میں ایک بات واضح کر دوں کہ مجھے اس کام میں مکمل آزادی چاہیے"۔

"مسٹر خان! یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے آپ صرف ایٹم بنانے کی سوچئے"۔

بھٹو جذباتی لہجے میں بولے پھر دریافت کیا کہ:۔

"مگر ڈاکٹر خاں! آپ ایٹم بم بنانے کے لیے کیا طریقہ اختیار کر سکتے ہیں؟"۔

ڈاکٹر خان نے بتایا کہ:۔

"میں ری پراسسنگ پلانٹ کی بجائے الٹرا سنٹری فیوج پلانٹ کے ذریعے یورینیم کی افزودگی کروں گا اس سے ہم بہت جلد ایٹم بم بنا لیں گے"۔

مگر یہ تو بہت مشکل کام ہے بھٹو بولے!

"آپ جس ادارے میں کام کرتے ہیں۔ وہاں بیس سال سے کام ہو رہا ہے اور سارے یورپ کا ذہن المیلو کے پلانٹ میں صرف ہو رہا ہے۔ ہزاروں روپے خرچ ہو چکے ہیں۔ پاکستان جیسا غریب ملک اس نظام سے کیسے مستفید ہو سکتا ہے"؟

"میں مسلمان اور پاکستانی ہوں۔ مجھے اپنی صلاحیتوں پر یقین ہے۔ میرا آقا مجھے مایوس نہیں کرے گا"۔

" سر! دنیا حیران رہ جائے گی کہ پاکستان جیسا ملک اس جدید ٹیکنالوجی سے کیسے بہرہ مند ہو گیا"۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے وزیراعظم پاکستان کو مطمئن کرتے ہوئے بتایا کہ:۔

"پاکستان ری پراسسنگ کے ذریعے کبھی ایٹمی توانائی کے مطلوبہ

Marfat.com

نتائج حاصل نہیں کر سکتا۔ امریکہ اپنے ری ایکٹر پاکستان کو دے کر اپنا محتاج رکھنا چاہتا ہے کیونکہ ری پراسسنگ کے لیے ایٹمی ری ایکٹروں کی ایک بڑی تعداد درکار ہوتی ہے اور پاکستان لامحالہ اس مہنگے سودے کا روادار نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہمیں سستے اور مؤثر اور فائدہ مند نظام کی ضرورت ہے ری پراسسنگ کی بجائے یورینیم کی افزودگی کی ٹیکنالوجی ہمارے لیے زیادہ سود مند ہے۔ اگر ہم اس میں کامیاب ہو جاتے ہیں جس کی مجھے سو فیصد امید ہے تو انشاء اللہ پاکستان کسی کا محتاج نہیں ہو گا۔ ویسے بھی ری پراسسنگ پلانٹ بین الاقوامی نگرانی میں ہو گا''۔

اس سے وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو بہت خوش ہوئے اور بولے کہ:۔

''مسٹر خاں! میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک میں زندہ ہوں آپ کے ارادوں پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔ آپ ملک کی خاطر اس کام کے آغاز کی تیاریاں شروع کر دیں اور اس سلسلے میں منیر احمد خاں سے ضرور مل لیں اور ان کے ساتھ ہی مل کر کام کریں۔ میں انھیں آپ کے متعلق بریفنگ دے دوں گا۔ اس کے علاوہ آپ جب چاہیں مجھ سے مل سکتے ہیں''۔

منیر احمد خاں ان دنوں ایٹمی توانائی کمشن کے چیئرمین تھے اور وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی اُن پر بے حد اعتماد کرتے تھے۔ لیکن بھٹو صاحب کو یہ علم نہ تھا کہ مسٹر منیر احمد خاں صرف الیکٹریکل انجینئر تھے اور انھوں نے امریکہ کے ایک پولی کلینک سے 9 ماہ کا ڈپلومہ حاصل کیا تھا۔ وہ نیوکلیر کے سائنسدان نہ تھے اور نہ ہی وہ ڈاکٹر تھے وہ وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹوکو اپنے بھائی شیخ خورشید کے ذریعے بے وقوف بنا کر اہم ترین اور حساس ترین ادارے سے وابستہ ہو گئے تھے۔ جہاں ان کی کوئی افادیت نہ تھی۔

Marfat.com

ہالینڈ کو خیر باد کہنا

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ بڑی کامیاب ملاقات رہی۔ انھوں نے مسٹر منیر احمد خاں سے بھی رابطہ قائم کیا۔ مسٹر منیر احمد نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو اپنی چند ملاقاتوں میں مختلف ایٹمی توانائی کمیشن کی تنصیبات بشمول پنسک وغیرہ دکھائیں اور چند ہی ملاقاتوں میں دونوں سائنسدانوں میں افہام تفہیم کی فضا پیدا ہوگئی۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے مسٹر منیر احمد خاں کو سینٹری فیوج پلانٹ کی خصوصیات سے آگاہ کیا اور انھیں یقین دلایا کہ ری پراسسنگ پلانٹ کی بجائے سنٹری فیوج پلانٹ ہی بہتر ہے مسٹر منیر احمد خاں نے انھیں اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا تو وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ:۔

"ڈاکٹر خاں! اب آپ کو یقین آ گیا ہے کہ پاکستان ایٹمی توانائی کے ضمن میں خاصی پیش رفت کر چکا ہے۔ پس آپ ہالینڈ کو خبر باد کہہ دیں"۔

"سر! میں بہت جلد استعفیٰ دے کر آ جاؤں گا۔ مسٹر منیر احمد خاں نے مجھے یقین دلایا ہے کہ ہم سنٹری فیوج پلانٹ کے لیے انتظامات کر دیں گے اور مجھے امید ہے کہ میری وطن واپسی تک خاصا کام ہو چکا ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ جب وطن واپس آؤں تو پرائمری سطح کا کام ہو چکا ہو اور ہم وقت ضائع کیے بغیر اپنا سفر آگے جاری رکھ سکیں"۔

Marfat.com

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں ہالینڈ واپس چلے گئے۔ وہاں ان کا زیادہ وقت اپنے موضوع سے متعلق کتب اور مواد کے مطالعہ میں صرف ہوتا تھا اور انھیں یقین تھا کہ وہ پاکستان میں ری پراسسنگ کے فرسودہ نظام کی بجائے الٹرا سنٹری فیوج لگانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

مگر اس سادے مگر محبّ الوطن شخص کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ پاکستانی افسر شاہی اس کے پیچھے لگ جائے گی اور اس کی تمام کاوشوں پر پانی پھیر دے گی۔ اگرچہ اُن کو پاکستان کے ایٹمی توانائی کمیشن کے حالات کا پورا علم تھا۔

Marfat.com

ایٹمی توانائی کمیشن کا قیام

پاکستان میں ایٹمی توانائی کے کمیشن کی بنیاد 1956ء میں رکھی گئی تھی اور اس کے سب سے پہلے سربراہ ڈاکٹر نذیر احمد صاحب تھے جو بنیادی طور پر کاٹن ایکسپرٹ تھے۔ انھوں نے اس ادارے کی منصوبہ بندی کی جو کہ محض کاغذی کارروائی تک محدود تھی۔

اُن کے بعد 1960ء میں ایک ممتاز پاکستانی ڈاکٹر عثمانی اس ادارے کے سربراہ مقرر ہوئے جن کی سفارش ڈاکٹر عبدالسلام نوبل پرائز یافتہ نے کی تھی جو ان دنوں صدر پاکستان ایوب خاں کے مشیر برائے سائنسی امور تھے۔

انھوں نے اس ادارے کو مستحکم بنانے کے لیے ٹھوس اقدامات کیے کیونکہ انھیں اس بات کا کامل احساس تھا کہ وطن عزیز میں کوئی ایک صنعتی ڈھانچہ نہیں ہے جو اس ادارے کے اُمور میں معاون ثابت ہو سکے اور تربیت یافتہ ماہرین موجود ہیں۔ لہٰذا اب پروگرام تشکیل دیا جائے جس کے تحت بہت سے نوجوان سرکاری وظائف پر غیر ملکی یونیورسٹیوں سے سائنسی علوم اور ہنرمندی حاصل کر کے پاکستان آنے لگیں۔ ڈاکٹر عثمانی کے دور میں ایٹمی ری ایکٹر کا معاہدہ ہوا۔ تین سال کے بعد پنسنگ کا سنگ بنیاد نیلور کے مقام پر رکھا گیا۔

1965ء میں ریسرچ ایٹمی ری ایکٹر نصب ہوا۔ یہ پانچ میگا واٹ کا سوئمنگ پول ٹائپ ریسرچ ری ایکٹر تھا جسے امریکہ نے ''ایٹم برائے امن پروگرام'' کے تحت دیا تھا۔ اس طرز کے ری ایکٹر امریکہ نے پاکستان کے علاوہ دیگر تقریباً پچاس ممالک کو بھی فراہم کیے تھے۔

Marfat.com

اگرچہ نیلور میں ری ایکٹر کی تنصیب سے وطن عزیز میں ایٹمی ٹیکنالوجی کے عملی منصوبوں کا آغاز ہوا جو کسی حد تک مناسب مگر پاکستانی سرخ فیتے کی فتنہ سازیوں نے اسے تباہ کر کے رکھ دیا اور اسے پروان نہ چڑھنے دیا اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ 1972ء تک پاکستان اٹامک انرجی کمیشن ایک جوائنٹ سیکرٹری کے تحت کام کر رہا تھا۔ لہٰذا اس شعبہ میں کسی قابل قدر ترقی یا پیش رفت نہ ہو سکی۔

1961ء میں لاہور میں اٹامک انرجی کمیشن سنٹر قائم کیا گیا۔ اس سنٹر نے مختلف لوگوں کے لیے تربیت کا بھی انتظام کیا۔ اسی سنٹر نے زرعی تحقیقاتی سنٹر پنسک۔

i- زرعی تحقیقاتی سنٹر

ii- میڈیکل سنٹر

معدنیات کے مراکز اور کینسوپ (کراچی) وغیرہ کو افرادی قوت بھی فراہم کی۔ 1972ء میں جب ڈاکٹر عثمانی سبکدوش ہوئے تو ان کی جگہ پر مسٹر منیر احمد خاں کو کمیشن کا چیئرمین مقرر کیا۔ جن کو اس ادارے کا بالکل تجربہ نہ تھا اور وہ اپنی کم صلاحیتوں اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے اس اہم اور حساس ادارے کی کارکردگی کو بڑھانے میں بالکل ناکام رہے جس کے نتیجہ میں پاکستان میں ایک بھی ری ایکٹر نہ لگایا جا سکا۔ یہ بھی واضح ہو کہ 137 میگا واٹ کا نیوکلیر پاور پلانٹ (کینسوپ) جو کراچی میں نصب کیا گیا تھا وہ ڈاکٹر عثمانی نے لگوایا تھا۔

دسمبر 1974ء میں کینیڈا نے جوہری توانائی کے عدم پھیلاؤ یعنی این پی ٹی کے معاہدے پر دستخط کرنے کے باعث اور امریکہ کے سیاسی دباؤ کے بعد پاکستان کو فاضل پرزوں اور ایندھن کی فراہمی بند کر دی پاکستان ایٹمی انرجی کمیشن نے اس چیلنج کو یوں قبول کیا کہ اس کے انجینئروں اور سائنسدانوں نے اپنے وسائل سے خود ہی ایٹمی ایندھن کی تیاری میں اہم کامیابیاں حاصل کر لیں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے انجینئروں کی تربیت کا انتظام بھی کر لیا گیا۔ ان کوششوں کے نتیجے میں پاکستان نے قدرے کفالت

Marfat.com

حاصل کر لی اور بہت کم عرصہ میں کراچی کے نیوکلیر پاور ٹریننگ سنٹر میں ہنر مندوں کی ایک جماعت تیار کر لی اس کامیابی سے پاکستان کے سائنسدانوں کے حوصلے بلند ہوئے۔ پھر پاکستان نے ایندھن اور خاص پرزوں کی تیاری کے لیے ایک پلانٹ میانوالی کے نزدیک 1972ء میں چشمہ کے مقام پر دریائے سندھ کے کنارے لگانے کا فیصلہ کیا گیا۔ چشمہ پراجیکٹ کی بجلی کی پیداوار کی صلاحیت 900 میگا واٹ تھی۔ اس کے علاوہ یہ بھی منصوبہ بنایا گیا کہ ملکی توانائی کی ضروریات کے پیش نظر 2000 تک ملک بھر میں 24 ری ایکٹر قائم کیے جائیں گے اور چشمہ پلانٹ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھا مگر یہ منصوبہ 24 سال تک مکمل نہ ہو سکا جن کی وجوہات بیان کی گئی ہیں:۔

i- منیر احمد خاں مطلوبہ صلاحیتوں کے حامل نہ ہونے کی وجہ سے اپنے کام میں کامیابی حاصل نہ کر سکے۔

ii- اس کی تعمیر کے لیے عالمی سطح پر ٹینڈر داخل نہیں کیے جا سکتے تھے۔

یہ تو ماضی کے شواہد کئی بار ثابت کر چکے ہیں کہ مغرب نواز حکمران ہمیشہ سے ترقی پذیر ممالک کے لیے دوغلی پالیسیاں مرتب کرتے ہیں جن کی مثال درج ذیل میں بھی مل سکتی ہے کہ:۔

1- کینیڈا نے این پی ٹی کے معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد پاکستان کو ایٹمی پلانٹ کے لیے پرزے فراہم کرنے سے انکار کر دیا۔

دوسری طرف وہ اپنے ہی قانون کی عدم تعمیل میں مصروف رہا کیونکہ 1976ء میں جب جناب ذوالفقار علی بھٹو وزیر اعظم پاکستان نے کینیڈا کا دورہ کیا تو مذکورہ وزیر اعظم نے کینیڈا کے حکمرانوں کو پاکستان کے پُرامن ایٹمی پروگرام اور اس کی ضروریات کے بارے میں بھی آگاہ کیا اور ان سے حسب ضرورت ضروری پرزے وغیرہ فراہم کرنے کے لیے کہا گیا مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سدھار لی۔

"جو کہ مغرب نواز حکمرانوں کی ایک بہت بڑی اور گہری ترقی پذیر ممالک کو پسماندہ رکھنے کے لیے چال تھی"۔

Marfat.com

باب نمبر: 11

پاک فرانس ری ایکٹر

•

خریداری معاہدہ 1976ء

Marfat.com

معاہدہ فرانس

جناب وزیر اعظم پاکستان نے 1976ء میں فرانس کے ساتھ ری ایکٹر پراسسنگ پلانٹ کی خریداری کا معاہدہ کیا جس کی تصدیق 18 مارچ 1976ء کو باقاعدہ طور پر ہوئی اور اس پلانٹ کی منظوری انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی نے بھی دی تھی جس کی شرائط درج ذیل طے ہوئیں:۔

-i پاکستان فرانس سے فراہم کیے جانے والے ری ایکٹر پراسسنگ پلانٹ کے کسی بھی قسم کے مواد سے ایٹم بم تیار نہیں کرے گا۔

-ii اس کے مواد کو کسی قسم کے فوجی مقصد کے لیے استعمال نہیں کرے گا یعنی جنگ میں استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہو گی۔

-iii پاکستان اور فرانس دونوں ملک انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی (IAEA) کو پلانٹ کی تعمیر کے کام کے بارے میں معلومات فراہم کرتے رہیں گے۔

-iv فرانس سے پاکستان منتقلی کی بھی تفصیلات IAEA کو فراہم کی جاتی رہیں گی۔

پاکستان سے تمام ترقی یافتہ ممالک کو بروقت یہ خطرہ لاحق رہتا ہے کہ کہیں پاکستان ایٹم تیار کرنے میں کامیاب نہ ہو جائے جس کو روکنے کے لیے پاکستان کے پُرامن ایٹمی پروگرام پر مختلف بہانوں سے پابندیاں لگائی جاتی رہی ہیں تاکہ ان کا یہ پروگرام آگے نہ بڑھ سکے۔ ترقی یافتہ ممالک کے خطرے کی بڑی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ

Marfat.com

پاکستان میں معیاری اور عمدہ یورینیم کے ذخائر کافی مقدار میں پائے جاتے ہیں جو کہ جوہری توانائی کے پروگرام کو کامیاب کرنے کے لیے ضروری ہے۔تو پاکستان اپنے وسائل کے مطابق غیر ملکی معاہدوں کے بغیر بھی اپنے ملکی خام یورینیم کو صاف کرنے کے کام میں مصروف رہا ہے اور اس نے کسی بھی دور میں اپنے اس عمل میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش نہیں کی اگرچہ ملکی وسائل بہت ہی محدود ہیں اور مشکلات بہت زیادہ پائی جاتی ہیں۔

Marfat.com

الٹرا سنٹری۔

فیوج طریقہ کی اہمیّت

Ultracentri fuge Method-

(ایک جدید نظام توانائی)

Marfat.com

باب نمبر: 12

الٹرا سنٹری فیوج

18 مئی 1974ء کو ہندوستان نے اپنے آپ کو ایٹمی طاقت ظاہر کرنے اور پڑوسی ممالک پر رعب ڈالنے کی خاطر اپنا ایٹمی دھماکہ کیا۔ تو ہندوستان سے سب سے زیادہ خطرہ پاکستان کو ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان اور ہندوستان کی افرادی قوت اور وسائل میں بھی پاکستان کے مقابلے میں بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ ہندوستان ہر ممکن طریقے سے پاکستان کے وجود کو ختم کرنا چاہتا ہے تو ان حالات کا جائزہ حکومت پاکستان نے لیتے ہوئے ایٹمی توانائی کے حصول کے لیے اپنی تمام تر کوششیں تیز تر کر دیں تھیں۔ مگر دنیا کی خفیہ ایجنسیاں بھی خاموش نہیں تھیں وہ ہر طرف سے معلومات کا ذخیرہ جمع کرتی رہتی تھیں۔ تو بین الاقوامی ایجنسیوں میں امریکہ سب سے ترقی یافتہ اور مالی وسائل کا ملک ہے۔ پاکستان بے اس عمل کا علم امریکہ کو بھی خفیہ طریقوں سے ہو گیا۔ امریکہ نے پاکستان کے وسائل کو روکنے کے لیے 1974ء میں (N.P.T) کا قانون بنایا اور تمام ممالک کو مجبور کیا گیا جو ممالک پاکستان کو ایٹمی پراجیکٹ کے سلسلے میں پرزے وغیرہ فراہم کر رہے تھے یا جن سے پاکستان نے پرزے حاصل کرنے کا معاہدہ کیا تھا۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ پاکستانی بیوروکریسی ملک کو ری پراسسنگ کے پھندے سے آزاد نہیں کرنا چاہتی۔ مگر ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اس ذریعہ توانائی کے سخت خلاف تھے کیونکہ یہ بڑا مہنگا طریقہ حصول توانائی تھا۔

Marfat.com

ii- ڈاکٹر قدیر خاں ری ایکٹروں کی بڑی تعداد کے بغیر ری پراسسنگ پلانٹ کو محض سفید ہاتھی تصور کرتے تھے۔

iii- اس کے برعکس وہ سنٹری فیوج طریقہ کو یورینیم کی افزودگی میں بڑی اہمیت دیتے تھے کیونکہ وہ طریقہ ترقی پذیر ممالک کے وسائل کے مطابق نظر آتا تھا۔

یورینیم کی ری پراسسنگ اور افزودگی کے مختلف طریقے ہیں جن پر مختصراً روشنی ڈالی جائے گی:۔

1- ایٹمی ری ایکٹر توانائی پیدا کرنے والا پلانٹ ہوتا ہے جس میں یورینیم کا ایندھن استعمال کیا جاتا ہے جبکہ ری پراسسنگ پلانٹ استعمال شدہ ایندھن جسے ایٹمی فضلہ کہا جاتا ہے اس سے پلوٹونیم اور غیر استعمال شدہ یورینیم نکال کر اسے دوبارہ ری ایکٹر کے لیے قابل استعمال بناتا ہے گویا ری پراسنگ پلانٹ کا اصل مقصد ری ایکٹروں کو چلانے والے ایٹمی مواد کو دوبارہ صاف کرنا تھا۔ اس لیے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں ری ایکٹروں کی بڑی تعداد کے بغیر ری پروسسنگ پلانٹ کو محض سفید ہاتھی سمجھتے تھے اور اس کے برعکس وہ الٹرا سنٹری فیوج کے طریقے کو یورینیم کی افزودگی کے لیے بہت اہمیت دیتے تھے جو کہ شاید کم لاگت ذریعہ تھا۔

ری ایکٹر کے استعمال شدہ ایندھن میں بہت سا یورینیم بچ جاتا ہے۔ پلوٹونیم ایک قدرتی عنصر نہیں ہے لہٰذا ری ایکٹر کے ذریعے ضمنی پیداوار کی حیثیت سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اس کے برعکس یورینیم کی افزودگی کا ری ایکٹر کے استعمال شدہ یورینیم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس طریقے میں زمین سے نکالے ہوئے یورینیم کو اپنی قدرتی حالت میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یورینیم اور پلوٹونیم دونوں ایندھن کے طور پر استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ دونوں سے بم تیار کیا جا سکتا ہے چنانچہ مغربی ممالک ایٹمی اجارہ داری قائم

Marfat.com

رکھنے کے لیے ان کی تیاری پر مشتعل ہو جاتے ہیں۔

قدرتی یورینیم میں دو آئی سوٹوپس I so topes ہوتے ہیں۔

(Isotopes) -i یورینیم 238

-ii یورینیم 235

یورینیم 238 قابل شکست نہیں ہوتی یعنی اسے پھاڑا نہیں جا سکتا اس کی وجہ سے اسے ری-ایکٹر میں استعمال بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ اسے بم سازی میں ہی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اور اصل شے یورینیم 235 ہے جو جوہری توانائی پیدا کر سکتا ہے پاکستان میں موخرالذکر یورینیم کے حصول میں بہت ہی پیچیدگی اور مشکل پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ یورینیم 235 کا عنصر قدرتی یورینیم میں ایک فیصد سے بھی کم ملا ہے جبکہ قدرتی یورینیم کا 99 فیصد عنصر 238 یورینیم میں ہوتا ہے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ دنیا کے اکثر ری ایکٹر۔ افزودہ یورینیم کو ایندھن کے طور پر استعمال کرنے کو زیادہ منافع بخش سمجھتے ہیں افزودگی کا مطلب یہ ہے کہ:۔

یورینیم 235 کے فیصد شرح کو 3 فیصد تک بڑھایا جائے۔ اور ایک جوہری ری-ایکٹر عام طور پر افزودہ یورینیم کے ایسے درجے پر ملتا ہے جس کے ایندھن میں دو یا تین فیصد یورینیم 235 ہوتا ہے۔ ایک یورینیم بم کو 90 فیصد یا اس سے زائد افزودہ یورینیم کی ضرورت ہوتی ہے۔

یورینیم 235 کو پہلی بار گذشتہ جنگ عظیم کے دوران امریکہ نے افزودہ (الگ) کیا تھا۔ اس طریقے کو ''شکست'' کہا جاتا ہے اس میں گیس دار یورینیم کو نہایت باریک فلٹروں میں داخل کیا جاتا ہے۔ اس سے نسبتاً ہلکا اور متحرک یورینیم 235 ان میں سے آسانی سے گزر جاتا ہے۔ اس طرح ہزاروں بار استعمال کرنے سے فلٹروں کی مدد سے یورینیم 235 کے زیادہ مقدار میں حاصل کی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

1960ء تک سنٹری فیوج طریقے پر تحقیقات ہو رہی تھیں۔ الٹرا سنٹری فیوج کا استعمال نہایت نازک اور پیچیدہ ہے اور یہ مشینیں یورینیم 235 اور یورینیم 238 کو انتہائی تیزی سے گردش میں لاتی ہیں اور ان دونوں کو الگ الگ کر دیتی ہیں۔ ان کی گردش رفتار 80 ہزار سے ایک لاکھ فی منٹ ہوتی ہے اور اس قسم کی ہزاروں مشینیں کام کر رہی ہوتی ہیں۔ قدرتی طور پر اس مشین کو بڑے مضبوط لوہے سے تیار کرنا پڑتا ہے۔ سنٹری فیوج کے اس طریقے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ۔

”کہ توانائی کم استعمال ہوتی ہے یعنی دوسرے طریقے کی نسبت دسواں حصہ چنانچہ یہ طریقہ عام ترقی پذیر ممالک کے اختیار میں ہوسکتا ہے“

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے یورینیم کی افزودگی کا یہ طریقہ پاکستان کے لیے ضروری سمجھا کیونکہ پاکستان کے مستقبل کے ری-ایکٹر افزودہ یورینیم کے طریقے سے چلائے جانے تھے۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کا یہ طریقہ پاکستان کے لیے نہایت ارزاں ثابت ہوا۔ اس سے مغرب کی اجارہ داری بھی ختم ہو جاتی ہے اور ملک کو فائدہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔

عالمی طور پر یورینیم کی افزودگی کے ایک درجن سے زائد طریقے موجود ہیں۔ لیکن ٹیکنالوجی اور تجارتی نقطہ نظر سے صرف دو ہی طریقے عام ہیں۔

i- سنٹری فیوج

ii- ڈیفوژن طریقہ۔

i- ڈیفوژن کا طریقہ

1940ء میں دوسری جنگ عظیم کے دوران امریکہ میں دریافت ہوا تھا۔ اور اس طریقے سے تیار ہونے والا بم ہیروشیما پر گرایا گیا تھا مگر یہ طریقہ بہت مہنگا ہے اور

Marfat.com

بہت زیادہ توانائی بھی خرچ کرتا ہے کیونکہ سنٹری فیوج کا طریقہ سستا طریقہ ایجاد ہونے کی وجہ سے اس کی اہمیت کم ہوگئی ہے۔

1972ء میں اس کا پائلٹ پلانٹ لگایا گیا تھا وہ بڑے صنعتی پلانٹ جن کی استعداد ایک ہزار ٹن ہے۔ (المیلو ہالینڈ) اور پن ہرسٹ (انگلینڈ) میں چل رہے ہیں۔

ان کے علاوہ جرمنی سے گرو ناؤ کے مقام پر ایک ہزار ٹن کا پلانٹ لگایا۔ مگر جاپان کا ارادہ بھی سنٹری فیوج پلانٹ لگانے کا ہے۔ چند بڑے ڈیفوژن پلانٹ امریکہ، انگلینڈ فرانس، روس اور چین میں کام کر رہے ہیں جبکہ ارجنٹائن نے ایک پائلٹ پلانٹ لگایا ہے سنٹری فیوج کی کامیابی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یورینکو (URENCO) (انگلینڈ، جرمنی اور ہالینڈ کے اشتراک سے) اڑھائی بلین پاؤنڈ کے خرچ سے سنٹری فیوج سے افزودگی کرنے میں کامیاب ہوئی۔

یورینیم کی افزودگی کا ایک نیا طریقہ نوزل پروسس ہے۔ اسے ٹائم وے ریسرچ سنٹر مغربی جرمنی کے پروفیسر بیکر نے دریافت کیا ہے۔ لیکن یہ ناکافی اور تجارتی وجوہات کی بناء پر 35 سال گزر جانے کے باوجود پائلٹ پلانٹ کے مرحلے سے آگے نہ بڑھ سکا

...... اسی طرح امریکہ نے یورینیم کی افزودگی کے لیے ایک نیا پروسس لیزر سپریشن پروسس کے نام سے مشتہر کیا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ یہ طریقہ مستقبل میں یورینیم کی افزودگی کے لیے بہت ہی موثر اور سستا طریقہ ثابت ہوگا۔ اس طریقے کو ڈیفوژن پروسس پر یہ برتری ہے کہ اس میں کم توانائی خرچ ہوتی ہے مگر یہ دعویٰ صرف تسلی سے آگے نہ بڑھ سکا۔

اس بحث سے یہ ثابت ہوا کہ سنٹری فیوج کا طریقہ سب سے بہتر اور سستا ہے اور اس کا واضح ثبوت ان ممالک سے حاصل کیا جا سکتا ہے جہاں اس ٹیکنالوجی سے کام ہو رہا ہے اور یہ مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ وہاں یورینیم کی افزودگی کی شرح بھی زیادہ

Marfat.com

ہے جو کہ درج ذیل پلانٹ کی پیداواری صلاحیتوں سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔

i- مثلاً کے پن پرسٹ (انگلینڈ) کے پلانٹ کی پیداواری استعداد 250 ہزار ایس ڈبلیو یو- فی سال۔

ii- گروناؤ (مغربی جرمنی) کی 200 ہزار ایس-ڈبلیو- یو فی سال Peryear (S.W.U) افزودہ یورینیم ہے۔ یہ اتنی بڑی پیداواری صلاحیت ہے کہ اس سے زیادہ سنٹری فیوج سسٹم کی بہترین کارکردگی کے لیے کسی اور بہتر ثبوت کو حاصل کرنے کی مطلقاً ضرورت نہیں رہتی کیونکہ یہ بالکل واضح اور قابل پیداواری صلاحیت ہے۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے پاکستان آنے سے پہلے پاکستانیوں میں یہ خیال بھی پیدا نہیں ہوا تھا اور نہ انہوں نے اس منصوبے کو آگے بڑھانے کی کوششیں ہی کی تھیں کیونکہ یہ منصوبہ تو بیوروکریسی کے زیر اثر خیال کیا جاتا تھا اس وقت ہمارے سائنسدانوں کو سنٹری فیوج سسٹم کے بارے میں قطعاً کوئی علم نہ تھا۔ جب ڈاکٹر عبدالقدیر خان پاکستان آئے تو انہوں نے سنٹری فیوج سسٹم کے ذریعے ایٹم بم بنانے کا ارادہ کر لیا۔ اور انہوں نے یورینیم کی افزودگی کے لیے سب سے بہتر اور آسان وسستا ترین طریقہ سنٹری فیوج کو قرار دیا اور اس سے کام لینے کے لیے انہوں نے اپنی کوششیں تیز کر دیں۔ انہوں نے وزیراعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کو اعتماد میں لیا اور انھیں اس طریقے کی افادیت اور استعمال سے بھی آگاہ کیا۔ چونکہ وزیراعظم پاکستان، پاکستان کو ایٹمی قوت بنانے کا ارادہ کر چکے تھے اور وہ خود بھی دانا و بینا تھے جس کی وجہ سے وہ بھی ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی بات کو سمجھ گئے اور انہوں نے ان کے ساتھ اتفاق کیا۔ اور ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو سنٹری فیوج طریقے کو عمل میں لانے کی اجازت دے دی۔

Marfat.com

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اَے عقاب!
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اُڑانے کے لیے

(اقبالؒ)

Marfat.com

باب نمبر: 13

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی مایوسی

ان دنوں وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کو مسٹر منیر احمد خاں پر بہت اعتماد تھا۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا:

"ڈاکٹر خاں! منیر احمد خاں سے مل لو اور اُس سے معاملے پر بات بھی کر لو"۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے ڈاکٹر منیر احمد خاں سے ملاقات کے بعد پاکستان اٹامک انرجی کے مختلف شعبوں کو بھی دیکھا جن سے وہ کوئی زیادہ پُر امید نہ تھے مگر ان کے دل میں ایک لگن اور جذبہ تھا جس کے تحت انہوں نے سوچا کہ:۔

"اگر حکومت اپنے مقاصد کو حاصل کرنا چاہتی ہے اور وسائل بھی مہیا کرتی ہے تو اس کے مقاصد کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ہالینڈ میں جانے سے قبل وہ دوبارہ مسٹر بھٹو سے ملے اور اس کو پاکستان آمد کی یقینی دہانی کرائی۔"

حکومت پاکستان نے مسٹر منیر احمد خاں کو ڈاکٹر خاں کی تجاویز پر عمل کرنے کے لیے حکم دیا مگر جب ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے دسمبر 1975ء میں منصوبے کا معائنہ کیا تو اس کو معلوم ہوا کہ منصوبے میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔

اس بات نے ان کی مایوسی میں اضافہ کیا انہوں نے سوچا کہ اس دوران کتنا

Marfat.com

وقت، سرمایہ ضائع کیا جا چکا ہے۔ اور کام کی رفتار مایوس کن تھی۔ جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ:۔

''منصوبے کا انچارج ایسے شخص کو بنایا گیا تھا جو کہ محض الیکٹریکل انجینئر تھا اور وہ یورینیم کی افزودگی کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا''۔

جب جناب وزیر اعظم پاکستان مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اپنے لاڑکانہ کے دورے سے واپس آئے تو انہوں نے مسٹر عبدالقدیر خاں کو اسلام آباد بلایا اور منصوبے کی کارکردگی کی رپورٹ طلب کی تو ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے وزیر اعظم کو منصوبے کے بارے میں اصل صورت حال کے مطابق رپورٹ دی جو کہ ان کی توقعات کے بالکل برعکس تھی۔ اس کو منصوبے کی افسوس ناک اور مایوس کن حالت کے بارے میں آگاہ کر دیا گیا اور جو بیوروکریسی اٹامک انرجی کمیشن کے عملے کے ساتھ مل کر اپنے کارنامے پیش کر رہی تھی ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے وزیر اعظم کو واضح کر دیا اور ڈاکٹر عبدالقدیر نے اس مایوس کن حالات کے تحت دوبارہ واپس ہالینڈ جانے کے فیصلے سے بھی وزیر اعظم کو مطلع کر دیا کہ:۔

''وہ 9- جنوری 1976ء کو واپس ہالینڈ چلے جائیں گے''

مگر ذوالفقار علی بھٹو نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو کہا کہ:۔

''وہ چند دنوں کے لیے اپنی واپسی کو معطل کریں اور چند دن انتظار کریں۔''

جناب وزیر اعظم نے اسی دوران اپنے قابل اعتماد اور مخلص مشیروں سے مشورہ کیا اور پھر ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو بلایا تو اُن سے کہا کہ:۔

''ان کو قوم کی خدمت کرنی چاہیے اور ہالینڈ واپس نہیں جانا چاہیے اور یورینیم پروجیکٹ کو قائم کرنا چاہیے۔''

مگر ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے جواب دیا:۔

Marfat.com

”وہ اس معاملے میں پہلے اپنی بیوی‘ ماں اور دیگر بہن بھائیوں سے مشورہ کریں گے۔“

اس سے قبل وہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں پر بہت دباؤ ڈال چکے تھے کہ وہ پاکستان میں ہی قیام کریں جب ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے اپنی اہلیہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا:۔

”اگر انہیں یقین ہے کہ وہ ملک کی ترقی میں کچھ اضافہ کرسکیں گے تو یہ فیصلہ قبول کر لینا چاہیے۔“

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے اپنے اہل خانہ سے مشورہ کے کرنے کے بعد جناب وزیراعظم اپنے ہالینڈ واپس نہ جانے کے بارے میں فیصلے سے آگاہ کر دیا۔

یہ سُن کر وزیر اعظم کچھ جذباتی سے ہو گئے اور انھوں نے جذبات کے عالم میں میز پر ہاتھ مار کر کہا:۔

<I will see the Hindu Bastards Now>

”میں اب ہندو سے نمٹ کے رہوں گا۔“

اس کے بعد ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو اٹامک انرجی کمیشن میں بطور ایڈوائزر کے تعین کیا گیا انہیں صرف تین ہزار روپے ماہوار تنخواہ پر رکھا گیا تھا اور انھیں نوکری کا کنٹریکٹ مئی 1976ء میں دیا اس کے مقابلے میں منیر احمد خاں جو کہ اس وقت اس منصوبے کے تعطل اور زوال کے باعث شخص تھے وہ ماہوار 25000 روپے تنخواہ وصول کر رہے تھے۔وزیراعظم نے ڈاکٹر عبدالقدیر کے کہنے پر ایک ادارہ قائم کر دیا جس کا نام (Special Works organisation) رکھا گیا جس میں پاک فوج کے انجینئرنگ شعبہ کے جوان شامل تھے۔ جس کا کام کہوٹہ میں عمارت کی تعمیر مقرر کیا گیا اور بریگیڈیر زاہد علی اکبر خاں کو جو کہ بعد میں لیفٹینٹ جنرل اور کمانڈر مقرر ہوئے کو پہلا کمانڈنگ آفیسر مقرر کر دیا گیا۔

Marfat.com

جب ڈاکٹر عبدالقدیر نے اٹامک انرجی کمیشن میں کام کرنا شروع کیا تو چونکہ وہ اپنے فرائض کے بارے میں کافی حساس تھے تو انہوں نے جلد ہی یہ محسوس کر لیا کہ:۔

''کہ کمیشن کے کارکن اپنے اپنے فرائض سے مخلص نہیں ہیں اور وہ صرف ایک بیگار۔ ٹالنے کی طرز پر کام کر رہے ہیں جس طرح کہ پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ کے ملازمین کام کرتے ہیں اور معمولی کاغذ کو بھی منظوری کے لیے مسٹر منیر احمد خاں کے پاس بھیجا جاتا ہے۔

یہ دیکھ کر ڈاکٹر عبدالقدیر خاں بہت ہی مایوس ہو گئے اور انہوں نے اپنے فیصلے سے وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کو تحریری صورت میں آگاہ کر دیا۔ جس کی تصدیق اُس نے مسٹر زاہد علی بریگیڈیر اکبر خاں سے حاصل کی۔ جب مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو معلوم ہوا کہ اس قومی منصوبے میں کوئی خاص مسئلہ ہے اور ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اس کی وجہ سے استعفیٰ دینے کا خیال کر رہا ہے تو وہ بہت پریشان ہوئے انہوں نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو اپنے دفتر بلایا اور اصل صورت حال کے بارے میں بھی معلومات حاصل کیں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے صاف صاف کہہ دیا کہ:۔

''مسٹر منیر احمد خاں اور اس کے ساتھی تمام جھوٹے اور دھوکے باز ہیں۔ ان کو ملک کے ساتھ کسی قسم کا انس اور محبت نہیں ہے۔ وہ پرخلوص اور وفادار نہیں ہیں انہوں نے آپ کے سامنے جھوٹ کا پلندہ پیش کیا ہے۔ منصوبے پر کوئی کام نہیں ہو رہا تھا مسٹر منیر احمد خاں محض آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔''

Marfat.com

وزیر اعظم پاکستان یہ سن کر لال پیلے ہو گئے اور انہوں نے اس معاملے کے لیے مولانا کوثر نیازی اور مسٹر آغا شاہی اور غلام اسحاق خاں سے بھی مشورہ لیا جس کی وجہ سے وزیراعظم پاکستان حقائق کی تہہ تک پہنچ گئے۔

حالات کو اصل سطح تک سمجھنے کے بعد 31 جولائی 1976ء کو ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو منصوبے کے پورے اختیارات سونپ دیئے گئے اور منصوبے کو براہ راست وزیر اعظم پاکستان کے ماتحت کر دیا گیا اور منصوبے (ERL) کا نام ''انجینئرنگ ریسرچ لیبارٹریز'' رکھا گیا اور پراجیکٹ کا نمبر 706 تھا۔

ڈاکٹر عبدالقدیر کو اپنے عملے کے انتخاب کے لیے پورے اختیارات تفویض کر دیئے گئے اور اس ادارے کو چلانے کے لیے ہر قسم کی آزادی سونپ دی گئی۔

ڈاکٹر عبدالقدیر مصمم ارادے اور یک سوئی کے ساتھ کام کرنے لگے۔

Marfat.com

باب نمبر: 14

ابتداء

کہوٹہ پلانٹ

ضرورت ؟

"تاریخ ڈاکٹر خان"

Marfat.com

کہوٹہ پلانٹ

ڈاکٹر خان کے پروجیکٹ کا خودمختار بنانے کے بعد جناب ذوالفقار علی بھٹو نے مسٹر ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو ایک شام اپنے پاس بلایا اور کہا کہ:۔

''میں نے آپ کو مایوس نہیں کیا امید ہے کہ آپ بھی مجھے مایوس نہیں کریں گے۔''

اس بات کی تصدیق مولانا کوثر نیازی مرحوم کی کتاب ''اور لائن کٹ گئی'' سے بھی ہوتی ہے جس میں لکھا ہے کہ:۔

''ڈاکٹر خاں نے یقین دلایا کہ صرف چھ سات سال میں وہ پاکستان کو ایٹمی توانائی کے میدان میں عالمی طاقتوں کے مقابل لا کھڑا کریں گے۔''

بھٹو صاحب کو اُن پر بھروسہ تھا۔ اس لیے انہوں نے کام مکمل کرنے کی مکمل آزادی دے دی تھی۔

یورینیم افزودگی پراجیکٹ کو پاکستان اٹامک انرجی کمیشن سے جولائی 1976ء کو الگ کر دیا گیا تھا اور انجینئرنگ ریسرچ لیبارٹریز (ERL) کو ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی تحویل میں دے دیا گیا۔ تو ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے منصوبے کو ایک انقلابی انداز میں منظم کیا کیونکہ

Marfat.com

وہ یادگاری لمحات جب قومی اور ملکی کہوٹہ
پراجیکٹ کی بنیاد رکھی گئی تھی

Marfat.com

28 مئی 1998ء کی تصویر

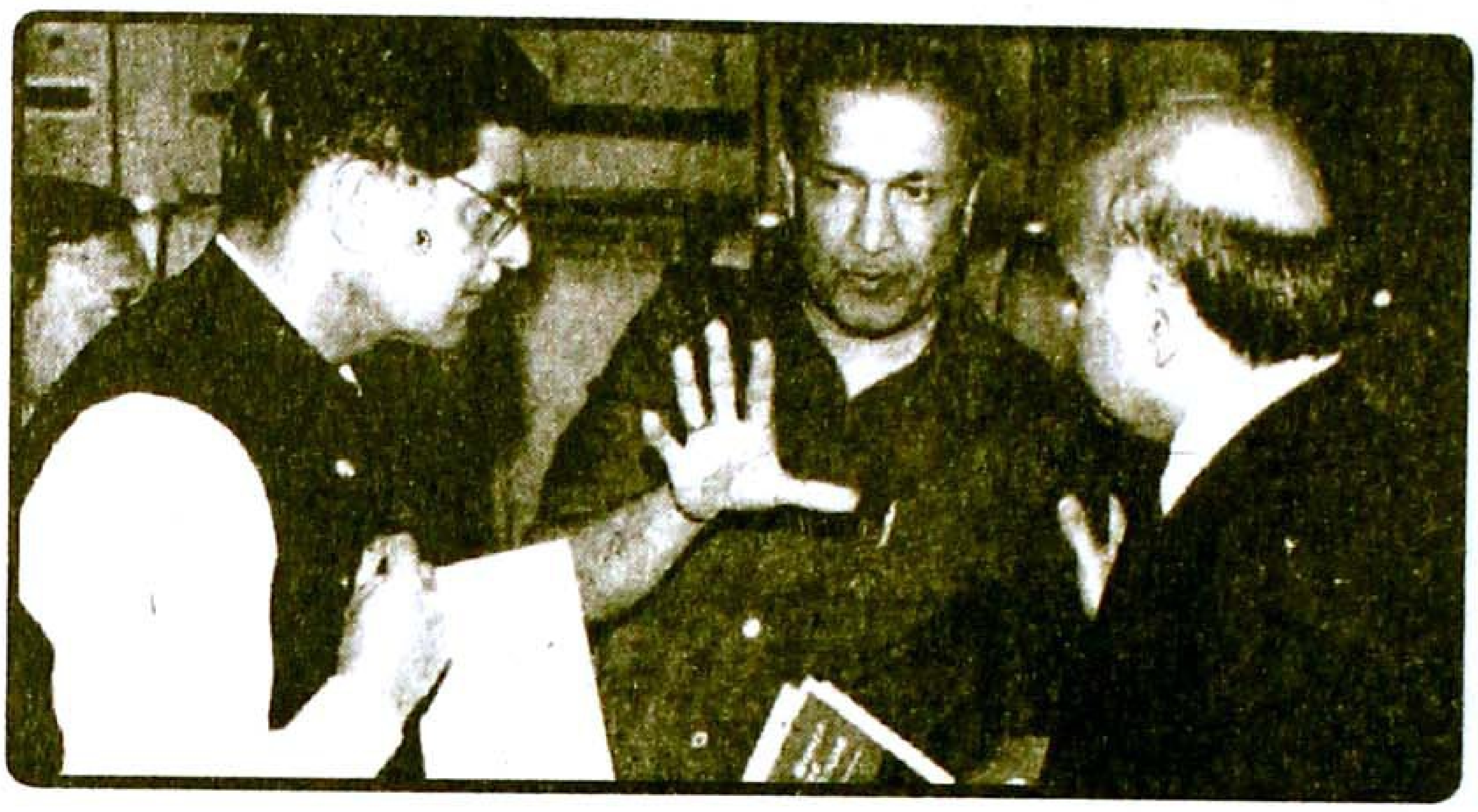

28 مئی 1998ء کے دن اہم لمحات کی یادگاری تصویر جب ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے وزیر اعلیٰ پنجاب جناب شہباز شریف کو یہ یقین دلایا کہ اب انشاء اللہ دنیا کی کوئی طاقت پاکستان کا بال بیکا نہیں کر سکتی۔

Marfat.com

طریقہ انتخاب پراجیکٹ

جب کبھی کوئی پراجیکٹ تیار کیا جاتا ہے تو

i- کلی طور پر اس کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

ii- اس کی اطلاقی رپورٹ (Feasibility report) پیش کی جاتی ہے۔

iii- بنیادی تحقیق کے بعد عملی تحقیق ہوتی ہے۔

iv- منصوبہ تیار کیا جاتا ہے۔

v- صنعتی منصوبے کی تفصیلات پر غور و خوض کیا جاتا ہے تو اس کے بعد تعمیراتی کام شروع ہوتا ہے۔

یہ کام بہت مشکل اور لمبا ہے جو کہ اس منصوبے کے لیے مناسب نہیں تھا اس لیے اس کام کے مسٹر ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے خود ہی تمام مراحل طے کیے۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے بہت سے جوان سائنسدان اور انجینئرز اکٹھے کر لیے تھے جو کہ ذہانت اور ملک کی محبت سے سرشار تھے انہوں نے مختلف اداروں سے بھی قابل، اہل اور ذہین لوگوں کو اس سنٹر میں منگوا لیا جن کی وہاں کوئی افادیت نہ تھی۔ یا ان سے کوئی تعمیری کام نہیں لیا جا رہا تھا۔ بہرحال ڈاکٹر سر عبدالقدیر خاں نے سائنسدانوں اور انجینئروں کی ایک اعلیٰ پایہ کی ٹیم اکٹھی کر لی تھی۔ اور کام حقیقت میں ہر سطح پر شروع ہو چکا تھا انہوں نے دیار غیر سے بھی اعلیٰ پایہ کے قابل اور تجربہ کار افراد کو اپنے ہاں بلوالیا تاکہ اُن کے تجربات اور علمی صلاحیتوں سے بھی فائدہ اُٹھا کر اپنے

Marfat.com

یورینیم افزودگی منصوبے کو جلدی کامیاب کیا جا سکے۔ اور کیونکہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اپنے کام سے مخلص اور جانثار تھے جس کی وجہ سے دیگر افراد کو بھی ان کے کردار سے حوصلہ ملا اور اس طرح انہوں نے انگلینڈ، امریکہ، کینیڈا وغیرہ سے اچھی پوسٹوں کو بھی چھوڑ دیا اور وہ پاکستان میں آ گئے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے قابل افسران فضائیہ اور پاک افواج سے بھی منتخب کیے۔ اس طرح ان کے ہاں قابل قدر افراد کافی تعداد میں جمع ہو گئے اور یہ صرف انسان کی محنت اور خلوص کا ہی نتیجہ تھا کہ انہوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں پاکستان کو خود انحصار بنانے کا عزم کر لیا تھا۔ اگرچہ اکثر سائنسدان اور انجینئر اس کام سے اچھی طرح واقف اور ماہر نہ تھے جس کا اظہار ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے خود بھی کیا ہے کہ:۔

"اگرچہ پی ایچ ڈی کی ڈگریاں رکھنے کے باوجود انہوں نے کبھی الٹرا فیوج سسٹم پر کام نہیں کیا تھا۔ گویا کہ وہ اس کام میں صرف نئے ہی آئے تھے۔ مگر انہوں نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی رہنمائی میں بہت جلد مہارت حاصل کر لی تھی۔ ان دنوں ڈاکٹر عبدالقدیر کو بیک وقت کئی محاذوں میں کام کرنا پڑا"۔

i- ایک طرف وہ ہر شعبہ سے اعلیٰ اوصاف اور صلاحیتوں کے مالک افراد کو اپنے ہاں جمع کر رہے تھے تا کہ کام کی صلاحیت میں اضافہ ہو۔

ii- دوسرے وہ الٹرا سنٹری فیوج پیداواری پلانٹ کو قائم کرنے کے بارے میں کوشش کر رہے تھے۔ یہ ادارہ وہ انجینئرنگ ریسرچ لیبارٹری راولپنڈی میں قائم کرنے کے بارے میں متفکر تھے۔ اس نے اس کے لیے سارے جہاں سے سامان وغیرہ حاصل کر لیا تھا۔ اس کے ساتھ اُس نے تجرباتی پلانٹ کی تفصیل اور کہوٹہ پلانٹ کی بلیو پرنٹ بھی تیار کی۔

وہ ایٹمی پلانٹ کے لیے اپنی حکمت عملی پہلے سے تیار کر چکے تھے اور اب اس پر مرحلہ وار کام کر رہے تھے انہوں نے ایٹمی پلانٹ کے لیے موزوں جگہ تلاش کی اس

Marfat.com

منصوبے کو ایٹمی توانائی کمیشن سے الگ کیے جانے سے چند ماہ قبل ہی شروع کر دی تھی اور اپنے رفقا کار کے ساتھ بہت سے مقامات کا معائنہ کر چکے تھے جن میں خصوصی طور پر ہری پور، تربیلا، حسن ابدال، کیمبل پور، ضلع کوہاٹ، بنوں، اور سرگودھا شامل ہیں اور ان مقامات کا تفصیلی جائزہ بغور بھی لیا جا چکا تھا، آخر کار اس پر غور و خوض کے بعد کہوٹہ کو اس اہم کام کے لیے منتخب کر لیا گیا۔

یہ بھی قابل وضاحت ہے کہ سہالہ، نیلور اور کہوٹہ پر مشتمل اس خوبصورت وادی میں کہوٹہ ایٹمی پلانٹ کے علاوہ پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کا ممتاز ادارہ پنسک اور کئی دوسرے قومی مفادات کے ادارے خدمات انجام دے رہے تھے چنانچہ اسی علاقہ کو عالمی حلقوں میں اب ''ایٹمی پارک'' کا نام دے دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں آزاد اور خود مختار ہوئے تو وہ بے حد مسرور اور خوش دکھائی دینے لگے وہ بار بار کہتے کہ:۔

''اب انشاء اللہ میں ناممکن کو ممکن بنا کر ہی دم لوں گا۔''

جب کوئی اُن سے پوچھتا کہ:۔

''سر کون سا ناممکن کام؟''

وہ جواب دیتے ''پاکستان کے جھکے ہوئے سر کو بلند کرنے کا کام''

Marfat.com

کہوٹہ کو کیوں منتخب کیا گیا؟

کہوٹہ مقام کا اس قومی ادارے کے استعمال کے لیے انتخاب کرنا ڈاکٹر عبدالقدیر کی دانائی اور عقلمندی کا مظہر تھا کیونکہ یہ مقام ہر لحاظ سے اس مقصد کے لیے موزوں اور افادیت کا حامل نظر آتا تھا۔ انہوں نے اس پلانٹ کو اپنے رفقا کار کے ساتھ مل کر روزانہ 16 تا 18 گھنٹے کام کر کے مکمل کیا۔ جو کہ ان کی محنت، ہمت اور جذبے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

اگر ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اتنی جلدی اس منصوبے کو مکمل نہ کرتے تو عین ممکن تھا کہ مغربی ممالک کی ایجنسیاں ٹپک پڑتیں اور کام مکمل نہ ہو سکتا۔ اس کہوٹہ مقام کے انتخاب کے لیے ہر اہم طبقہ کے افراد نے بھی غور و خوض کیا اور ان کو بحث میں لازمی طور پر شامل کیا گیا۔ مگر یہاں ایک اہم شخصیت کے اعتراض کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں، وہ فضائیہ میں اہم پوسٹ پر کام کر رہے تھے فضائیہ کے ائیر چیف مارشل جناب محمد شمیم نے قدرے ناراضگی کا اظہار اس ضمن میں کیا جو کہ اخبارات میں آیا اس سلسلے میں جب ڈاکٹر عبدالقدیر خاں سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ:۔

"اس سے زیادہ کوئی بھی جگہ موزوں اور مناسب نہ تھی اور ایسا تبصرہ وہی افراد پیش کر سکتے ہیں جن کو پورے حقائق کا علم نہ ہو۔"

ایسے پلانٹ کے لیے جگہ کے انتخاب کے لیے کئی عناصر کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ:۔

Marfat.com

''ایر چیف مارشل انور شمیم اور اس کے ساتھیوں کو صرف ایک ہی اعتراض ہے اور وہ یہ کہ کہوٹہ ہندوستانی سرحد سے بہت نزدیک مقام ہے اور ہندوستانی جہاز صرف چار منٹوں میں پہنچ سکتے ہیں'' اور اس کے تحفظ کے لیے دوسرے فریق کو بہت زیادہ وقت کی ضرورت ہوگی۔''

''اگر انور شمیم صاحب اس بات کی یقین دہانی کرا سکتے ہیں کہ ہندوستانی فضائیہ سرگودھا پر نگاہ نہیں کرے گی تب یہ اعتراض تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر خاں کا فیصلہ غلط تھا۔''

مگر جنگ کا تجربہ شاہد ہے کہ ہندوستانی فضائیہ نے سرگودھا پر بار بار فضائی حملے کیے۔

فضائیہ یا فوج سے مشورہ نہ لینے کی وجہ کے بارے میں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے بتایا کہ:۔

''یہ فیصلہ بہت ہی ذمہ دار افراد نے کیا تھا اور اس کو انتہائی خفیہ رکھا گیا اور ان کے بارے میں خیال تھا کہ اگر یہ افشاں ہو گیا تو ایک ہفتہ دس یوم کے اندر دشمن اس منصوبے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے آدھمکے گا اور ہمارا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔''

حقائق سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ منصوبے کے لیے جگہ کا انتخاب بالکل درست تھا۔ جس کا واضح یہ ثبوت ہے یہ منصوبہ کسی قسم کی رکاوٹ کے بغیر مکمل ہو گیا۔

Marfat.com

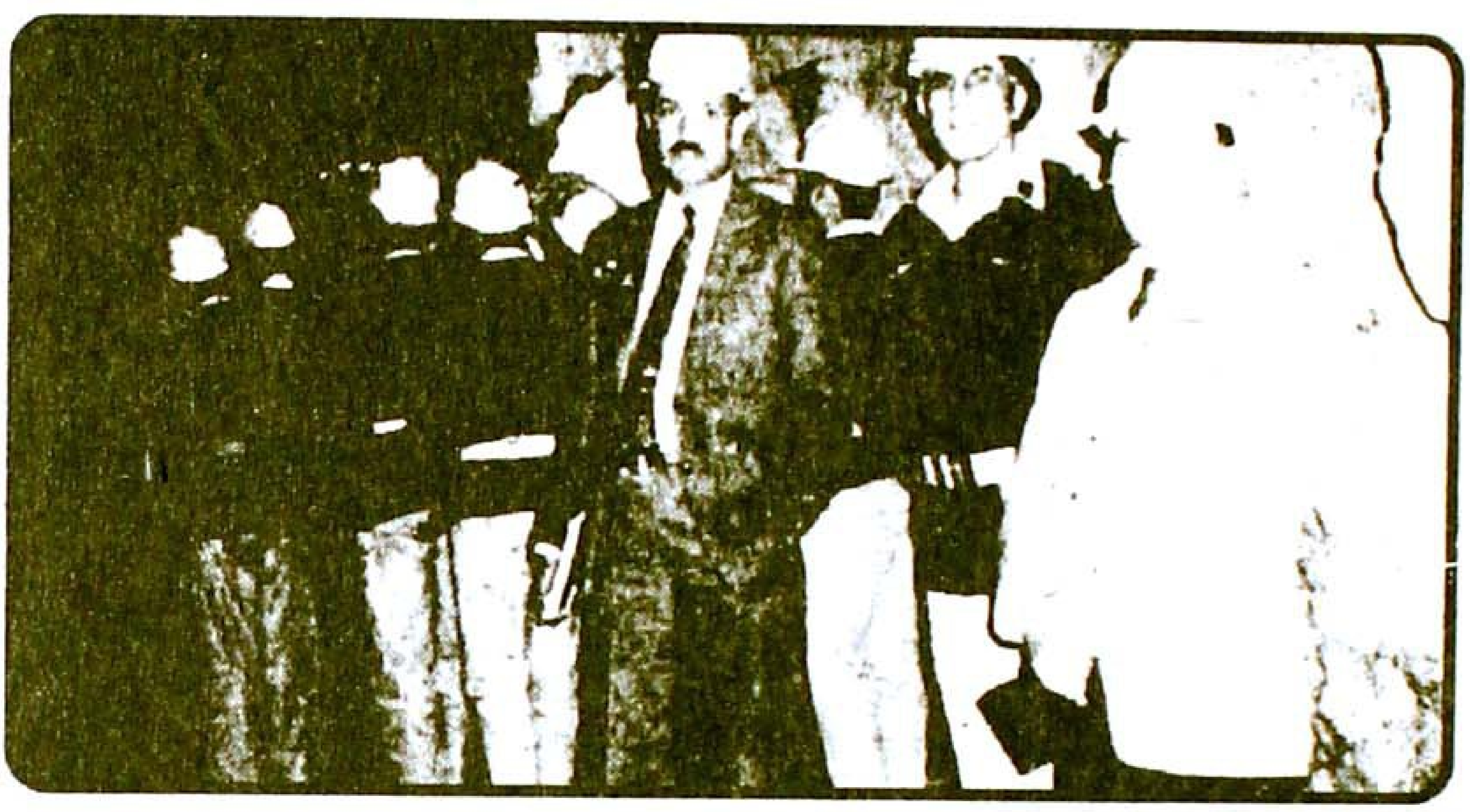

ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی کہوٹہ لیبارٹریز میں کھینچی گئی ایک یادگار تصویر

Marfat.com

-i یہ مقام دارالحکومت پاکستان سے بہت قریب تھا۔

-ii صدر مقام سے نزدیکی جگہ کا ہونا اس لیے بھی ضروری تھا کہ ہروقت مختلف امور کے بارے میں احکامات لینے کی ضرورت رہتی تھی۔

-iii کہوٹہ میں پانی اور بجلی کی سہولیات بھی میسر تھیں۔

-iv بین الاقوامی ہوائی اڈہ بھی قریب تھا۔

-v کہوٹہ جغرافیائی اور دوسرے عوامل کی نظر میں بھی نہایت ہی مناسب جگہ تھی۔

-vi حفاظتی نقطہ نگاہ سے بھی بہترین مقام تھا۔

کہوٹہ پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے اور وہاں دشمن کا فضائی حملہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا کہ بعض افراد کا خیال ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے کہا کہ:۔

"اس مقام کے انتخاب میں ایک بات بہت اہم تھی جس کو عام طور پر نظر انداز کیا جا رہا ہے یعنی سہولیات جو کہ عملے کے لیے میسر تھیں کیونکہ اگر عملہ کے افراد اپنے گھریلو معاملات کے سلسلے میں مطمئن نہیں ہوں گے تو وہ تسلی بخش انداز سے کام کرنے کے اہل نہیں ہو سکتے تھے۔ تو یہاں اس منصوبے کے انتخاب کی صورت میں سارا عملہ اپنے بچوں کی تعلیم وغیرہ کے مسائل سے بے غم ہو چکا تھا اس لیے وہ حب الوطنی کے ساتھ پلانٹ پر کام کرتے رہے اور انہوں نے کامیابی حاصل کی۔ حقیقت میں پلانٹ کے کارکن عملے نے اس کی کامیابی میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ جو کہ ہر ایک منصوبے میں ہر فرد ادا کرتا ہے۔"

اس کے علاوہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے اس مقام کے انتخاب کے بارے میں بتایا کہ:۔

Marfat.com

یہ مقام تنہا تھا (Isolated) کوئی غیر ملکی فرد وہاں نہیں آیا تھا۔ یعنی وہ اس مقام کے بارے میں قطعاً نہیں جانتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اپنے ساتھیوں سمیت تین سال تک خاموشی سے کام کرتے رہے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ 1979ء تک کسی کو کسی قسم کا شائبہ بھی نہیں تھا۔

اس کے علاوہ یہ بھی بڑی اہم وجہ تھی کہ بہت سے ملٹری کے افراد وہاں آباد تھے اور وہاں ان سے جگہ لینے کے لیے کسی قسم کی مشکل اور مسئلہ نہ تھا۔

وہ اس مقام کے انتخاب میں بالکل مطمئن تھے اور انہوں نے بتایا کہ تین سال کے عرصے کے دوران جب غیر ملکی افراد کو اس منصوبے کا علم ہوا تو منصوبہ مکمل ہو چکا تھا۔ جب ان کو علم ہوا تو انہوں نے پاکستان کے خلاف محاذ قائم کرنا تھا حکومت وقت نے بھی اُن کی ہر معاملے میں حمایت اور مدد کی۔ جن میں سے غلام اسحاق خاں نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ دونوں کے درمیان اعتماد پیدا ہو گیا تھا ڈاکٹر عبدالقدیر خاں بھی مسٹر اسحاق خاں کا بہت احترام کرتے تھے۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے کہوٹہ کے انتخاب میں نہایت سنجیدگی اور حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہو کر کام کیا تھا۔ وہ ذہنی اور دلی طور پر اپنے فیصلے پر کلی طور پر مطمئن تھے۔ انہوں نے بہت سی اہم شخصیات سے بھی اس معاملے میں مشاورت کر لی تھی۔ حکومت وقت کی بھی اس جگہ کا انتخاب ایک ضرورت تھی۔

فوجی اور سول تمام اہم شخصیات کا انتخاب بھی اس مقام کے لیے تھا کیونکہ جنگی خطرات سے بھی محفوظ تصور کیا گیا تھا۔ اس مقام کے انتخاب کی موزونیت کا فیصلہ خود آنے والے وقت نے کر دیا ہے۔ کہ آج تک کوئی خطرہ درپیش نہیں ہوا۔ یہ منصوبہ بالکل ناموزوں حالات کے تحت شروع کیا گیا تھا۔ جس کا واضح ثبوت کرنل قاضی راشد

Marfat.com

علی کے بیانات سے ملتا ہے کہ :۔

"ایٹمی منصوبے کے لیے کہوٹہ کی جگہ کا تعین کرنے سے پہلے اس منصوبے کے ابتدائی دفاتر اسلام آباد ہوائی اڈے کے پرانے رن وے (چکلالہ) کے قریب فضائیہ کے اُن گراجوں میں قائم کئے گئے تھے جو دوسری جنگ عظیم کی باقیات میں سے تھے۔ ان سیل شدہ اور بوسیدہ کواٹرز میں چمگادڑوں' کچھوؤں اور دوسرے حشرات الارض کے ڈیرے تھے۔ ان دفاتر کی صفائی کے دوران روزانہ یہاں زہریلے سانپ برآمد ہوتے تھے۔ گویا کہ یہ علاقہ سانپوں کا گھر تھا لیکن ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو اس منصوبے کا سربراہ بنایا گیا تو گویا اس میں انقلاب آ گیا جس کمرے میں پہلے لیبارٹری قائم کی گئی تھی وہاں سے بھی روزانہ سانپ نکلتے تھے۔ جنھیں مار دیا جاتا تھا"۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے آتے ہی سب سے پہلے لیبارٹریز کا درکار سامان منگوایا۔ اور نئے عملے کی بھرتی ہونے لگی تا کہ کام کی رفتار کو تیز کیا جا سکے۔ ان دنوں میں انجینئرنگ ریسرچ لیبارٹریز (ERL) کی بنیاد رکھی جا رہی تھی۔ وہاں پہلے سنٹری فیوج بنانے کا کام جاری تھا ڈاکٹر عبدالقدیر خاں سہالہ میں تجرباتی پلانٹ کی تیاریاں کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ کہوٹہ پلانٹ کے نقشے وغیرہ بھی تیار ہو رہے تھے۔

بالآخر 1978ء کے وسط میں منصوبہ ایک نازک موڑ پر آ گیا جب لیبارٹریز میں سنٹری فیوج کے تحت یورینیم کو افزودہ کرنے کا تجربہ کامیاب ہو گیا۔ چنانچہ تجرباتی پلانٹ پر کام تیزی سے ہونے لگا اور ایک سال کے عرصے میں یہ کام مکمل ہو گیا۔ پلانٹ اس کی اساس پر ڈیزائن کیا جانے لگا۔ یہ واضح رہے کہ ان سے قبل مسٹر منیر احمد خاں انچارج تھے جو کہ اس کے اہل ہی نہیں تھے بلکہ ان کو ملک کے ساتھ بھی کوئی محبت نہ تھی۔

Marfat.com

وہ یادگار لمحات جب کہوٹہ پراجیکٹ کی بنیاد رکھی گئی

Marfat.com

باب نمبر: 15

کہوٹہ پلانٹ کی ترویج

Establishment of the Kahuta Plant

جولائی 1976ء کے دو یا تین ماہ کے بعد ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اور ان کے رفقائے کار اس پلانٹ کے لیے مناسب جگہ کی تلاش میں تھے کیونکہ حکومت نے اس منصوبے کے لیے اجازت دے دی تھی۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر عبدالقدیر سے آرمی انجینئرز کو مدد کے لیے درخواست کی تا کہ یہ کام جلدی اور خفیہ انداز میں مکمل ہو سکے۔ اگرچہ اس منصوبے کو مربوط انداز میں مکمل کرنے کے لیے ایک سپیشل ورکس آرگنائزیشن پہلے ہی بنا دی گئی تھی جو راولپنڈی میں ایک عام جگہ 169 کٹین روڈ پر واقع ہے لیکن ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے کہنے پر اس سلسلے میں خصوصی اقدامات کیے گئے۔

اس عظیم پروجیکٹ میں پاکستان کی سالمیت و بقاء پوشیدہ تھی۔ اس سے وزیر اعظم نے پاک فوج کے سربراہ جنرل محمد ضیاء الحق سابق صدر پاکستان اور دیگر اعلیٰ فوجی عملہ کی ایک میٹنگ بلائی اور ایٹمی پراجیکٹ کو خفیہ رکھنے کے لیے مختلف پہلوؤں پر غور کیا گیا میٹنگ میں فوج کے سربراہ نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو یقین دلایا کہ:۔

''خان صاحب! آپ جیسا چاہیں گے ویسا ہی ہوگا۔''

Marfat.com

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے اپنی ضروریات کا ذکر کیا جس کے بعد جنرل ضیاالحق نے بریگیڈیر زاہد علی اکبر (سابق چیئرمین واپڈا) کی خدمات ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے حوالے کر دیں جو اپنے کام کے ماہر اور نہایت فرض شناس تھے اُن کے ساتھ کرنل سجاول اور کرنل محمود جیسے محنتی، فعال اور پُرخلوص لوگوں پر مشتمل ٹیم بھی ان سے منسلک کر دی گئی۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے انہیں منتخب علاقہ دکھایا اور چند ہی ہفتوں میں وہ زمین سرکاری تحویل میں لے لی گئی۔ شروع میں سو ایکڑ اراضی حاصل کی گئی تھی جس سے مالکان کو بہت معقول معاوضہ ادا کیا گیا اور یہ کام 1978ء کے اختتام تک پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے عمارت کے نقشہ جات بریگیڈیر زاہد جنہوں نے تفصیلی بلیو پرنٹ لاہور کے ماہر نقشہ نویس سے تیار کرائے جن کا نام ڈاکٹر اقبال واہلہ بتایا جاتا ہے۔ بریگیڈیر زاہد کو پوری ذمہ داریاں سونپی گئیں تھیں اور وہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی توقعات پر پورے اترے تھے۔

اُن دنوں ڈاکٹر عبدالقدیر کا یہ دستور تھا کہ وہ ہر روز کہوٹہ جاتے اور زیادہ وقت کام کی نگرانی کرنے میں صَرف کرتے تھے۔ اور پھر اس کے بعد راولپنڈی واپس آ کر رات آٹھ یا نو بجے تک دفتر میں کام کرتے تھے۔ بریگیڈیر زاہد نے ایک سال تک اس پلانٹ پر کام کیا اس کے بعد انھیں کسی دوسرے کام پر لگا دیا گیا اور ان کی جگہ پر بریگیڈیر انیس علی سیّد (جوکہ اب میجر جنرل اور سرویر جنرل آف پاکستان ہیں کو تعینات کیا گیا) یہ بڑی نازک صورت حال تھی کہ پلانٹ کے لیے تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔

لوگ کام کی رفتار کو دیکھ کر حیران تھے۔ یہ سب کچھ تہران میں امریکن سفارت

Marfat.com

خانہ کے ریکارڈ سے ثابت شدہ ہے۔ جس میں امریکی سفارت خانہ اسلام آباد کے سینئر ملازم نے اپنے اعلیٰ احکام کو آگاہ کیا تھا۔

مسٹر فوکیو (Mr Focau) جو کہ سی آئی اے (CIA) کے جاسوسی کے کام پر مامور تھا اس نے کہوٹہ میں چند فوٹو (تصاویر) لینے کی کوشش کی۔ اس نے ایک مرتبہ لکھا کہ:۔

کچھ عرصہ سے نئی عمارات کی تعمیر کہوٹہ کے مقام پر شروع ہوئی جس کے تعمیر کی رفتار پاکستانی روایات سے بالکل مختلف تھی۔ یہ اس وجہ سے ہوسکتا ہے کہ بریگیڈیر انیس علی سیّد اور اس کے رفقائے کار نے کام کی رفتار کو تیز رکھا جو کہ ڈاکٹر عبدالقدیر کی نگرانی میں تھے بہرحال کہوٹہ کے منصوبے کا کام بہت جلد حکومت کی توقعات سے پہلے پایہ تکمیل کو پہنچا۔

ایک موقع پر فرانسیسی سفارت کار کو پیٹا بھی گیا جو کہ اپنی بے عزتی سمجھتے ہوئے پاکستان سے نکل گیا۔ یہ بھی ایک عام تاثر تھا کہ جناب اسحاق خاں جو کہ اس وقت کے وزیر مالیات بھی تھے اور اس وقت کے وزیر اعظم کے فرائض بھی انجام دے رہے تھے اور کہوٹہ کے علاقے کی بھی نگرانی کر رہے تھے تو یہ اس نے اشارہ دیا تھا کہ یہی کچھ کافی ہے کہ یہ ملک کی آزادی اور وقار کے لیے ضروری تھا کیونکہ قانون شکنوں کو سخت سزا ملنی چاہیے تاکہ وہ دوبارہ ایسی جرأت نہ کریں۔ اس فرانسیسی سفارت کار کی پٹائی کے بعد کسی غیر ملکی کو کہوٹہ کے نزدیک جانے کی جرأت نہ ہوئی کیونکہ اس علاقے کو غیر ملکیوں کے لیے ممنوعہ قرار دے دیا گیا۔ اور اس کے لیے فوجی جوان ہروقت ایسے غیر ملکیوں سے نپٹنے کے لیے تیار رہتے تھے جو کہوٹہ منصوبے پلانٹ کے نزدیک آنے کی کوشش کرتے۔

Marfat.com

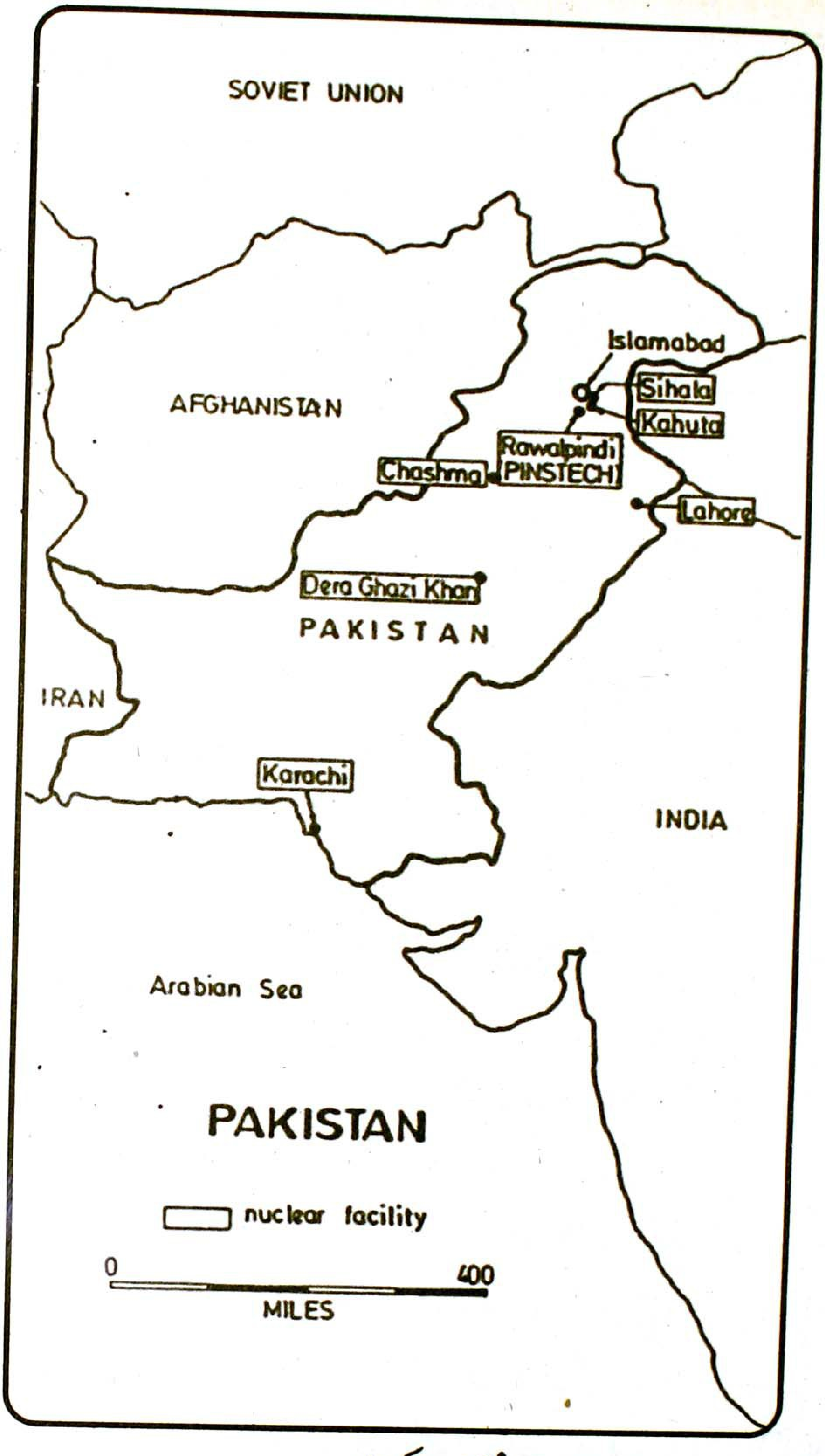

نقشہ پاکستان

Marfat.com

باب نمبر:16

ڈاکٹر محمد اقبال واہلہ کا انتخاب

ڈاکٹر محمد اقبالہ واہلہ لاہور کے رہنے والے تھے اور وہ تعمیراتی ڈیزائینوں میں بے شمار مہارت رکھتے تھے۔ کہوٹہ پروجیکٹ کی تعمیر کے لیے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے بے شمار معتبر انجینئروں کے بارے میں اعلیٰ عہدے کے افسران کے ساتھ غور و خوض اور مشورے کئے۔ مگر ان کو کوئی تسلی نہ ہوئی۔ آخر کار انہوں نے ڈاکٹر محمد اقبال واہلہ کو اس اہم اور قومی منصوبے کی تعمیر کے لیے منتخب کیا۔

یہ واضح رہے کہ کہوٹہ پراجیکٹ کی تعمیر ایک اعزاز بھی تھا۔ ڈاکٹر محمد اقبال واہلہ نے اس انتخاب اور پاکستان کے ایٹمی پراجیکٹ کے علاوہ وہ ڈاکٹر عبدالقدیر کی خدمات اور ان کے نقوش واضح کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ:۔

"یہ 1976ء کی صبح تھی اور موسم گرما کا موسم تھا کرنل سکندر حیات خاں ان دنوں ملٹری انجینئرنگ سروس (mes) لاہور کے چیف انجینئر تھے میرے ایک دوست ریاض محمود کے ساتھ دفتر آئے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ایک اعلیٰ اختیاراتی فوجی ٹیم لاہور آ رہی ہے جو ایک بہت بڑے پراجیکٹ کے کنسلٹنٹ کا چناؤ کرے گی۔ اور ان کی آپ سے بھی ملاقات ممکن ہے۔ مجھے اس بات سے بہت

Marfat.com

خوشی ہوئی اور میں اس دوست کے ساتھ کرنل سکندر حیات کے دفتر گیا۔

ان کے دفتر میں ہماری ملاقات بڑے خوشگوار ماحول میں ہوئی اور متذکرہ ٹیم سے ملاقات طے کر لی گئی اور توقع کے مطابق ایک روز فوجی ٹیم میرے دفتر آئی اور میں نے ان سے پیشہ ورانہ گفتگو کا آغاز ہی کیا تھا اور میں نے بتایا کہ میں نے صرف ایک چھوٹا سا ادارہ قائم کیا تھا۔ ہنر مند اور مستعد نوجوانوں کی ٹیم نے مجھے بے حد متاثر کیا یہ ایک ایسی ملاقات تھی جسے مشاہداتی ملاقات کہا جا سکتا ہے کیوں کہ ان کی ملاقات میں ہماری باتیں تو بہت ہوئیں مگر انہوں نے تحقیق و تفتیش میں بہت وقت صرف کیا اس کا اس میں کوئی نیا تجربہ نہ تھا۔

زاہد صاحب میرے سامنے کرسی پر تشریف فرما تھے وہ خاموشی سے چپ چاپ چھت کی طرف ہی ٹکٹکی لگائے ہوئے تھے اور ان کے ساتھی دونوں نوجوان فوجی افسران نے میرے دفتر میں سامان کا بھی جائزہ لیا الماریوں کا معائنہ کیا اور ان میں موجود سامان کا بھی مشاہدہ کرتے رہے۔ اور اسی دوران جناب زاہد صاحب نے میرے ساتھ کوئی خاص بات نہ کی۔ جس کی وجہ سے میں ایک تعجب کے سے عالم میں تھا اور دونوں افسر اپنا کام مکمل کر کے سب ٹھیک ہے کا اعلان کرتے ہوئے میرے قریب آ کر بیٹھ گئے تو۔

بریگیڈیر زاہد نے کہا کہ:۔

"ہم آپ کے ساتھ لاہور میں آپ کے تعمیر کردہ منصوبوں کا جائزہ لینے چلیں گے"

تب ہم مطلوبہ منصوبوں کے معائنہ کے لیے جا رہے تھے تو بریگیڈیر زاہد نے مجھے راستے میں بتایا کہ:۔

"ممکن ہے کہ آپ کو ایک انتہائی اہم تعمیراتی منصوبے کی ذمہ داری

Marfat.com

تفویض کی جائے۔ لوگ اس کا ابتدائی جائزہ لے رہے ہیں۔ یہ انتہائی اہم اور حساس منصوبہ ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کو یہ ذمہ داری نہ بھی دی جائے اور اگر آپ ہی کے نام قرعہ فال نکلتا ہے تو ایک بڑے چیلنج سے کم نہ ہوگا۔"

جب اس ٹیم نے میرے سارے منصوبوں کا جائزہ لے لیا تو بظاہر ان کے تاثرات حوصلہ افزا تھے تاہم انہوں نے مجھے اپنے منصوبے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ بریگیڈیر زاہد صاحب نے مجھے واپسی پر کہا کہ میں نے بہت سے انجینئروں کے دفاتر کا معائنہ کیا ہے اور ان کے تعمیراتی منصوبوں کا جائزہ بھی لیا ہے اور ان سے تفصیلی طور پر گفتگو بھی کی ہے۔ اور یہ کام سارا یا محنت اس لیے کی گئی تھی کہ ہمیں مناسب اور باصلاحیت انجینئر اس اہم کام کے لیے میسر آ سکیں۔ مگر آپ کی کمپنی کے کاموں کو دیکھ کر ہمیں قدرے تسلی حاصل ہوئی ہے اور ہم اس عظیم اور اہم کام کو آپ سے ہی کروانا پسند کریں گے مگر ہم اس اہم اور قومی پراجیکٹ کو تاخیر سے دوچار کرنا نہیں چاہتے۔ اس منصوبے کو بہت جلد اور مقررہ وقت کے اندر ہی مکمل کرنا ہمارا سب سے بڑا مقصد ہے۔ کیونکہ تاخیر کی صورت میں منصوبے کا اصل مقصد فوت ہو جانے کے خدشات نظر آتے ہیں۔ جو کہ بہت بڑا قومی نقصان ہوگا جس کی تلافی ممکن نہیں ہوگی۔

میں سمجھتا ہوں کہ کسی بھی سچے پاکستانی کے لیے پاکستان کے دفاع کے منصوبہ کی تعمیر کا کام ایک عظیم اعزاز سے کم نہیں ہو سکتا۔ یادگار منصوبے کے تعمیر کنندہ کا نام تاریخ میں یادگار کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کی وجہ سے مجھے اس کے لائق ہونے پر بہت زیادہ مسرت اور خوشی ہوئی۔

میں نے بریگیڈیر زاہد سے کہا:

"سر! مجھ جیسے عام پاکستانی انجینئر کو اس قابل سمجھا مجھے اس پر غیر

Marfat.com

معمولی مسرت ہوئی ہے میرا نام تاریخ میں رہے گا اور جس کا نام رہے گا اس کو خوشی تو ہوگی مگر براہ کرم آپ یہ تو بتائیں کہ آپ لوگوں کے انتخاب کی نظر مجھ پر ہی کیوں پڑی جبکہ بے شمار ماہر انجینئر موجود ہیں؟

بریگیڈیر زاہد نے اپنے مخصوص انداز میں اطمینان کے ساتھ کہا کہ:۔

''اس کی تین وجوہ ہیں۔''

آپ اس کام کے لیے وطن عزیز میں سب سے زیادہ کوالیفائیڈ انجینئروں میں سے ایک ہیں۔

ہم نے پورے ملک کے انجینئروں کے کام کا جائزہ لیا ہے مگر آپ ہی ایسے انجینئر ملے ہیں جو ٹھیکیداروں کو غیر ضروری طور پر منہ نہیں لگاتے۔

ہمیں یقین ہے کہ آپ اس چیلنج کو بڑی عمدگی سے قبول کرتے ہوئے مکمل کریں گے۔

اس کے بعد انہوں نے میرا تعارف ڈاکٹر عبدالقدیر خاں سے کرایا۔ ویسے تو مجھے زندگی میں بے شمار انجینئروں سائنسدانوں اور ڈاکٹروں سے ملاقات کے سنہری مواقع ملے مگر ڈاکٹر عبدالقدیر کی شخصیت کے اثرات کچھ مختلف ہی تھے وہ ہمیشہ مطمئن اور مسرور نظر آئے ان کے چہرے پر گھبراہٹ کا کبھی نام ونشان نہ آیا۔ سائنسدانوں اور ٹیکنالوجی کی گتھیاں سلجھانے میں ان میں اس قدر مہارت تھی اور ان کو اس طرح سلجھا لیتے تھے جس طرح کوئی محبت بھری کہانی کسی کو سنا رہا ہوتا ہے۔ کبھی کسی کام یا مشکل میں انہوں نے کسی قسم کی پریشانی یا فکر مندی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا بلکہ ہمیشہ ہشاش بشاش چہرے کے ساتھ ہی استقبال کیا۔

جب انجینئرز کور کے نوجوانوں نے کہوٹہ میں تعمیراتی کام کے لیے سنگ بنیاد

Marfat.com

رکھی تو اس مقام پر کوئی خاص آبادی نہ تھی۔ صرف چند ورکشاپس نما بیرکیں تھیں جو محد
مقاصد کے لیے مجبوری کی حالت میں استعمال کی جاتی تھیں مگر جب وہاں انجینئروں نے
کام شروع کیا تو اس علاقے کی قسمت ہی تبدیل ہو کر رہ گئی۔ کہوٹہ پلانٹ کے لیے
مخصوص اراضی کے گرد فوجی نوجوانوں نے رات دن ایک کر کے چند ہی دنوں میں آٹھ
فٹ اونچی چار دیواری مکمل کر دی اور ایک آہنی باڑ بھی لگا دی گئی تھی۔ یہ دیوار مرو
طریقہ کار کے مطابق ابتدائی کام کے طور پر تعمیر کی گئی تھی۔ اس وقت ڈاکٹر عبدالقد
خاں اپنے پراجیکٹ کو لے کر اس کی طرف منتقل نہیں ہوئے تھے لیکن ادھر بی بی سی نے
ایک رات یہ رپورٹ نشر کر دی تھی جس کا متن یہ تھا کہ:۔

''کہوٹہ کے اس علاقہ میں پانی اور بجلی کی فراہمی کے مخصوص انتظامات کئے گئے
ہیں جہاں سینکڑوں افراد رات دن کام کر رہے ہیں حتیٰ جمعہ کے روز بھی چھٹی نہیں دی
جاتی یہاں سخت حفاظتی انتظامات کیے گئے ہیں اور لوگوں کو خبردار کر دیا گیا ہے کہ وہ
یہاں سے گزریں تو اپنی شناخت کرائیں۔ دیوار پر جگہ جگہ یہ عبارت لکھی گئی ہے کہ:۔

''یہ فوجی ورکشاپ ہے'' اس کے باہر پرانی فوجی گاڑیاں کھڑی ہیں
تاکہ معلوم نہ ہو سکے کہ پاکستان یہاں اہم کارخانہ لگا رہا ہے۔''

ڈاکٹر محمد اقبال واہلہ کی گفتگو سے یہ ظاہر ہوا ہے کہ کہوٹہ کے پراجیکٹ کی تعمیر کا کام نہایت ہی محتاط انداز میں خفیہ طریقوں سے شروع کیا گیا تھا کیونکہ انجینئروں کے انتخاب میں بھی بڑے محتاط طریقوں کو بروئے کار لایا گیا۔ قابل قدر اور کم شہرت یافتہ انجینئروں کا انتخاب ان خفیہ طریقوں پر عمل کرنے کا واضح ثبوت میسر کرتا ہے۔ اور اس سے کام بھی صحیح اور درست انداز میں لیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

باب نمبر :17

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی مصروفیات

ڈاکٹر عبدالقدیر تو براہ راست کہوٹہ پراجیکٹ کے شروع کرنے میں ملوث تھے اور وہ قوم و ملک کے افراد کے سامنے وعدہ کر چکے تھے کہ وہ پاکستان کے لیے ایٹمی توانائی بنائیں گے جس سے ملک کے تحفظ کو مدد ملے گی۔ مگر یہ وعدہ اُن کی بیوی نے تو نہیں کیا تھا۔ مگر بعض خواتین بھی تاریخی ذہن اور خوبیوں کی مالک ہوتی ہیں وہ اپنے خاوند کی مصروفیات میں شریک رہ کر شریک حیات کہلانے کی حق دار ٹھہرتی ہیں۔ وہ صرف گھر کی چار دیواری کے امور میں شریک رہ کر شریک حیات کہلانا پسند نہیں کرتیں بلکہ وہ خاوند کی ہر مشکل اور تکلیف دہ کاموں میں ان کی مشکل اور تکلیف کو بانٹ کر اس میں حصہ دار بن کر زندگی کی اصل شریک کہلانے میں فخر محسوس کرتی ہیں ان میں بیگم ہنی کا نام سرفہرست ہے۔ کہوٹہ کے منصوبے میں جتنے بھی فوجی اور سول افسران کا نام لیا جاتا ہے ان میں ہر ایک کی بیگمات گھروں میں موجود رہتی تھیں بلکہ تمام کی باتوں کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا مگر مسز ہینی کا کردار سب سے الگ ہی نظر آتا ہے جو کہ پاکستانی خواتین کے لیے ایک روشن مثال سے کم نہیں ہے۔ ہینی بیگم کی مصروفیات کا ذکر مختصراً یہاں قارئین کی نذر کیا جاتا ہے تاکہ شاید ان کی بیگمات میں بھی اپنے خاوندوں کے اُمور میں ہاتھ بٹانے کا جذبہ پیدا ہو اور وہ بھی قوم و ملک کے لیے اپنی توانائی صرف

Marfat.com

کر دیں۔

بیگم ہینی خاں کہوٹہ کی پہلی اینٹ رکھنے میں ڈاکٹر عبدالقدیر کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑی تھیں اور وہ اپنے اس وعدے کی پابند تھیں کہ انہوں نے اپنے شوہر کے شانہ بشانہ پاکستان کی خاطر اپنے دن رات ایک کر دیئے ہیں بہت کم لوگوں کو اس بات کا علم ہوگا کہ 1971ء کے آخر میں کہوٹہ پلانٹ کے منصوبے پر عمل درآمد کے لیے متعلقہ علاقے کی زمین ہموار کی جانے لگی تو مسز ہینی خان ان چند لوگوں میں سے تھیں جو وہاں جاتی تھیں اس وقت وہاں بلڈوزر چلانے اور مٹی ڈھونے والوں کو قطعاً علم نہ تھا کہ وہ کس قدر اہم کام کا آغاز کر رہے ہیں۔ اور ان کو شاید ہی اس خاتون کے بارے میں علم ہو۔ اُن کے ہاتھوں کس قدر عظیم اور شاندار کامیابی کی راہ ہموار ہو رہی ہے۔ اس وقت کو یاد کرتے ہوئے بیگم ہینی خاں نے ایک بار کہا کہ:۔

"اس وقت ہم وہاں آم کے بڑے تناور اور گھنے سایہ دار درخت کی خوب تعریف کرتے تھے یہ درخت اب بھی وہاں ہے اس سے ہر سال پھل اتارا جاتا ہے البتہ اب اس درخت کے اردگرد کا ماحول ہی بدل گیا ہے۔"

ڈاکٹر عبدالقدیر نے اس پراجیکٹ کی تعمیر پر اس قدر محنت اور لگن سے کام کیا کہ اُن کو اپنے بیوی بچے بھی بھول گئے' ان کی روزمرہ کی تمام عادتیں بھی فراموش ہو گئیں۔ انہوں نے اس قومی کام کو سرانجام دینے کے لیے ایسے جنون اور ولولے کے ساتھ کام شروع کیا کہ ان کو دنیا وما فیہا میں اس کام کے سوا کچھ نظر ہی نہ آتا تھا۔ وہ روزانہ بیس گھنٹے اس پراجیکٹ پر کام کرتے تھے اور بعض اوقات اس کام میں اس قدر مصروف ہو جاتے تھے کہ گھر نہ جا سکتے تھے مگر اس سلسلے میں مسز خان نے کبھی شکایت نہ کی۔ جب کہوٹہ کے کام میں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں مصروف تھے تو ان کی بیگم ہینی خاں پر

Marfat.com

یرقان کا حملہ ہوا اور وہ سخت بیمار ہو گئیں۔ لیکن ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اپنی خواہش اور کوشش کے باوجود ان کی صحیح طور پر تیمارداری نہ کر سکے ان دنوں ان کی بچیوں کی عمر بھی چھوٹی تھی یعنی صرف چھ سات اور پانچ سال کی عمر میں تھیں۔ اور بعض اوقات یہ ہوتا تھا کہ سارا دن بچیاں اپنے باپ کو دیکھ ہی نہ پاتی تھیں۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں صبح اٹھ کر ان بچیوں کو سوتے میں ہی بوسہ دے کر کام پر آ جاتے اور رات گئے واپس لوٹتے تھے۔ ان دنوں میں ایسا بھی وقت آیا کہ بچیاں باپ کو دیکھنے سے ترس گئیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ کہوٹہ کی تاریخ دراصل ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی تاریخ ہے کیونکہ اسی مجاہد نے شروع کی اور اس نے مکمل کی۔ انہوں نے اپنی برق نما لیڈر شپ کے تحت ٹیم کو اکٹھا کیا تو ایسے لوگوں کی ٹیم تیار کی گئی جو اپنے اپنے فن میں مہارت اور کمال رکھتی تھی۔

چونکہ اپنے ملک میں منصوبے کی تکمیل کے لیے ہر ایک چیز میسر نہ تھی اس لیے منصوبے کو ابتدائی منزل پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بہرحال اپنی عمدہ پالیسیوں کے تحت کام کی رفتار کو جاری رکھتے ہوئے تین سال کے عرصے میں سنٹری فیوج کی پیداوار کے لیے کہوٹہ میں تمام سہولیات مناسب طریقے سے حاصل تھیں۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے سابقہ پروفیسر ڈاکٹر ایم۔ جے بریبر نے کہا کہ:۔

''ڈاکٹر خاں کا قابل عمل پروگرام تھا جو کہ عمدہ نظم و ضبط کے تحت چلایا گیا تھا ان کو عملے کے انتخاب کے لیے آزادی تھی وہ بہت سے لوگوں کے بارے میں معلومات رکھتے تھے جنھوں نے کبھی اپنے کاموں کو تبدیل کرنے کا خیال نہ کیا تھا اور اسی طرح ان کو خریداری کے لیے بھی تمام متعلقہ خبروں کے بارے میں معلومات حاصل تھیں۔ کیونکہ اُن کے دوست مختلف ممالک میں کام کر رہے تھے اور اُن سے باقاعدہ طور پر اس منصوبے کے سلسلے میں رابطہ تھا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو بہت سی زبانیں بھی آتی تھیں اور بڑی دلکش شخصیت کا مالک بھی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ایسا سامان بھی خرید سکا جو کہ کوئی دوسرا پاکستانی

Marfat.com

خریدنے کا اہل نہ تھا وہ یہ خریداری کرنے میں اس لیے بھی کامیاب رہا کیونکہ:۔

''یورپ میں اس کے طویل قیام برائے تعلیم نے یہ مواقع فراہم کئے کہ وہ وہاں کے لوگوں کی ذہنیت اور نفسیات کو بغور سمجھے''

یہودی مصنف جس نے ''اسلامی بم'' کے نام سے تصنیف کی ہے اس نے لکھا ہے کہ:۔

''ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اپنے خواب کو حقیقت کا رنگ دینا چاہتے تھے اور وہ مسٹر منیر احمد خاں کے بالکل برعکس تھے اُس نے پہلے ہی ثابت کر دیا تھا کہ وہ بالکل صاف گو' مجاہد اور بہت سے وسائل کو یکجا کرنے والا شخص ہے۔''

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے ریسرچ انجینئرنگ لیبارٹری (ERL) کا چارج سنبھالنے کے بعد سامان کی خریداری کے لیے فہرست تیار کرنی شروع کر دی تھی۔ جو کہ سنٹری فیوج پلانٹ کے لیے ضروری تھی۔

یہودی مصنف نے مزید لکھا ہے کہ:۔

''اس وقت جب کہ پاکستان اور فرانس کے درمیان ری پراسنگ پلانٹ کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی تو اس وقت ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اس حساس اور اہم قومی ادارے کے لیے صنعتی اور تعمیراتی ضروری سامان کی خریداری میں مصروف تھا۔ افزودگی پلانٹ کی تعمیر کا کام اس قدر خرچیلا تھا کہ کوئی بھی ترقی پذیر ملک اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ افزودگی کا عمل نہ صرف مہنگا ہے بلکہ بہت مشکل بھی۔ اس عمل کو نہایت خفیہ انداز میں رکھا تھا اور یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ کس طرح ایک غریب پاکستان نے اس چیلنج کو قبول کیا۔ جس کو اکیلے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں سر کر رہے تھے جس کو مغربی ممالک سے قطعی طور پر پوشیدہ رکھا گیا۔

Marfat.com

حقیقت میں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے اس مشکل کام کو مکمل کرنے کا عہد کر رکھا تھا۔ جب کہ ملک میں کسی سائنسدان اور انجینئر نے سنٹری فیوج کے بارے میں سنا بھی نہیں تھا اور قطعاً اس کے بارے میں علم نہیں رکھتے تھے۔ ان حالات میں جب کہ مغربی ممالک ایسی ایٹمی برآمدات کے سخت خلاف تھے جو توانائی کے لیے سود مند تھیں۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے کہا ہے کہ:۔

''میں نے مغربی کمپنیوں کی رضامندی سے پورا فائدہ حاصل کیا اور عام مارکیٹ سے خریداری کرنے کا فیصلہ کیا۔''

یہ بھی حقیقت ہے کہ پاکستان نے خریداری کے سلسلے میں کسی بھی ملک کے قانون کی خلاف ورزی نہیں کی۔

اس سلسلے میں یہودی مصنف نے ''اسلامی بم'' میں تسلیم کیا ہے کہ:۔

''یورینیم کے لیے اہم سامان کی درجہ بندی کر لی گئی تھی اور مختلف ممالک کے اپنے برآمدی قانون اور اصول تھے جن پر عمل کرنا لازمی تھا مگر ایک ایک سامان پر کوئی پابندی نہ تھی پاکستان نے افزودگی پلانٹ کے لیے خریداری کا ایک نظم و ضبط بنایا۔ لازمی اور ضروری سامان کے نرخ مختلف غیر ملکی کمپنیوں سے حاصل کئے گئے تھے یہ بھی اس طرح ہی موجود ہے کہ جب 1979ء میں امریکہ نے سوئٹزر لینڈ پر بعض پرزوں کی فراہمی روکنے کے لیے دباؤ ڈالا تو اسے ایٹمی عدم پھیلاؤ کے معاہدے کی خلاف ورزی کا مرتکب ٹھہرایا گیا۔ تو سوئٹزر لینڈ حکومت نے اس پر شدید ردعمل کا اظہار کیا۔ اور تمام امریکی الزامات یکسوئی سے مسترد کر دیئے گئے اور انہوں نے کہا کہ:۔

''پاکستان سے جو بھی معاہدے سودے کئے گئے ہیں وہ قانون کے عین مطابق ہیں کیونکہ اس وقت اُس کی دو بڑی فرموں یعنی VAT اور CORA کے انجینئر اور نمائندے پاکستان میں مذاکرات میں

Marfat.com

مصروف تھے"

1981 میں امریکی وزارت خارجہ نے انقرہ (روم) اور بون میں مقیم نمائندے اور اس کے ساتھ درجنوں دارالحکومتوں کو متنبہ کیا وہ اپنے مخالف ممالک کو حساس ٹیکنالوجی کے پرزہ جات فراہم نہ کریں۔ ترکی، مغربی جرمنی اور دیگر ممالک نے جواب دیا کہ ان کے ملک کی کمپنیاں ملکی قانون کے تحت کام کر رہی ہیں ان پر مزید پابندیاں لگانے کی ضرورت نہیں ہے مگر امریکی حکومت نے اس رویہ پر بڑے غصے کا اظہار کیا۔

یہ دونوں واقعات اس امر کے شواہد ہیں کہ پاکستان نے اپنی ساری خریداری متعلقہ ممالک کے قانون کے مطابق کی تھی۔ حقیقت میں امریکہ اور دیگر پاکستان مخالف ممالک اپنی مرضی مسلط کرنا چاہتے تھے جس کو اکثر یورپی ممالک نے مسترد کر دیا اور بُرا بھی منایا۔

بعض ذرائع کے مطابق جن میں غیر ملکی پریس رپورٹس بھی شامل ہیں۔ پاکستان نے کہوٹہ پلانٹ کے لیے خریداری 1979ء میں شروع کی تھی۔ جب کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں ہالینڈ میں کام کر رہے تھے تو ان کی ہدایات پر برسلز کے پاکستانی سفارت خانہ نے ہالینڈ کی مشہور فرم سے "ہائی فری کوئنسی انوریٹرز" کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ یہ انتہائی حساس برقیاتی آلات سنٹری فیوج کی گردش کو کنٹرول کرتے تھے اور پاکستان نے پہلے پانچ برسوں میں یہ کم از کم چار دوسرے ممالک سے بھی خرید کیے۔

دسمبر 1975ء کے آخر میں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی وطن واپسی پر اس بارے میں ایک کریش پروگرام پر عمل شروع ہو گیا تھا۔ یہ خریداریاں زیادہ تر باقاعدہ سفارت

Marfat.com

خانوں کے ذریعے کی گئی تھیں جنہوں نے انہیں نہایت خفیہ رکھا بلکہ آرڈر دیتے وقت یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ مطلوبہ اشیاء کس مقصد کے لیے درکار ہیں البتہ آخری دنوں میں اس ضمن میں کچھ احتیاط کی جانے لگی کیونکہ وقت کے گزرنے کے ساتھ لوگوں میں شعور بڑھتا چلا گیا تھا۔

لندن کے ایک رسالے کے مطابق جس کا نام Eight Days تھا:۔

''بہت سی نمائشی کمپنیاں ضروری سنٹری فیوج سامان کے حصول کے لیے قائم تھیں ایسی کمپنیوں نے اپنے کاروبار بہت سے ملکوں برطانیہ' ہالینڈ اور مغربی جرمنی کے شہروں میں شروع کر رکھا تھا۔ جنہوں نے سامان پاکستان کو فروخت کیا اور اس کے بعد کاروبار بند کر دیا گیا۔''

''Eight Days'' اور اسلامی بم کے مصنفین دونوں نے تسلیم کیا ہے کہ:۔

پاکستان کے سامان کی ترسیل کو روکنا مشکل تھا اور پاکستان کو ایٹمی توانائی کے سامان کی فراہمی کو روکنے کے لیے خفیہ ایجنسیاں قائم کی گئی تھیں 1978ء تک دنیا میں کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ پاکستان نے بلین کے حساب سے نیوکلیر سامان خریدا اور پاکستان نے امریکہ کی چیخ و پکار کو بھی نظر میں رکھا ہے جو کہ نیوکلیر کی تنصیبات کے متعلق تھی رسالے نے مزید لکھا ہے کہ:۔

امریکہ نے نیوکلیر سامان پاکستان کی Black Marketing کو نظر انداز کر دیا جب کہ ان کے ساتھی اُس کام میں مصروف تھے ناجائز خریداری پر سرسری نگاہ ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان نے ''اسلامک بم'' کے لیے سامان کس طرح حاصل کیا؟

پاکستان کی خریداری کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے یہ احساس ہوتا ہے کہ پاکستان نے یہ سارا سامان قانونی اور اصولی طور پر حاصل کیا تھا۔ بین الاقوامی اخبارات اور مغربی

Marfat.com

سفارت کاروں کے مطابق:۔

''پاکستان نے باقاعدہ خریداری 1976ء میں شروع کی تھی۔ جبکہ ابتدائی معلومات اس سے پہلے حاصل کر لی گئی تھیں۔''

سب سے پہلے پاکستان نے سودا سوئٹزرلینڈ کی سب سے مشہور کمپنی Vakuum Apparat Technik (VAT) اور Cora Engineering سے کیا تھا۔ تو پاکستان نے سوئٹزر لینڈ کی معروف فرم جس کا پہلے ذکر کیا گیا ہے سے سنٹری فیوج افزودگی پلانٹ کے لیے خصوصی ہائی ویکیوم والوز اور کورا انجینئر نگ فرم سے سنٹری فیوج کو فلورائیڈ گیس فراہم کرنے والے یونٹ خریدے اور ان کمپنیوں نے اپنی حکومت سے اجازت لی تھی اور پاکستانی خریداروں نے ایسا سامان فراہم کرنے والی فرموں کو سامان کے استعمال کے بارے میں بالکل واضح کر دیا تھا کہ سامان کس مقصد کے لیے استعمال کیا جائے گا؟ امریکی مصنف ''اسلامک بم'' نے تسلیم کیا ہے کہ:۔

''ان دونوں کمپنیوں نے اپنی حکومت سے اجازت حاصل کر رکھی تھی اور یہ دونوں اشیاء انفرادی طور پر ''لندن کلب'' کی ممنوعہ اشیاء کی فہرست میں شامل نہ تھیں اور یہ تمام یونٹ پاکستان پہنچانے کے لیے تین 180 ہرکولیس طیارے باقاعدہ چارٹر کیے گئے تھے''۔

سوئس حکومت یہ جانتی تھی کہ سنٹری فیوج پلانٹ اس یونٹ کے بغیر کام نہیں کر سکے گا مگر انہوں نے کہا کہ:۔

''اس کا نیوکلیر ہتھیاروں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے''

اس کے لیے خصوصی طرز کی ساختہ ٹیوب اور سٹیل کی خریداری بھی سوئٹزر لینڈ سے کی گئی تھی اور دوسری بھاری اور زیادہ خریداری ہالینڈ سے کی گئی تھی۔

Marfat.com

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو ان فرموں کا ذاتی طور پر علم تھا۔

حاضر ریکارڈ کے مطابق:۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں جو کہ ایف ڈی او کا سابقہ ملازم تھا نے حساس ایٹمی سامان پاکستان کو کافی مقدار میں فروخت کیے جبکہ دوسری فرم Van Doorne Transmissiec(VDT) نے پاکستان کو سات ہزار خصوصی طرز کے سٹیل ٹیوب فراہم کیے تھے اور آخری کھیپ پاکستان میں 1979ء کو پہنچی یہ بہت بڑا آرڈر تھا اور یہ (Duch) ڈچ حکومت کی ہدایات کے باوجود فرم نے آرڈر مکمل بھجوا دیا کیونکہ ایسا کوئی قانون نہ تھا جس کی وجہ سے ممنوع ہوتا اور دوسری فرم نے پاکستان کو المونیم ٹیوب فراہم کیں۔ 1977ء کی موسم بہار میں بہت بھاری برائے مار جنگ سٹیل ٹیوب کے لیے آرڈر دیا گیا تھا اور اگرچہ ڈچ حکام جانتے بھی تھے مگر انہوں نے اس کی فراہمی پر پابندی نہ لگائی پاکستان نے کہوٹہ منصوبے کے لیے سامان بڑے منظم انداز سے ایک سوچی سمجھی منصوبہ بندی کے تحت ان ممالک سے منگوایا جس کے بارے میں کسی بھی اعتراض کی گنجائش نہیں تھی۔

لندن کے جریدے "Eight Days" کے مطابق پاکستان آرڈیننس سروسز کے ایک افسر مسٹر اکرام الحق خاں نے 11۔ جنوری 1977ء کو بون کے اہم مضافاتی قصبہ وشبرگ بیچ میں ایک دفتر قائم کیا جہاں سے یورپ بھر میں سنٹری فیوج کے سامان کا تانتا بندھ گیا تھا۔

سب سے پہلا آرڈر ڈیڑھ کروڑ پونڈ کی مالیت کے 31۔ انورٹروں اور غیر منقطع سپلائی سنٹر کے لیے ایمرسن الیکٹرک انڈسٹریل کنٹرولز کو دیا گیا تھا جو برطانیہ میں ایک امریکی کمپنی کا ذیلی ادارہ تھا یہ آرڈر مغربی جرمنی کی ایک فرم ایٹم انڈسٹریز کی معرفت دیا گیا تھا۔ ایمرسن انورٹرز کی ساخت (تیاری) کے لیے مشہور ہے اور یہ سامان

Marfat.com

1978ء کو (swo) کو راولپنڈی میں ویرگیٹ لمیٹڈ کے توسط سے تقسیم ہوا۔ دریں اثنا انڈسٹریز نے ایمرسن کو مزید سامان کا آرڈر دیا جو مغربی جرمنی ریلوے کے ذیلی ادارے شیرز ٹرانسپورٹ کے ہیتھرو پورٹ پر واقع دفتر کے توسط سے بذریعہ ہوائی جہاز راولپنڈی پہنچایا گیا تھا۔

مسٹر اکرم الحق وہاں عبدالوحید کے ساتھ مل کر کام کر رہا تھا جو کہ انہوں نے جرمنی کی ویکیوم ٹیکنالوجی کی معروف ''فرم بی بولڈ'' سے ساٹھ لاکھ جرمن مارک کے عوض گیس کو پلانٹ میں پہنچانے والا پلانٹ خریدا جو سنٹر فیوج کا کلیدی حصہ ہوتا ہے اس سامان کی برآمد کے لیے کسی خصوصی اجازت کی ضرورت نہ تھی اور کمپنی کے مالکان کے مطابق ''یہ کہیں سے بھی خریدا جا سکتا تھا'' جبکہ ایک اور کمپنی نے چار کروڑ مارک کا سامان فروخت کیا۔ جس میں مووالز اور پاکستان کی فراہم کردہ تصریحات کے مطابق ویلڈ کئے گئے ایلومونیم کے دس ہزار کے لگ بھگ چھوٹے پرزے بھی تھے اور ان میں سے کوئی بھی ایٹمی کلب کی فہرست کے مطابق ممنوعہ نہیں تھا۔ اور یہ سارا سامان جون 1978ء میں مسٹر اکرم الحق کے توسط سے خریدا گیا تھا۔

فرانس سے یورینیم پلانٹ کے لیے خریداری بہت کم رہی تاہم شمالی فرانس کے ایک ادارے سے سنٹری فیوج کے لیے 10 ہزار بلیوز کی خریداری کا معاملہ خاصا دلچسپ رہا تھا۔ اس سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ فرانسیسی کسٹم نے متعلقہ فرم کو اس آرڈر کی تعمیل نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا مگر اس نے مطلوبہ سامان بیلجیم کی ایک فرم کے ذریعہ پاکستان کو بھجوا دیا تاکہ پاکستان مقامی طور پر اشیاء کو تیار کر سکے جب اس کی ضرورت محسوس ہو۔

1977ء میں مسٹر بھٹو کی وزارت کے آخری ایام تھے مگر کہوٹہ پراجیکٹ کی رفتار پر کوئی اثر نہ پڑا کیونکہ غلام اسحٰق خاں نے اس کی سرپرستی اپنے ذمے لی تھی اور غلام اسحاق خاں برابر کہوٹہ پراجیکٹ کے کام کی نگرانی اچھی طرح حب الوطنی اور منظم انداز

Marfat.com

سے کرتے رہے۔ جس سے حکومت پاکستان کے سربراہ کی دیانت دارانہ اہلیت کا ثبوت ملتا ہے۔

جناب ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کے ختم ہو جانے کے بعد جنرل ضیاء الحق برسر اقتدار آئے تو انہوں نے بھی اپنی حب الوطنی جذبات کے تحت کہوٹہ پراجیکٹ کی ہر طرح سرپرستی کی۔ جس کی وجہ سے کہوٹہ پراجیکٹ کی رفتار میں کمی واقع نہ ہوئی تو جنرل ضیاء الحق نے پہلے ہفتہ میں ہی اپنے بھتیجے مسٹر عبدالوحید کو پراجیکٹ کے لیے جرمنی بھیجا۔ اور ''Eight Days'' اخبار کے مطابق وہ خاموشی سے پراجیکٹ کے لیے خریداریاں کرتا رہا۔ کبھی منظر عام پر کسی کو علم نہ ہوا۔ اگر 1978ء کے آخر میں ایک صنعتی تنازع یورپ میں جنم نہ لے لیتا تو آخری دم تک کسی کو اس کی خریداریوں کے بارے میں کوئی علم نہ تھا۔ اس سے اخذ کیا جا سکتا ہے کہ پاکستان نے کس قدر سمجھداری اور دانائی سے اس خفیہ انداز سے کہوٹہ پراجیکٹ کے لیے سامان کی خریداری کے انتظامات کئے کہ کوئی بھی ترقی پذیر ملک ایسا کرنے سے قاصر ہوگا اگرچہ پاکستان کے پاس وسائل نہ ہونے کے برابر پائے جاتے ہیں۔

اخبار کے مطابق ایمرسن سویڈن نامی فرم ستمبر 1978ء میں پاکستان کے تیسرے آرڈر کی تعمیل میں مصروف تھی یہ آرڈر ایک سو انورٹرز اور فاضل پرزوں کے لیے تھا۔ اسے 4 ستمبر سے شروع ہو کر چار ماہ کے اندر مکمل ہونا تھا مگر اس دوران کسی نے برطانیہ کے لیبر ممبر پارلیمنٹ فرسنگ الون کو ان انورٹرز کے بارے میں بتایا۔ جس میں واضح طور پر ''پاکستان سپیشل پراجیکٹ'' کے الفاظ درج تھے۔ اس نے دارالعوام میں یہ مسئلہ اٹھایا اور وزیر توانائی ٹونی بن کو تحقیقات پر مجبور کیا۔ تحقیقات پر سب سے پہلے جو وجوہات سامنے آئیں وہ یہ تھی کہ انورٹرز کی برآمد قطعاً قانونی تھی اور اس کی پہلی کھیپ پاکستان روانہ کی جا چکی تھی۔ لیکن بعد میں حکومت برطانیہ نے انورٹرز کو ایکسپورٹ

Marfat.com

کنٹرول لسٹ (Export Control list) میں شامل کر کے ان کی مزید ترسیل رکوا دی جو کہ کسی صورت میں بھی مناسب نہیں تھی اور اُس ترسیل کے رک جانے کی وجہ سے پاکستانی حالات پر بھی اثر ہوا۔

مگر پاکستان نے نیوکلیر پروگرام کو جاری رکھا اس انکشاف کے بعد برطانیہ، امریکہ اور دوسرے ممالک نے نیوکلیر کی سہولیات میں تبدیلی کر دی مگر پاکستان نے ان آئٹم کی خریداری جاری رکھی جن پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ 1979ء کے شروع میں برطانیہ نے دوبارہ برآمدی قانون میں سختی پیدا کر دی۔ انہوں نے اپنی پہلی مرتبہ انورٹر کے فالتو پرزوں پر پابندی لگا دی۔

ii- دوسری مرتبہ انہوں نے ان تمام عناصر پر پابندی لگا دی جو سنٹری فیوج میں کسی نہ کسی طرح استعمال کئے جا سکتے ہیں۔

مختصراً یہ ہے کہ پاکستان خریداری میں ہمیشہ لازمی عناصر کی خریداری میں ایک قدم آگے ہی رہا ہے اور اس سے خریداری کے ذرائع اور پلانٹ کے لیے ممکن سامان حاصل کرنے کے لیے طریقے بھی نرالے ہی رہے ہیں۔

ایمرنس کے ایک انجینئر کا یہ کہنا ہے کہ ہم واضح طور پر جانتے تھے کہ انورٹر یورینیم پلانٹ کے لیے ہیں لیکن ہم اس بارے میں قطعاً پریشان نہ تھے کیونکہ ہمیں یہ یقین تھا کہ پاکستان اس انتہائی جدید سامان کو کبھی استعمال نہ کر سکے گا اور یہ ڈبوں میں بند پڑا ناکارہ ہو جائے گا۔ مگر پہلی کھیپ کے بعد جب اُنہیں ایک طویل ٹیلکس کے ذریعے پاکستان سے ان میں طویل اور پیچیدہ ترامیم کی ہدایات موصول ہوئیں تو ہم حیران رہ گئے۔

"فرنیک الون کے مطابق یہ انورٹرز بالکل ویسے ہی تھے جو برطانوی ایٹمی توانائی ادارے کے لیے بنائے جاتے تھے۔ یہ کسی طرح بھی

Marfat.com

ٹیکسٹائل فیکٹری کے لیے موزوں نہ تھے جبکہ ٹونی بُن کا خیال کے تھا
کہ پاکستان ایٹمی پروگرام جاری رکھے ہوئے ہے"

اس انکشاف کے بعد اگرچہ برطانیہ' امریکہ اور دیگر ایٹمی ممالک نے برآمدہ کنٹرول لسٹ پر نظر ثانی کی تھی۔ اس کے باوجود پاکستان نے کسی نہ کسی طرح برطانیہ سے سنٹری فیوج پراجیکٹ کے لیے درکار دوسری غیر ممنوعہ اشیاء کی خریداری جاری رکھی۔ اس کے باعث برطانیہ 1979ء کے آغاز میں اپنے برآمدی ضوابط میں مزید توسیع کرنے پر مجبور ہو گیا۔

برطانیہ نے پہلی مرتبہ انواٹرز کے فاضل پرزوں اور سب اسمبلز کی برآمد پر پابندی لگا دی جو کسی نہ کسی طرح سنٹری فیوج پلانٹ میں استعمال ہوتی تھی۔ یوں پاکستان کو ایٹمی توانائی کے حصول سے روکنے کے لیے سب بڑے ممالک سرگرم عمل ہو گئے اور ہمارا یورینیم کی افزودگی کا منصوبہ واقعتاً بحران کا شکار ہو گیا۔ مگر ان حالات میں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے (خود کفالت) کا نعرہ لگا لیا اور پراجیکٹ کی تکمیل کے لیے مقامی طور پر پرزوں اور آلات کی تیاری کا عمل شروع کر دیا۔ اور اس دوران پاکستان چند بااثر لوگوں کے ذریعے ضروری نوعیت کا سامان منگوانے میں بھی کامیاب ہو گیا۔ مقامی طور پر انہوں نے جن اداروں کا تعاون حاصل کیا۔ ان میں پاکستان آرڈیننس فیکٹری مشین ٹولز فیکٹری پاکستان انڈسٹری اینڈ ٹیکنیکل سنٹر لاہور اور چند ایک دوسرے سرکاری و نیم سرکاری ادارے شامل تھے۔

امریکہ نے اس معاملے کو اپنے سفارت خانہ کے توسط سے اٹھایا اور معاشی امداد جو کہ اپریل 1979ء میں دی جانی تھی وہ آہستہ سے کم کر دی اور آخر کار مکمل طور پر بند کر دی گئی۔ اس موقع پر مسٹر بھٹو کی سرگزشت کو جیل سے سمگل کیا گیا تھا اس نے کہا کہ:۔

"ہم جانتے ہیں کہ اسرائیل اور جنوبی افریقہ پوری نیوکلیر طاقت

Marfat.com

رکھتے ہیں عیسائی' یہودی اور ہندو ایسی طاقت کے مالک ہیں کمیونسٹ ممالک یہ طاقت رکھتے ہیں اور صرف ایک اسلامی تہذیب ہی اس سے خالی ہے مگر حالت بہتری کی طرف تبدیل ہو رہی ہے۔"

امریکی نائب سیکرٹری اسٹیٹ جن کا نام تھامس پکرنگ (Thomas Pickiring) نے امریکہ سینٹ کی ذیلی کمیشن کے سامنے بیان دیا کہ:۔

"پاکستان کو دو تا پانچ سال بم بنانے میں درکار ہیں۔

اس نے یہ معلوم کر کے حیرانگی کا بھی اظہار کیا کہ پاکستان افزودگی پلانٹ لگا رہا ہے جو کہ اعلیٰ طرز پر عمدہ گیس سنٹری فیوج طریقہ پر مبنی ہوگا (اور بھارت تا حال اس فن میں ایک سال پیچھے تھا) جس کی وجہ سے یورینیم افزودگی کی فراہمی جاری رہی۔

"پاکستان نے اس پلانٹ کی تعمیر کے لیے سامان کیسے حاصل کیا؟"

مسٹر پکرنگ کے بیان کے مطابق جو کہ اس نے امریکی سینٹ کے سامنے دیا کہ:۔

"پاکستان نے انورٹرز امریکہ سے خریدے ہونگے؟"

مارچ 1979ء تک انورٹرز صرف امریکہ سے میسر تھے مگر جنرل لائسنس پر۔ جو کہ عام طور پر صنعتی خصوصی طور پر ٹیکسٹائل انڈسٹری میں استعمال کئے جاتے تھے۔

"ہشت روزہ" (Eight Days) کے مطابق یہ سودا بھی دیگر بین الاقوامی سودے کے مطابق ہی تھا اس سلسلے میں ڈاکٹر عبدالقدیر نے برطانیہ' ہالینڈ' سوئٹزرلینڈ کو شکست دے دی اور ڈائریکٹر فیڈرل اکنامک انرجی سویڈن نے یہ تسلیم بھی کیا کہ:۔

"سویڈن کمپنیوں نے کافی مقدار میں حسّاس مواد پاکستان کو فروخت کیا تھا۔"

یورینیم افزودگی پلانٹ کے بارے میں انکشاف ہونے کے بعد عالمی طاقتوں نے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں اسرائیل کے وزیر اعظم مسٹر بیگن نے بے بنیاد مقدمہ

Marfat.com

ہالینڈ میں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے خلاف دائر کر دیا۔ برطانیہ اور امریکہ نے اپنے برآمدی قانون کو سخت کر دیا اور مقامی مصنوعات میکرز سے بھی مخالفت کا ماحول پیدا ہو گیا۔

اسی وقت مغربی تحقیقاتی ایجنسیوں کی طرح CIA نے بھی کہوٹہ کے بارے میں رپورٹ تیار کی پاکستان نے پہلے ہی ضروری سامان افزودگی پلانٹ کے لیے خرید لیا تھا۔ اسی وقت وہ سامان جو کہ عام مارکیٹ میں نہ خریدا جا سکا وہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی نگرانی میں تیار ہو رہا تھا۔ اور امریکہ سوئٹزر لینڈ کے ساتھ بہت ہی خفا تھا کیونکہ اس نے پاکستان کو نہایت اہم قسم کے آلات فراہم کئے تھے۔

امریکہ نے سوئٹزر لینڈ کو ایک بڑا زبردست احتجاجی مراسلہ بھیجا 1979ء کے شروع میں جس میں سوئس ری ایکٹر کے لیے ایندھن کی فراہمی بند کرنے کی دھمکی دی گئی تھی۔ مگر سوئٹزر لینڈ نے امریکہ کے احتجاج کو مسترد کر دیا اور انہوں نے کہا انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔

یونائیٹڈ سٹیس نے اپنا رخ پاکستان کی طرف کر لیا۔

سب سے پہلے انہوں نے نوتھراپ ایف = 5 طیاروں اور سویلین نیوکلیر امداد کی پیشکش کی جس میں وہ ناکام رہے۔

ii- اس کے بعد امریکیوں نے اپریل 1978ء میں کلی طور پر معاشی امداد بند کر دی۔

کیا یہ ایک عجیب واقعہ نہیں تھا کہ پاکستان کو نیوکلیر طاقت کی سرپرستی میں امریکہ ماتحت رکھنا چاہتا تھا۔ وہ پروگرام 4۔ اپریل 1979ء کو تبدیل ہو گیا تھا۔ جب اس کا پیش رو صدر پاکستان جنرل ضیا الحق امریکی امداد میں کمی ہونے کے سلسلے میں مسائل کا شکار تھا؟

مغربی طاقتوں کا جنرل ضیاء الحق' اور ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے خلاف اور

Marfat.com

پاکستان کے خلاف پروپیگنڈہ زوروں سے ہو رہا تھا۔ اس دوران ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے ایک سخت اور ناخوشگوار مراسلہ دیر سپیجل (Der Spiegel) کو 28۔ نومبر 1979 کو مغربی جرمنی میں لکھا کہ:۔

میں ان امریکہ اور برطانیہ والوں سے سوال کرتا ہوں کہ وہ مجھے بتائیں کہ وہ خدا کی طرف سے دنیا کے محافظ مقرر ہیں جو کہ ہزاروں کے حساب سے نیوکلیر آلات اکٹھے کر سکتے ہیں جن کا اُن کو خدائی اختیار حاصل ہے؟ اگر ہم کوئی جدید پروگرام ترتیب دیں تو ہم کو شیطان ٹھہرایا جاتا ہے اور مغربی رسائل ہمارے خلاف مزاحیہ کہانیاں بنانا اپنا فرض سمجھتے ہیں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے نرم الفاظ ''دیر سپیجل'' Der Spiegel کو مضمون چھاپنے کے لیے نہ روک سکتی جو کہ مغربی اخبارات میں برائی کے ضمن میں پیش کیا جا رہا تھا۔ اور ڈاکٹر عبدالقدیر کے خلاف ایک محاذ قائم ہو گیا کیونکہ انہوں نے مغربی خیالات کو غلط ثابت کر دیا تھا جس میں کہا جاتا ہے کہ:۔

''پاکستان سوئی بھی نہیں بنا سکتا اور نہ سنٹری فیوج کی بات ہی کر سکتا ہے''

وہ ایک مسلمان تھا اور وہ اپنے مادروطن کی عزت وعظمت کے لیے کام کر رہا تھا اس کی کامیابی نے مغرب کو پریشان کر دیا تھا۔

پاکستان نے ان کی اجارہ داری کو توڑ کر چیلنج کر دیا اور اب ان کے پاس سوائے اس کے کچھ نہ رہا تھا کہ وہ پاکستان کی برائی کر کے ایسے حاسدانہ الفاظ منہ سے نکالیں۔ اسی دوران میں سادہ اور نقصان نہ دینے والی (بے ضرر) قسم کی اشیاء کی فراہمی بند کر دی گئی اور جس طرح کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ:۔

''اگرچہ بہت زیادہ متعصبانہ پروپیگنڈہ ہمارے خلاف کیا گیا۔ مگر

Marfat.com

اس میں مغربی رضامندی برائے فروخت کے بارے میں کچھ ذکر نہیں تھا۔"

جب ہم نے انورٹرز انگلینڈ کے ایمرسن سے خریدے اور اُن کی پیداواری صلاحیت ہماری توقعات سے بہت کم آئی تو ہم نے ایمرسن سے اس میں تبدیلی کرنے کو کہا اس کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ انہوں نے موزوں تبدیلیاں کیں۔ اس دوران میں بہت سے خطوط اور ٹیلکس موصول ہوئے بہت سے سپلائزر نے رابطہ کیا اور انہوں نے مشینوں کی تفصیل بھی بتائی جو انہوں نے المیلو اور کاپن برسٹ کو فروخت کی اور انہوں نے ہم سے خریداری کے لیے التجا کی۔

چونکہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں بڑے تجربہ کار سمجھدار اور مجاہد سائنسدان تھے وہ کافی عرصہ تک مغرب میں تعلیم حاصل کرتے رہے اور انہوں نے مغرب میں کافی عرصہ تک ملازمت بھی کی۔ مغربی لڑکی سے شادی بھی کی اور زندگی پُرامن طریقے سے گزار رہے ہیں تو وہ ان کے خیالات و جذبات کو بالکل صحیح صورت میں سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ:۔

"مغربی تاجر کی نفسیات ایک ایسے تاجر کی طرح ہے جو اپنی ماں کو فروخت کرنے کے لیے ہر لمحہ تیار رہتا ہے اگر مناسب قیمت ادا کر دی جائے تو۔"

"انہوں نے مغرب کی اس کمزوری سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور کھلی منڈی سے مال کی خریداری کا اہتمام کرنے لگے"۔

انہوں نے جو کچھ بھی ان کو ضرورت تھی کھلی منڈی سے پلانٹ کے لیے خریدا اور بعض اوقات اس میں تبدیلی کے لیے بھی کہتے تھے۔ (بمطابق ضرورت)

لوگوں کو یہ جاننا چاہیے کہ ہم نے صرف روائتی قسم کی خریداری کی تمام اشیاء کیمیائی طرز کی اور ویکیوم ٹیکنالوجی، جن کے بے شمار استعمالات بھی تھے۔

Marfat.com

اس کے علاوہ اُس کے فریب و چال کی دوسری مثال جس میں تین ایشیائی تاجروں کی گرفتاری عمل میں لائی گئی جن میں ایک پاکستانی' ایک ہندوستانی اور ایک مصری تھا اور یہ کام کینڈا میں دسمبر 1980ء میں عمل میں لایا گیا۔ جن پر الیکٹریکل آلات کی برآمد کا الزام لگایا گیا تھا جن کو سنٹری فیوج ٹیکنالوجی میں استعمال کیا جاتا ہے اس کی اصل صورت یہ تھی کہ اس آرڈر کی اس ترسیل کو جس کی مالیت ایک لاکھ ستر ہزار ڈالر تھی اس آرڈر کے تحت مال مونٹریال سے بذریعہ ہوائی جہاز روانہ کر چکے تھے۔ اور صرف گیارھوں کھیپ روک لی گئی اور اُن پر مقدمہ چلانا شروع کر دیا گیا۔ حالانکہ کینڈا میں متعین پاکستانی سفیر مسٹر الطاف اے شیخ نے ان الفاظ میں کہا کہ:۔

پاکستان نے ٹرانسفر اور انورٹرز وغیرہ کی خریداری پر کوئی جرم نہیں کیا تھا کیونکہ یہ غیر ایٹمی سامان تھا اور اس پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ کینڈا کی حکومت کا یہ اصرار تھا کہ:۔

اس آرڈر میں شامل کوایکسیل کیبل (Coaxial Cable) چونکہ زیر زمین ایٹمی دھماکے میں استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ اس لیے یہ آرڈر سنٹری پلانٹ کے لیے ہے۔

20۔ نومبر 1981ء کو ایک امریکی اخبار نے بیان دیا کہ:۔

پاکستانی ریٹائرڈ کرنل مسٹر سرفراز میر نے پانچ ہزار پونڈ کے نوادرات (نادر شے) زنکونیم ٹیوب سمگل کرنے کی کوشش کی۔ جس میں وہ ناکام ہوا۔

1984ء میں ایک پاکستانی تاجر کو بوسٹن کی عدالت نے 50 ہائی سپیڈ سوئچ برآمد کرنے پر سزا سنا دی کہ یہ سوئچ بم ٹریگ کے طور پر استعمال ہوسکتا ہے۔ حالانکہ اس کے کئی غیر فوجی استعمال بھی تھے جن میں آئل ایکسپلوشن بھی شامل ہے۔ اور پاکستانی ذرائع کے مطابق اس آرڈر کا تعلق کسی طور پر بھی کہوٹہ پلانٹ سے نہ تھا۔ مگر اسے کینڈا کی براڈ کاسٹنگ سروس ''فرنٹ لائن'' نامی دستاویزی فلم کے ذریعے پاکستان کے افزودگی پلانٹ کو رسوا کرنے کا بہانہ بنایا تھا۔''

Marfat.com

باب نمبر: 18

امریکہ کی دھمکیاں

1979ء کے آخر تک عالمی تشہیر افزودگی پلانٹ کے بارے میں ہو چکی تو 1980ء کے اوائل میں فرانسیسی اور اطالوی فرموں کو دھمکی آمیز خطوط لکھے گئے اور یہ خطوط ''تحفظ برصغیر لیگ'' (League for protecting subcontinent) کی طرف سے لکھے گئے تھے۔ خطوط میں درج ذیل عبارت لکھی گئی تھی:-

''تنظیم فرد یا فرم کے خلاف انتہائی قدم اٹھانے سے گریز نہیں کرے گی جو پاکستان کو سامان فراہم کرنے میں ملوث ہو گی''

لیگ کی اصل حیثیت یہ تھی کہ مغربی سفارت کار کا یقین تھا کہ یہ یا تو CIA ہے یا موساد (MOSSAD)۔ فروری 1981ء میں مینیجنگ ڈائرکٹر سوئس فرم جس کا نام کورا انجینئرنگ (CORA ENGINEERING) ہے کی رہائش پر بم پھٹا تھا اس کی ذمہ داری جنوبی ایشیا میں ''ایٹمی عدم فروغ کے گروہ'' نے قبول کی اور پولیس حکام کے مطابق فون کرنے والا کوئی نامعلوم ایسا شخص تھا جس کی مادری زبان انگریزی نہیں تھی۔ متعلقہ حکام نے کہا کہ:

''یہ سی آئی اے کی کارروائی ہے''

Marfat.com

اس سے قبل بھی اطالوی فرم الکومہ کو بھی فون پر یہی دھمکی دی گئی تھی کہ

''پاکستان کو کوئی مال نہ بھیجا جائے''

18 مئی 1981ء ہنس واسلیچ میلر (Hans Waclisch Miller) ایک جرمنی کمپنی کو بم دھماکے کا نشانہ بنایا گیا کسی آدمی نے جرمن زبان میں بات کرتے ہوئے دھمکی دی کہ:۔

''کمپنی پر بمباری کی جائے گی اگر سامان پاکستان کو فراہم کیا گیا''۔

حقیقت میں تاجروں پر صرف نفسیاتی طور پر دباؤ ڈالا جا رہا تھا۔ بعض سفارت کاروں کو یقین ہے کہ اس شرارت کا ہندوستان ذمہ دار ہے۔ یہ وہ سنگین حالات تھے کہ جب ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اپنے رفقائے کار کے ساتھ بے خوف خطر کہوٹہ پر کام کر رہے تھے۔

آخر کار جب ہمارے پاس کوئی چارہ نہ رہا تو ہم نے تمام الیکٹرونک' ویکوم اور الیکٹریکل آلات کو خود بنانا شروع کر دیا اور ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے کہا کہ:۔

''یہ وہ حالات تھے کہ کہوٹہ وجود میں آیا جو کہ محض پاکستانیوں کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ یہ ایک غریب اور ترقی پذیر ملک کے عوام کی حبّ الوطنی اور کوششوں کی زندہ مثال ہے۔ جب کہ پوری مغربی دنیا پاکستان کے خلاف کام کر رہی تھی''۔

یہ بھی قابل وضاحت ہے کہ اخباری ذرائع نے ہر قسم کے من گھڑت قصے کہوٹہ کی خریداری کے خلاف بیان کرنے کی بہت کوشش کی۔ یہ بھی افواہ عام تھی کہ سیٹھ عابد نے اپنی بدنام شہرت کے ساتھ کہوٹہ کے سلسلے میں اہم کردار ادا کیا ہے مگر حقیقت کی بات یہ ہے کہ سیٹھ عابد یا کسی دوسرے سمگلر نے نیوکلیر کی خریداری کے سلسلے میں کسی قسم کا کردار ادا نہیں کیا۔ بلکہ تمام خریداریاں اصولی انداز سے کی گئی تھیں جو کہ بالکل قانونی تھیں بہر حال میاں محمد فاروق جو کہ کراچی کے تاجر تھے اُن کے ساتھ ارشد' امجد اور عابد

Marfat.com

نے بڑے جرأت مندانہ طریقے سے ان آئٹموں کو امریکہ' کینیڈا' برطانیہ' سوئٹزرلینڈ' جرمنی' اٹلی' ہالینڈ' فرانس' جاپان وغیرہ سے حاصل کیا۔ اور بعض اشیاء درآمد کی گئی تھیں مثال کے طور پر ترکی سے اور ان کے علاوہ دوسرا سامان جو کہ برآمدی لسٹ پر تھا وہ قانونی طور پر پاکستانی سفارت خانہ کے توسط سے خریدا گیا تھا۔

مغربی اخباری ذرائع نے جھوٹا پراپیگنڈا لامحدود مالی امداد لبنان اور سعودی حکومت کے بارے میں بھی کیا جب کہ اصل صورت یہ ہے کہ وہ ممالک پاکستان کو عام معاشی امداد کر رہے تھے مگر انہوں نے کبھی پاکستان کو نیوکلیر کے لئے امداد نہیں دی تھی۔

مسٹر بھٹو کے سابقہ سکرٹری کے مطابق کہ:

''انہوں نے ان کے پاکستان میں آخری دور کے موقع پر 50لاکھ ڈالر کی شاہ خالد آف سعودی عرب سے درخواست کی تھی مگر اسے کہا گیا تھا کہ سعودی عرب ایک بلین ڈالر مہیا کرے گا مگر مسٹر بھٹو نے نیوکلیر پروگرام کے لیے پورے اخراجات کی مکمل درخواست بنا کر بھجوائی۔ مگر ملک میں افراتفری اور احتجاج کی وجہ سے درخواست پر توجہ نہ دی جا سکی۔ جس کی وجہ سے انتظامی حالات خراب ہو گئے۔ اور ملک میں مارشل لگا دیا گیا''۔

مغربی اخباری ذرائع نے اخراجات کے سلسلے میں بے شمار من گھڑت قصے بنائے۔ یہ ایک قانونی بات تھی کہ اس منصوبے پر سالانہ دوسو پچاس ملین ڈالر خرچ کیے جا رہے تھے۔ اور ایک صحیح اندازے کے مطابق 1989 سے لے کر کل دوسو ملین ڈالر خرچ کئے جا چکے تھے جو کہ ایک ترقی پذیر ملک کے بجٹ کے مطابق ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے معاون دوست

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے کافی عرصہ بیرون ملک تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ ملازمت میں بھی گزارہ تھا۔ جس کی وجہ سے ان کے احباب کا دائرہ بڑا وسیع تھا اور انہوں نے بیرون ملک میں قیام کے دوران بڑے بااعتماد دوست پیدا کئے تھے۔ جن کی وجہ سے انہوں نے کہوٹہ کے لئے سامان کی خریداری کے لئے مختلف قسم کے لوگوں سے رابطے کئے جو وقتاً فوقتاً ان کے پراجیکٹ کی مدد کرتے رہے اُس کہوٹہ پراجیکٹ میں کئی گمنام اور جرأت مند افراد نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان کی خدمات وطن عزیز کے مستقبل کی سلامتی اور خوشحالی سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ ان میں سے مالی مفاد کی کسی نے ہرگز پروا نہ کی۔ اس لیے یہاں اہم افراد/ شخصیات کا مختصر ذکر کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے تاکہ قارئین کی معلومات میں اس معاملے میں بھی اضافہ ہو۔ اور ان کے ذہن کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔

i- میاں شیخ محمد فاروق

میاں شیخ محمد فاروق اپنے وسیع کاروبار اور تعلقات کی بنیاد پر ایک بہت بڑی اہم شخصیت شمار ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے ان کے ساتھ ذاتی تعلقات اور مراسم تھے۔ اور یہ مراسم ہی کہوٹہ پراجیکٹ کے لیے درپردہ اور خفیہ طور پر اہم مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کیے جاتے رہے۔

Marfat.com

میاں شیخ محمد فاروق صاحب نے اس عظیم الشان اور قومی منصوبے کے لیے ایک سے زائد بار مشکلات اٹھا کر ضروری ساز و سامان کی فراہمی میں بے لوث اور بے خوف و خطر انداز سے کہوٹہ کے سامان کی فراہمی کے سلسلے میں ملک و قوم کی خدمت کی۔

شیخ محمد فاروق ایک کاروباری شخصیت کے ہی مالک نہ تھے بلکہ وہ ایک سچے محب وطن اور قوم کے در پردہ خیر خواہ اور ہمدرد انسان بھی تھے جنھوں نے ملک و قوم کی خدمت محض ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے جذبات و خلوص کو مدنظر رکھتے ہوئے انجام دی۔

ii- آغا حسن عابدیؔ

آغا حسن عابدیؔ بھی ایسے ہی مجاہد اور ہمدرد شخص تھے جنھوں نے پاکستان کی مالی امداد کے لیے کبھی تکلف سے کام نہ لیا وہ بڑے ہی مال دار فرد تھے۔ وہ ایک عرصہ تک لندن میں بی۔ سی۔ سی۔ آئی کے سربراہ کی حیثیت سے بھی مقیم رہے۔ (B.C.C.I) مگر پاکستان کے معاملات میں وہ کبھی لاتعلق اور بے خبر نہ رہے تھے۔ ایک مرتبہ وہ سابق امریکی صدر جمی کارٹر کے ساتھ پاکستان کے دورے پر آئے تو صدر امریکہ جمی کارٹر نے اُن سے ازراہ تعفن کہا تھا کہ:۔

"کیا میں کہوٹہ دیکھ سکتا ہوں"۔

مگر آغا حسن عابدی نے برجستہ جواب دیا کہ:۔

"شائد آپ کو یاد نہیں ہو گا کہ کہوٹہ کے لیے بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے جو شاید کوئی سابق امریکی صدر ادا نہیں کر سکتا"۔

آغا حسن عابدیؔ نے اس پراجیکٹ کے علاوہ پاکستان میں اور بھی منصوبوں کے لیے کثیر رقوم سے امداد کی ہے۔

Marfat.com

iii- ارشد پرویز صاحب

ارشد پرویز صاحب عرصہ دراز سے کینیڈا میں مقیم تھے۔ ان کو بھی کہوٹہ کے سلسلے میں کافی خدمات سرانجام دینے کے مواقع ملے جن پر صحیح معنوں میں انھوں نے ملک وقوم کی خدمات انجام دیں اور ان خدمات کے صلے میں ان کو کینیڈا میں پابند سلاسل بھی ہونا پڑا۔ جس کو انھوں نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ مگر ملک کے نام پر حرف نہیں آنے دیا۔

انھوں نے امریکی حکومت کے جاری کردہ قانونی لائسنس پر 25 ٹن مخصوص فولاد امریکہ سے باہر بھیجنا چاہا تھا۔ مگر اس خدشے کے تحت کہ یہ مال صرف کہوٹہ پراجیکٹ کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ اسے گرفتار کر کے جیل میں بھیج دیا گیا اور جولائی 1987ء میں اسے 25 سال قید سنائی گئی مگر بعد ازاں سزا میں کمی کر دی گئی اور رہائی کے بعد ارشد پرویز نے 50 کروڑ روپے کا ہرجانہ ادا کیا جسے عدالت نے تسلیم کرتے ہوئے تمام مقدمات سے باعزت بری کر دیا۔

iv- بریگیڈئیر انعام الحق

امریکی عدالت نے ارشد پرویز کے ساتھ بریگیڈئیر انعام الحق کی گرفتاری کے وارنٹ بھی جاری کر دیے وہ ملٹی نیشنل لمیٹڈ نامی کمپنی کے سربراہ تھے۔ بریگیڈئیر انعام الحق نے یہ کمپنی 1982ء میں لاہور میں قائم کی تھی۔ اور وہ ریلوے کے لیے سٹیل درآمد کیا کرتے تھے۔ مگر امریکی حکام کے مطابق بریگیڈئیر انعام الحق اعلیٰ قسم کا سٹیل کہوٹہ کے لیے پاکستان بھجواتے تھے ان کو اس وجہ سے عدالت کی طرف سے کافی بھاری پریشانیوں کا سامنا رہا۔ مگر انھوں نے مرد مجاہد کی طرح ہر قسم کی پریشانی کو برداشت تو کیا مگر اپنے مادر وطن کے وقار پر آنچ نہیں آنے دی بلکہ جیسے اُن کو ایسی معمول پریشانیوں کی کوئی پرواہ بھی نہیں تھی۔

Marfat.com

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے کہوٹہ کے پراجیکٹ کو مکمل کرنے کے لیے ذاتی کاموں کے تحت بہت سے لوگوں کو فعال اور متحرک کر دیا تھا۔ بیرون ممالک میں ایسے محب وطن جناب ڈاکٹر عبدالقدیر کے وہ مہلک ہتھیار تھے۔ جن کی مدد سے انھوں نے اپنے نشان پر جب بھی فائر کیا وہ بہت کامیاب رہے۔ ان کی یہ سرگرمیاں امریکی اور یورپی ایجنسیوں کے علم میں تھیں۔ اس دوران یورپ کے مختلف ممالک میں کئی ایسے غیر پاکستانی تاجروں کو بھی گرفتار کیا گیا جو ایٹمی پراجیکٹ میں استعمال ہونے والے ممکنہ پرزے درآمد کر رہے تھے یا وہ براہ راست یا بالواسطہ ایسے کام سے متعلق تھے۔

Marfat.com

President of Pakistan, Mr. Ghulam Ishaq Khan a warding Hilal-e-Imtiaz to Dr. A.Q.Khan of March 23, 1990.

Marfat.com

باب نمبر: 19

کامیابی کا سہرا

ڈاکٹر عبدالقدیر کی محنت جو کہ انھوں نے اس پراجیکٹ پر کی ان کا اندازہ اس کے ایک ساتھی کے بیان سے لگایا جا سکتا ہے وہ کہتا ہے کہ:۔

"پراجیکٹ کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے پورا پورا دن کام کیا۔ اُس نے سب سے پہلے منصوبے کو منظم کیا۔ بیرون ممالک سے سامان آلات درآمد کیے اور مزید مقامی طور پر بنائے"۔

جن اداروں نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی پراجیکٹ کی تکمیل میں بڑی مدد کی ان میں درج ذیل بڑے اہم ہیں:۔

- i- پاکستان آرڈیننس فیکٹری
- ii- پاکستان مشین ٹول فیکٹری۔
- iii- ہیوی مکینیکل کمپلیکس
- iv- ہیوی۔ ری بلڈ فیکٹری۔
- v- پاکستان انڈسٹریل اینڈ ٹکنیکل سنٹر لاہور
- vi- 502 سنٹرل ورکشاپ

اور اس طرح چند دیگر سرکاری اداروں اور نیم سرکاری اداروں نے تعاون کیا۔

ان حالات میں انھوں نے کلی طور پر اُن پر انحصار نہیں کیا بلکہ صرف ایک ہی کام ایک سے لیا۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر عبدالقدیر نے وہ طریقے اختیار کیے جس کو وہ سراخی حملہ کہتے ہیں۔

Marfat.com

تاکہ اگر ان میں سے کوئی ایک اپنے کام میں ناکام بھی ہو جائے تو ان کو کسی قسم کا نقصان نہ برداشت کرنا پڑے۔ اداروں کا مقصد یہ تھا کہ جو بھی کام ان اداروں کو کرنے کے لیے دیا گیا۔ اُن سے انھوں نے انکار نہیں کیا بلکہ انھوں نے محنت اور لگن سے کام مکمل کیا اور جو کچھ انھوں نے تیار کر دیا اس کو بغیر کسی حیل و حجت کے قبول کر لیا چونکہ پراجیکٹ بڑا ہی پیچیدہ اور جدید طرز کا تھا سینٹری فیوج میں گرانقدر سامان/ آلات استعمال ہوتے تھے جو کہ پاکستانی تھے۔ بلکہ خام مال، یعنی سٹیل اور الموینیم وغیرہ درآمد شدہ تھے اور ان کی ٹیکنالوجی/ طریقہ جو کہ استعمال کیا گیا تھا وہ بھی ایجاد کردہ تھا۔

بہرحال حساس اور پیچیدہ مشینری درآمد کی گئی تھی اس مشینری کو پاکستانی ماہرین نے ہی لگایا اور اس کو استعمال بھی کیا۔ ان میں سے اکثر سامان جو کہ کام کرنے کے لیے ضروری تھا جس میں انوائرز، فلو کنٹرول والوز اور ویکوم والوز وغیرہ شامل ہیں وہ شروع میں ہی بیرون ممالک سے درآمد کیے گئے تھے۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کو مقامی طور پر تیار کیا گیا تھا۔

مقامی معلومات کے مطابق:۔

"سنٹری فیوج پلانٹ 1981ء میں مکمل ہو گیا تھا اس کے بعد چند مشکلات درپیش رہیں بہرحال پلانٹ 1981ء میں مکمل ہو چکا تھا۔ 1984ء سے یورینیم افرودگی (3.5٪) تیار کیا جا رہا تھا اور لیبارٹری تجربات بھی 1978ء میں کامیاب ہو چکے تھے۔ جہاں تک Lay out پلانٹ کے آلات اور کام کا تعلق ہے تو اس پلانٹ کو دنیا میں بہترین پلانٹ کا نام دیا جا سکتا ہے اور اس کامیابی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ڈاکٹر عبدالقدیر کی ٹیم نے بڑی محنت و جانفشانی لگن اور ولولے کے ساتھ کام کیا اور ان میں سب سے زیادہ کردار خود ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے ادا کیا جس نے تمام ٹیم کے ممبران کو فعال رکھا اور وقت پہ ان کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ وہ بذات خود 2 بجے تک مصروف رہتے تھے وہ بذات خود اعلیٰ کارکردگی کے مالک میٹالوجسٹ

Marfat.com

(Metallurgist) اور نیوکلیر سائنسدان ہیں انہوں نے اپنے رفقائے کار کو کام کے سلسلے میں پوری آزادی دے رکھی تھی بجائے اس کے کہ ان کو ہر معاملے میں Dictate کیا جاتا۔ کبھی کسی ٹیم ممبر کی رائے کے ساتھ اختلاف نہیں کیا اگرچہ کسی کی رائے غلط بھی ہوتی تھی مگر ان کو صحیح طور پر عمل کرنے کے لیے بحث کے ذریعے قائل کر لیتے۔

اگر کوئی آلہ/عنصر کام کرنے میں کوئی مشکل پیدا کر رہا تھا اور ڈاکٹر ایک ایسے طریقے کو زیر استعمال لانا چاہتا تھا جو کہ مناسب نہیں تھا یا وہ طریقہ کلی طور پر غلط اور نقصان دہ تھا تو ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے اس کو آزمانے کی اجازت دے دی تاکہ وہ اپنے ذہن کے مطابق اس پر تجربہ کر لے تاکہ اس کو تسلی حاصل ہو جائے جب اس طریقے نے درست کام نہیں کیا تو پھر ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے اس کو مناسب طریقے کی طرف رہنمائی کی۔

ii- اس کے علاوہ کامیابی کی دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ پراجیکٹ کے شروع میں ہی ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے پاکستان آرمی کے ریٹائرڈ افسران جن میں نان کمیشنڈ افراد بھی شامل تھے کو منتخب کیا پلانٹ کے نظم و ضبط کے لیے اور پراجیکٹ کے تحفظ خاطر کی۔ اس طرح اس نے ایک قابل اور لائق آدمیوں کی کمی کو پورا کر لیا جس کی وجہ سے پراجیکٹ پوری رفتار کے ساتھ رواں دواں رہا اور کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

ڈاکٹر عبدالقدیر نے جب اپنے ساتھی مسٹر بدرالسلام کو بلایا جب کہ وہ کویت میں ایک منافع بخش کام میں مصروف تھے اور اُس کو انھوں نے چھوڑ دیا تو انھوں نے کہا کہ:۔ تسلی بخش کام میں کوئی بھی تنظیم KRL سے بہتر ہے کام کی نوعیت کے اعتبار سے۔ وہاں غیر ملکی وسائل بھی میسر تھے مگر وہاں کام کرنے میں تسلی نہیں حاصل ہوتی تھی۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی شخصیت میں نمایاں فرق یہ ہے کہ اُس نے ہمارے لیے سہولیات اور عزت و وقار کا بھی خیال رکھا۔ مگر اس نے حکومت سے اپنے لیے کسی قسم کی رعایت عزت یا وقار کا کبھی مطالبہ نہیں کیا جو کہ عام لوگوں کے خیال میں ہوتا ہے۔

Marfat.com

باب نمبر :20

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی حسن کارکردگی

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو کسی خاص مقصد کے لیے پیدا کر رکھا ہے اور بعض افراد کو تو اس (خالق) نے قوم و ملک کی سلامتی اور بقا کے لیے پیدا کیا ہوتا ہے۔ تو ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو اللہ تعالیٰ نے اس مملکت خداداد کی سلامتی اور بقا کی خاطر اس دارفانی میں پیدا کیا تھا اور انھوں نے وہ کام حسن کارکردگی سے پورا کر کے قوم کو دکھا دیا مثال کے طور پر وہ بالکل لالچی اور رعایت حاصل کرنے والے فرد نہ تھے کیونکہ:۔

انہوں نے اپنی رہائش کے لیے کھلی مارکیٹ سے زمین خریدی۔ حالانکہ وہ اپنے ذاتی مکان کے لیے سرکاری طور پر مفت / رعائیتی نرخوں پر بھی حاصل کر سکتے تھے جس طرح آج کل ہمارے ملک کے افسران کی خواہش ہوتی ہے مگر انہوں نے نہ کبھی ایسی توقع وابستہ کی اور نہ ہی کبھی کوشش کی بلکہ وہ ایک لگن اور جذبے کے ساتھ قوم کی خدمت میں شب و روز مصروف تھے۔

اگر کہوٹہ کے پراجیکٹ پر اخراجات کا اندازہ لگایا جائے اور اس کے مقابلے میں کھاد پلانٹ یا سیمنٹ پلانٹ کے اخراجات کا اندازہ لگایا جائے تو ہر ذی شعور فرد کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں صرف کرسی نشین انجینئر یا سائنسدان نہیں ہیں۔ وہ کل

Marfat.com

ت کا 15٪ وقت اپنے دفتر میں صرف کرتے تھے اور بقایا وقت وہ اپنے رفقائے کار
ے ساتھ اُن کے ساتھ ان کی ورکشاپس میں گزارتے تھے۔ وہ وہاں ان کے مسائل
نتے تھے۔ اُن سے تجاویز حاصل کرتے اور ان کی راہنمائی کرتے تھے اور اُن کے فنی
ہرین اُن کو اپنے درمیان پا کر بہت خوشی محسوس کرتے تھے۔ اُن کی وہ حوصلہ افزائی
کرتے اور اُن کے ساتھ روزانہ بارہ گھنٹے کام کرتے تھے۔ اُن کے سوا پاکستان میں ایسی
کسی کی مثال نہیں دی جا سکتی۔

ان کے جذبات مثالی اور پسندیدہ ہیں اُن انجینئرز اور سائنسدانوں کے لیے جو
کہ مختلف اداروں میں کام کر رہے ہیں کیونکہ ان کی عاجزانہ اور مخلصانہ کوششوں کی وجہ
سے ہی ملک میں جو ناممکن تھا اور اس کو کبھی ہاتھ نہ لگایا گیا تھا اس کو ملک وقوم کے لیے
ممکن بنا کر دکھا دیا۔ ان کے بارے میں سادگی سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ:۔

''میں پاکستان کے ان خوش نصیب سائنسدانوں، محبّ وطن، محنتی اور
جانثاروں کی ٹیم کا ممبر ہوں۔ میں ان کے ساتھ کام کر کے خوش تھا
اور اپنے مادر وطن کی خدمت کر کے خوشی محسوس کرتا ہوں۔ یا

یکم اگست 1981ء کو ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے ایک مرتبہ ڈان کراچی میں اپنے
مضمون میں اظہار کیا کہ:۔

کسی بھی بڑے منصوبے میں اپنے آپ کو ڈالنے کے لیے بڑا کٹھن مرحلہ ہوتا
ہے اور کامیابی اس وقت حاصل نہیں ہوتی جب تک وہ جان قربان نہیں کر دیتا مگر یہ تمام
چیزیں اُس کا راستہ نہیں روک سکتیں اگر وہ اپنے کام سے مخلص اور سنجیدہ ہو تو میں اور
میرے ساتھی کام سے سنجیدہ تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور اپنی ان تھک
کوششوں کی بدولت ہم نے کامیابی کو حاصل کر لیا اور ہم سب خوش نصیب ہیں کہ ہم
نے اپنی زندگی میں ہی کامیابی کو دیکھ لیا۔

Marfat.com

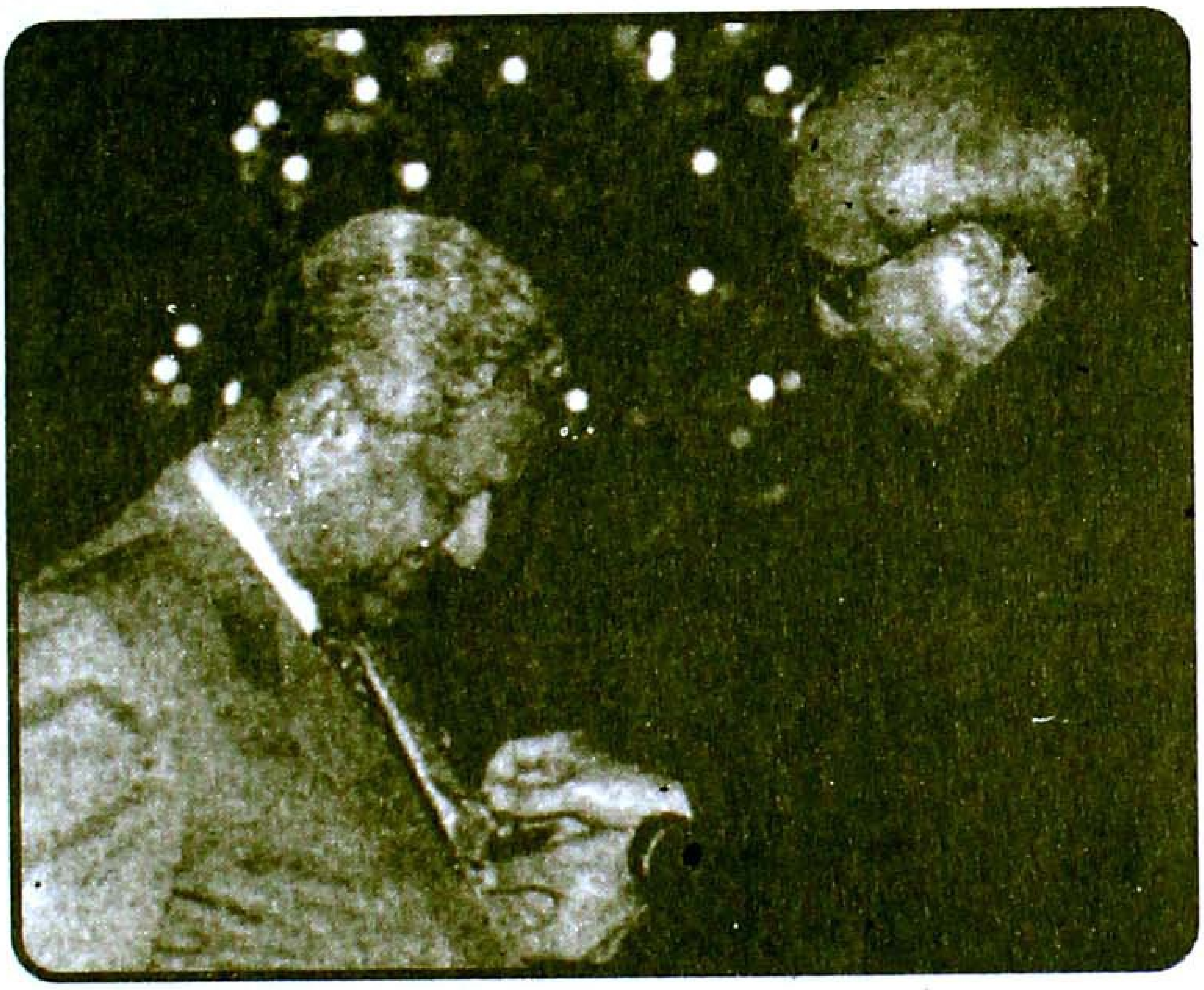

صدر فاروق لغاری ڈاکٹر خان کو نشان امتیاز دے رہے ہیں (25 مارچ 1997ء)
ڈاکٹر عبدالقدیر خان پاکستان کی واحد شخصیت ہیں جنہیں نشان امتیاز دوبار دیا گیا

Marfat.com

باب نمبر: 21

جنرل ضیا الحق کا کردار

(کہوٹہ پراجیکٹ کی نظر میں)

Marfat.com

جنرل ضیاء الحق کی تصویر

Marfat.com

جنرل صدر ضیا الحق پاکستان کے فوجی جرنیلوں میں سے بڑے نیک اور شریف انسان مشہور تھے۔ مگر ہر انسان کو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی جان و پہچان سکتی ہے جس نے اس کے اندر وہ خوبیاں پیدا کر رکھی ہیں۔ ہر انسان دوسرے انسان کے بارے میں محض اس کے ظاہری اعمال و افعال کی رو سے اپنے خیالات و ذہانت کے مطابق محض حقائق کی رو سے نتائج اخذ کر سکتا ہے۔ جنرل ضیا الحق کے بارے میں کہوٹہ کے منصوبے یا کام کرنے والوں کے تاثرات کچھ یوں بیان کیے جاتے ہیں کہ:۔

i- جنرل ضیا الحق روز ازل سے ہی امریکہ کا پٹھو بن کر آیا اور تادم مرگ اسی لائن پر کام کرتا رہا۔ کیونکہ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اُس کو امریکہ نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو تختہ دار پر لٹکانے کے لیے پاکستان کا اقتدار دلایا تھا اور پھر سی آئی اے نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے بعد ایک طرف انھیں روس کے خلاف استعمال کیا تو دوسری طرف ان کے ذریعے پاکستان میں جمہوریت کا گلا گھونٹا۔

جنرل ضیا الحق کے بارے میں یہ بھی سنا گیا تھا کہ انھوں نے ذوالفقار علی بھٹو کے شروع کردہ عظیم اور قومی پراجیکٹ کہوٹہ پر عتاب نازل کیا اور اس نے ایٹمی پروگرام کو امریکہ کے اشارے پر بند کر دیا۔ جس وقت امریکہ اور فرانس کہوٹہ کی فلمیں بنانے میں سرگرم عمل تھے تو ایک ایسا واقعہ بھی پیش آیا کہ جس نے بعد میں پاکستان کے لیے بے پناہ مسائل کا جال بچھا دیا۔ ہمارے حساس ادارے نے ایک امریکی جاسوس سے بڑی تگ و دو کے بعد کہوٹہ کی فلمیں حاصل کر لی تھیں جن کو وہ اپنے ملک امریکہ لے جانا چاہتا تھا اور ان کو تشہیر کا باعث بنانا چاہتا تھا۔ مگر جنرل ضیا الحق کے حکم پر CIA ان فلموں کو اسی حالت میں بطور تحفہ امریکی جاسوس کو واپس کرنے پر مجبور ہو گئی جو کہ پاکستانی قوم کے لیے ذلت سے کم نہ تھا۔

جنرل ضیا الحق اپنی تقریر شروع کرنے سے قبل درود شریف کا ورد کرتے جس

Marfat.com

سے سننے والے ان کی بھیانک چالوں کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے تھے اور پاکستانی سادہ لوح ان کے عربی کے چند حروف کے ورد کرنے سے اس کے بارے میں سب کچھ بھلا دیتے تھے، مگر اس شخص کا یہ کردار دو عملی کا بین ثبوت تھا۔ اُس امریکی جاسوس سے اِن فلموں کو حاصل کرنے کے بعد اپنی کتاب میں بریگیڈیئر ترمذی نے یوں لکھا ہے:۔

''امریکہ ہمارے ایٹمی پروگرام کی تفصیلات معلوم کرنے کے لیے ہر طرح کے ذرائع تلاش کرتا پھرتا تھا۔ اپنی معمول کی ڈیوٹی کے دوران میں ایک ایسے نوجوان کو جو کہ پاکستانی بھی تھا کے بارے میں علم ہوا کہ جس نے کہوٹہ کی تصاویر بنائی ہیں۔ یہ نوجوان کسی امریکی یورنیورسٹی میں ریسرچ سکالر تھا۔ تو اس نوجوان کے بارے میں تحقیق کرنے سے علم ہوا کہ اس کے پروفیسر نے اُسے کہوٹہ اور نواحی دیہات اور علاقے کی تصاویر بنا کر لانے کے لیے کہا تھا۔ یہ اس کے تحقیقاتی مقالے کا موضوع تھا''۔

Marfat.com

ii- ''دیہات کی سماجی زندگی''

ہم نے اس نوجوان کو مشورہ دیا کہ وہ اسلام آباد کے اردگرد میں کسی ملتے جلتے علاقے کی تصویر اتار کر لے جائے اور اپنے پروفیسر استاد کو یہ کہے کہ یہ تصاویر کہوٹہ کی ہیں۔ اس پاکستانی نوجوان نے ہمارے مشورے پر عمل کیا مگر جب ہم نے اس کے پروفیسر کے اُس مشورے اور خواہشوں کی اصلیت سے واقفیت حاصل کی تو وہ بے حد نروس اور پریشان ہوا۔

اس طرح کی متعدد ناکامیوں کے بعد امریکیوں نے کہوٹہ کی تصاویر کے لیے CiA کے ماہرین کو پاکستان بھی بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ جن کے بارے میں ایک دن جنرل نقوی نے مجھے یوں آگاہ کیا کہ:۔

''ایک امریکی سیاح کہوٹہ اور اس کے اردگرد کے علاقے کی مووی اورسٹل کیمروں سے تصاویر بناتے دیکھا گیا ہے''۔

کہوٹہ کی سیکورٹی نے اسے پکڑنے کی کوشش کی مگر وہ ان سے فریب دے کر نکل گیا۔ کہوٹہ سیکورٹی سٹاف نے اس کا تعاقب کیا اور سٹاف نے راولپنڈی کے نیشل ہوٹل تک تحقیقات کیں مگر وہ اسے قابو کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ مگر یہ ضروری تھا کہ اُس کو ان تصاویر کو لے نہیں جانا چاہیے۔ جس سے بہت سے دیگر اثرات مرتب ہو سکتے تھے ایسا ہر مشن خفیہ اداروں کے لیے ایک چیلنج سے کم نہیں ہوتا کیونکہ اصل مقصد کا کوئی علم نہیں تھا۔ تو ہماری ٹیم پوری طور پر فعال ہوگئی اور اس معاملے کے پیچھے لگ گئی۔

Marfat.com

اس تحقیقات کے سلسلے میں ٹیم نے ہوٹل کے سارے ریکارڈ کی پڑتال کی تو معلوم ہوا کہ:۔

"اس شخص کا نام تو ہوٹل کے مہمانوں کے رجسٹر میں موجود تھا مگر وہ ہوٹل چھوڑ کر جا چکا تھا۔ اَب اُس کو تلاش کرنا ایک بڑا ہی مشکل اور کٹھن کام تھا۔ مگر ہم نے اپنی ہمت اور کوششوں کو بروئے کار لا کر اس کا پیچھا کیا جس کی تفصیل آئندہ اوراق میں درج کی جا رہی ہے"۔

Marfat.com

iii- جنزل ضیا الحق کا بھیانک کردار

ہم نے مایوسی کو قریب نہیں آنے دیا بلکہ اپنے حواس کو قائم رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے مدد چاہی تو اللہ تعالیٰ نے ہماری مدد یوں فرمائی کہ:۔

> ''ہوٹل کی انتظامیہ نے ہمیں اس شخص کے حلیے کے بارے میں بھی معلومات بہم پہنچائیں اور اس شخص کی کار کا نمبر بھی دے دیا جو اس کو امریکی سفارت خانے سے لینے کے لیے آئی تھی۔ اس سلسلے میں ویٹر اور بیل بوائے (Bell Boy) نے اپنی یادداشت پر زور دیتے ہوئے بتایا اور ہم نے کار کا نمبر لیتے ہی اس کی تلاش کے انتظامات کو حرکت دے دی اور ایک دو گھنٹے کی محنت اور تلاش کے بعد معلوم ہو گیا کہ وہ کار اٹک پل پار کر رہی ہے اور پشاور کی طرف جا رہی ہے تو ہم نے اپنی پشاور کی ٹیم کو بھی خبر دار کر لیا اور ہوٹل کے دونوں لڑکوں کو حتمی شناخت کے لیے پشاور بھیج دیا تاکہ وہ اس شخص کو پہچان سکیں۔

اس گاڑی میں دو امریکی سوار تھے اور وہ پہلے پشاور میں اپنے افغان ایجنٹوں کے پاس گئے جن میں افغان مہاجرین کے کیمپوں میں قائم مراکز صحت میں کام کرنے والے کارندے بھی شامل تھے۔ ان لوگوں کے ساتھ انھوں نے طویل ملاقاتیں کیں اور وہ رات گئے واپس پشاور ہوٹل میں آ کر ٹھہرے اور ان کے لیے دانستہ طور پر دو کمرے

Marfat.com

خصوصی طور پر تیار کروائے گئے تھے اور وہ اُن کمروں میں خاموشی سے صبح کاذب تک اپنی رپورٹس تیار کرتے رہے مگر ہم اُن پر صرف تماشا بین ہی بنے رہے اگلی صبح انھوں نے سفارتی تھیلے میں جانے والی ڈاک کے لیے سفارتی رپورٹوں پر مبنی لفافے تیار کیے اور ہمیں اس بات کا تو یقین تھا کہ کہوٹہ کی تصاویر پر مبنی فلمیں وغیرہ بھی اس سفارتی تھیلے میں ہی بھجوائی جا رہی ہیں مگر اُن کا حاصل کرنا ہمارے بس کی بات نہیں تھیں۔ ہم اپنی سب محنت کو ضائع ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

صبح ہوتے ہی انھوں نے یہ پیکٹ پشاور میں امریکی قونصلیٹ کے عملے کے حوالے کر دیا اور دوبارہ افغان مہاجرین کے کیمپوں کی جانب چلے گئے۔ یہ صورت حال ہمارے نوجوانوں کے لیے اچھی خاصی پریشانی کا باعث بنی۔ اس امید کے سہارے انھوں نے سارے کمروں کی تلاشی لینی شروع کر دی اُن کے بکسوں سے 8 ایم ایم کی مووی ٹیپ کے دو سپول اور کیمرے کی آٹھ سیل بند شدہ فلمیں برآمد ہوئیں۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہی تھا کہ امریکیوں نے یہ فلمیں سفارتی تھیلوں کی بجائے بذات خود لے جانے کا فیصلہ کیا تھا تاکہ راستے میں کہیں ضائع نہ ہو جائیں یا اُن کو کوئی چرا نہ لے وغیرہ۔ ظاہراً یہ فیصلہ بہت ہی عمدہ تھا۔ تو اس طرح اُن کے سامان کی تلاشی لینے سے وہ مطلوبہ فلمیں ہمارے ہاتھ میں آ گئیں جو کہ ہمارا بڑا مقصد تھا اور وہ فلمیں لا کر اگلی صبح دس بجے ہمارے نوجوانوں نے میری میز پر رکھ دیں اور میں نے اُن کے بارے میں جنرل ضیا الحق اور جنرل نقوی صاحب کو بھی آگاہ کر دیا۔

اور مشن کے کامیاب ہونے پر سب کو مبارک باد بھی دی۔ مگر جنرل نقوی صاحب پہلے ہی صدر ضیاء الحق کو آگاہ کر چکے تھے کہ ایک امریکی نے کہوٹہ پراجیکٹ کی فلم بندی کی ہے اور ہم نے اُن کو خوشی کے عالم میں اطلاع دی کہ ہم نے وہ کہوٹہ کی فلمیں حاصل کر لی ہیں۔ تاہم یہ ابھی فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ یہی ساری مطلوبہ فلمیں تھیں

Marfat.com

یا کچھ وہ ساتھ لے گئے تھے یا ہم نے مطلوبہ فلموں کے علاوہ اور فلمیں لے آئے ہیں؟

میں ان فلموں کو ذاتی طور پر بھی دیکھنے کے لیے پریشان تھا اور میری اپنی خواہش تھی کہ ان فلموں کو میں اپنی لیبارٹری میں دھلواؤں مگر ڈائریکٹر جنرل نے مجھے ہدایت دی کہ میں انھیں جنرل نقوی کے حوالے کر دوں تو میں نے جنرل نقوی سے رابطہ کیا تو وہ صدر ضیا الحق سے ملنے گئے ہوئے تھے شائد وہ یہی بتانے گئے ہوں کہ آئی ایس آئی کے عملے نے کہوٹہ کی فلمیں امریکی آدمیوں سے لے لی ہیں جو کہ بڑی خوشی کی بات ہے اور سہ پہر کے وقت ڈائریکٹر جنرل نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا اور پوچھا کہ:۔

"وہ فلمیں کہاں ہیں تم جن کا تذکرہ کر رہے تھے"۔

مَیں نے جواب دیا کہ:۔

"وہ میرے پاس ہیں"۔

ڈائریکٹر جنرل نے کہا کہ:۔

"ان فلموں کو یہاں لے آیئے اور میں نے وہ ساری فلمیں ڈائریکٹر جنرل کے میز پر رکھ دیں"۔

جنرل نقوی صاحب نے کہا کہ:۔

"ہمیں یہ فلمیں امریکیوں کو واپس کرنی ہیں۔ یہ صدر ضیا الحق کا حکم ہے"۔

ان کا یہ جواب سن کر مجھے بڑی پریشانی لاحق ہوئی کہ جس مشن کو ہم نے اتنی محنت اور مشکل سے بھاگ دوڑ کر کے مکمل کیا تھا اس کے بارے میں صدر پاکستان کا یہ خیال ہوگا یہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

ان حالات میں میں نے شکستہ دل ہو کر کہا کہ:۔

"سر! کم از کم ان فلموں کو روشنی تو دکھا دیں تاکہ ان پر ہماری ایٹمی

Marfat.com

تنصیبات کا عکس باقی نہ رہے"۔

مگر ڈائریکٹر جنرل صاحب کچھ بھی کرنے کے موڈ میں نہ تھے۔ انھوں نے افسرانہ لہجے میں کہا کہ:۔

"صرف وہ کرو جو صدر صاحب نے حکم دیا ہے وہ بہتر جانتے ہیں"۔

صدر کی اس اندھی تقلید کے حکم کو سُن کر میرے دل مین منفی جذبات نے جنم لیا۔ مگر میں بطور ایک سرکاری ملازم کے بے بس اور مجبور تھا اور وہ فلمیں صدر ضیا الحق کے حکم کے مطابق امریکی سفارت خانے کو واپس کر دی گئیں تھیں۔ اور اس کام پر مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ کئی روز تک ذہنی کرب و الم میں مبتلا رہا اور اعلیٰ حکام کے مایوس کن کردار کے بارے میں ذہن میں خیالات اور پریشان رہا اور میرے دریافت کرنے پر جنرل نقوی نے مجھے بتایا کہ:۔

"تم جانتے ہو کہ میں صدر کو پہلے ہی اطلاع دے چکا ہوں کہ ایک امریکی نے کہوٹہ اور اس کے ارد گرد کے علاقے کی عکس بندی کی ہے پھر امریکی سفیر نے صدر سے شکایت کی کہ کسی سیکورٹی ایجنسی کے فرد نے پشاور کے ایک ہوٹل میں ایک امریکی سیاح کے کمرے کی تلاشی لے کر اس کے سوٹ کیس سے پاکستان کے قدرتی مناظر کی تصاویر پر مشتمل کچھ فلمیں چرا لی ہیں۔ ان فلموں میں محض پوٹھوہار کی دیہاتی زندگی کے مناظر ہیں اس کے علاوہ ان کی خاص کوئی اہمیت نہیں ہے۔ میں نے جب صدر پاکستان کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو انھیں یہ بھی بتایا تھا کہ وہ فلمیں حاصل کر لی گئی ہیں اور آئی ایس آئی نے میرے کہنے پر سب کچھ کیا ہے تاہم صدر نے میری ایک بھی نہ سنی اور ان فلموں کو واپس کر دیا۔ حکم حاکم مرگ

Marfat.com

مفاجات"۔

اس واقعہ سے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں کہ امریکی پروگرام کے بارے میں کس جنون میں مبتلا تھے؟ تاہم صدر ضیا الحق کی ذاتی مداخلت پر (CIA) سی آئی اے کے کارندے تصاویریں لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔

امریکی سفیر نے یقینی طور پر فلموں کی واپسی کے لیے صدر ضیا الحق کی منت سماجت کی ہو گی مگر صدر ضیا الحق نے ہماری کارکردگی کو بالا طاق رکھ کر تعریف کرنے کی بجائے امریکی سفیر کی منت سماجت کو مدنظر رکھ کر اُن کو تصاویر واپس کر دیں مگر اس ذمہ دار سربراہ مملکت نے اس حقیقت کو یکسر طور پر نظر انداز کر دیا کہ ان تصاویر سے امریکہ کیا مقاصد حاصل کرے گا؟

ii- اُن سے ہمارے ملک کو نقصان تو نہیں ہو گا؟ اس اہم پراجیکٹ کی تصاویر امریکیوں نے کیوں حاصل کی ہیں؟

ان تمام سوالات کے جوابات ذمہ دار افراد کو پہلے سوچنے چاہیے تھے مگر کسی نے بھی ان کا خیال نہ کیا اور اپنے جوانوں کی محنت و کوششوں پر پانی پھیر کر تصاویر واپس کر دی گئیں۔ جن کا جواب کوئی حاضر سروس ملازم دینے سے قاصر ہو گا۔

اس تمام کارروائی سے ایک ذمہ دار فرد کے کردار کا خول عکس ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کا اوپر سے کیسا حلیہ تھا اور اندر سے قومی مفادات کے تحفظ کے بارے میں کیا خیالات رکھتا تھا؟

Marfat.com

باب نمبر: 22

کہوٹہ منصوبہ کی عالمی تشہیر

جب امریکیوں نے کہوٹہ کی تصاویر کو صدر ضیا الحق سے حاصل کر لیا تو اس سے ظاہر ہے کہ انھوں نے پراجیکٹ کے بارے میں معلومات حاصل کر لیں اور وہ دشمن مغربی ممالک اپنے اخبارات و رسائل اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر اسلام دشمن عالمی قوتیں اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ میدان میں کود پڑیں۔ ہالینڈ میں اسرائیل کے وزیر اعظم بیگن نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے خلاف بے بنیاد مقدمہ کھڑا کر دیا جو ڈچ سیکنڈل کے نام سے مشہور ہوا اور اس کے ساتھ ہی امریکہ' برطانیہ اور کینیڈا وغیرہ نے اپنی برآمدات کے قانون سخت کر دیے اور جو کچھ سہولیات ترقی پذیر ممالک کو پہلے حاصل تھیں وہ بھی واپس کر دی گئیں جس کا بڑا مقصد یہ تھا کہ پاکستان کو ہر طریقے سے تنگ کیا جائے اور کہوٹہ کے پراجیکٹ کے کام سے باز رکھا جائے مبادا کہ یہ ملک ایٹمی توانائی حاصل کرنے کے قابل بن جائے؟ اور ہماری غلامی سے نجات حاصل کر لے؟

ii- امریکہ نے سوئٹزرلینڈ حکومت' سویڈن' برطانیہ' ہالینڈ' بلجیم' جرمنی اور دوسرے ممالک کو سخت احکامات جاری کیے جن میں واضح کہا گیا کہ پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہونے کے ساتھ ساتھ ایٹمی قوت بن رہا ہے اس کے بعد وہ یہ ٹیکنالوجی دوسرے ممالک کو بھی برآمد کرے گا جس سے دنیا میں ایٹمی ٹیکنالوجی کی دوڑ شروع ہو جائے گی۔ جس کی وجہ سے یورپی ممالک کو اب پہلے سے دوگنی طاقت اپنے تحفظ کے لیے ضروری ہوگی جس پر بے بہا اخراجات اٹھیں گے۔

iii- صدر ضیا الحق نے جب مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹا تو سردست

Marfat.com

اس نے اس پروجیکٹ کو جاری رکھنے کا حکم دیا اور اس کے ساتھ وسائل بھی مہیا ہوتے رہے۔ شاید اس وقت تک امریکہ نے صدر ضیاء الحق کو ہدایات نہیں دی ہوں گی؟ امریکہ نے جنرل ضیا الحق کو خوش رکھنے کے لیے اسلحہ کی پیش کش کی مگر حالات کے مطابق صدر پاکستان نے امریکہ کے ساتھ اتفاق نہ کیا تو ردعمل کے طور پر امریکہ نے درج ذیل اقدامات کیے:۔

امریکہ پاکستان سے ناراض ہو گیا اور اس نے پاکستان کی اقتصادی امداد بند کر دی۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے خلاف منفی پراپیگنڈا شروع ہو گیا مغربی طاقتوں نے انھیں بدمعاش، جھوٹا، چور اور جاسوس قرار دے دیا دنیا میں تذلیل کرنے کا کام شروع کر دیا۔ جن کا سب سے بڑا مقصد ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو اخلاقی اور سماجی اعتبار سے کمزور کرنا مقصود تھا۔ مگر ڈاکٹر عبدالقدیر خاں بھی قومی ذہن اور اعضا کے مالک فرد تھے انھوں نے اپنے حواس کو قائم رکھتے ہوئے جرمن روزنامہ ''دیر سپیگل'' کو ایک بڑا تلخ خط لکھا:۔

''مغربی صحافی ترقی پذیر ممالک کے بارے میں جھوٹی، مکارانہ اور گمراہ کن بریں جاری کرنے میں فخر محسوس کر رہے ہیں اور اِس وقت تو اُن کی خباثت میں اور ھی تیزی سے کام ہو رہا ہے جب وہ کسی مسلم ملک کے بارے میں لکھ رہے ہوتے یں۔ میں ان واہیات خود پسند امریکیوں اور برطانیوں کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا وہ خدائی فوجدار ہیں؟ جنھوں نے خود تو لاکھوں جوہری بم تیار کر رکھے ہیں نھوں نے اس حوالے سے اپنے ایک مضمون میں امریکہ اور یورپ کی منافقت کا پردہ یوں چاک کیا تاکہ ان کو بھی اپنی کرتوتوں کا علم ہو۔

''ہمارے خلاف تو بے بنیاد اور متعصبانہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا گیا ہے لیکن مغربی ممالک جس طرح ہمارے ہاتھ پر ہر چیز فروخت کرنے کے لیے تیار رہتے تھے، اس کا تو ذکر نہیں کیا جاتا مگر جب ہم نے برطانیہ کی فرم ایمرسن سے انورٹر خریدے اور اُن کی کارکردگی ہماری توقعات سے بہت کم نکلی تو ہم نے ایمرسن سے اُس کو بہتر بنانے

Marfat.com

کی درخواست کی یا اُن میں چند تبدیلیاں مثبت پہلو میں لائی جائیں۔ مگر بعد میں ان خفیہ فرمی باتوں کو اخبارات میں افشاں کر دیا گیا جو کہ غلط بات تھی۔

بی بی سی کی بدنام زمانہ فلم پراجیکٹ 706 (اسلامی بم) سے پتہ چلا کہ ہم نے جن تبدیلیوں کے بارے میں لکھا تھا ان کو ظاہر کر دیا گیا ہے اس موقع پر بہت سے خطوط اور ٹیلیکس بھی ملے اور لوگ اس خبر کو پاتے ہی ہمارے پیچھے پڑ گئے۔ جو انھوں نے المیلو او کے پن پرسٹ' وغیرہ کو فروخت کیے تھے۔

اصل مغربی ممالک کی چالوں اور منافقت کا یوں علم ہوتا ہے کہ پہلے تو وہ ہاتھ جوڑ کر منتیں کرتے ہیں کہ اُن سے مال خرید لیا جائے مگر جب کوئی ترقی پذیر ملک سامان خرید لیتا ہے اور اس سامان کو اپنے وسائل میں لا کر اس سے کوئی بہتر چیز تیار کر لیتا ہے تو وہ ان کو ناگوار گزرتا ہے اور اس کے خلاف غلط قسم کی باتیں شروع کر دی جاتی ہیں۔ جس سے اس ملک کی بدنامی ہوتی ہے۔ ان لوگوں کو خیال آنا چاہیے کہ جو کچھ بھی کسی ملک نے خریدا ہے وہ ان کے حالات کے مطابق خریدا ہے اور وہ وہی سامان تھا جو ان کی منڈیوں میں میسر تھا یا وہ معمولی کیمیکل پراسس اور ویکیوم ٹیکنالوجی کا سامان تھا۔ جس کے ہزاروں دوسرے استعمالات بھی ممکن ہوتے ہیں۔

پروپیگنڈے کا یہ سلسلہ ابھی جاری تھا کہ کراچی کا ایک صحافی جو کہ اکثر اپنے سسر کے ساتھ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے ہاں آیا کرتا تھا۔ جس کا بڑا مقصد ان سے Favours حاصل کرنا ہوتا تھا۔ مگر جب اُس کی توقعات پوری نہ ہوسکیں تو اس نے بھی ڈاکٹر عبدالقدیر خاں پر طرح طرح کے بہتان لگانے شروع کر دیئے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے ایک پرانے دوست کا کہنا ہے کہ:۔

"یہ منافق کافروں اور یہودیوں سے بھی بدتر ہیں جو پاکستان کے بہت بڑے محسن ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی ذات پر گندے اور جھوٹے الزامات لگاتے ہیں یا باز نہیں آتے"۔

Marfat.com

باب نمبر: 23

صدر ضیاالحق کو دھمکی

جب غیر ملکی لوگوں نے کہوٹہ کی تصاویر کو حاصل کر لیا اور کہوٹہ کے مقاصد اور اس کے کام کے بارے میں مغربی ممالک کے افراد کو واقفیت حاصل ہو گئی تو انھوں نے اپنے اخبارات میں پوری محنت اور کوششوں سے اس بات کی عالمی سطح پر تشہیر شروع کر دی تاکہ دوسرے ممالک کو بھی پاکستان کے اس پراجیکٹ اور ان سے مقاصد کے بارے میں واقفیت اور علم ہو۔ 1979ء میں مغربی اخبارات نے کہوٹہ کے بارے میں عالمی سطح پر بیانات دینے شروع کر دیے ان خبروں سے تمام بڑی بڑی طاقتوں نے اظہار کیا اور اس کے ساتھ ہی وہ پاکستان کے دشمن بن بیٹھے امریکہ نے پاکستان پر اپنا دباؤ بڑھانا شروع کر دیا۔ کہ پاکستان اس پلانٹ پر بین الاقوامی ایٹمی ادارے کی نگرانی اور تحفظات کو تسلیم کر لے مگر پاکستان امریکی دباؤ میں نہ آیا۔ صدر امریکہ جمی کارٹر کو پاکستان کے اس رویے سے اور زیادہ تلخی ہوئی تو اس نے آئندہ سالوں کے لیے پاکستان کی اقتصادی امداد روک دی۔ اس کے علاوہ پاکستان کی فوجی تعلیم و تربیت کے معاہدے کے تحت جو مراعات حاصل تھیں ان پر بھی پابندی لگا دی گئی۔

حالانکہ امریکہ کے وزیر توانائی جیمز شلسنگر اور اسسٹنٹ سیکرٹری خارجہ تھامس پکرنگ اپنے الفاظ میں اعتراف کر چکے تھے کہ:۔

"پاکستان آئندہ تین چار سالوں تک ایٹمی ہتھیاروں کی صلاحیت

Marfat.com

حاصل نہیں کر سکتا جب کہ پاکستان بھی امریکہ کو یقین دلا چکا تھا کہ
اس کا ایٹمی پروگرام خالصتاً پُرامن مقاصد کے لیے ہوگا''۔

مگر اس کے باوجود بھی امریکہ نے پاکستان پر اپنا دباؤ بڑھانا شروع کر دیا اور اس نے پاکستان کی 40 ملین ڈالر کی امداد محض اس وجہ سے بند کر دی کہ سی آئی اے نے اس کو بتایا کہ ''پاکستان الٹرا سنٹری فیوج پلانٹ لگا رہا ہے''۔

یہ خبر پاتے ہی امریکہ نے جنرل ضیا الحق سے رابطہ کیا اور انھیں دھمکی دی کہ:۔

''پاکستان کا پروگرام ان کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ لہٰذا
ایٹمی پراجیکٹ کا خیال ترک کر دیا جائے''۔

مگر صدر پاکستان جنرل ضیا الحق نے مصلحتاً امریکہ کو واضح کر دیا کہ:۔

''پاکستان ایٹمی ہتھیار بنانے کی جانب قدم نہیں بڑھائے گا''۔

اس سلسلے میں امریکی وزیرِ خارجہ کرسٹوفر نے اسلام آباد آ کر پاکستانی حکام سے بھی مذاکرات کیے۔ مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ جس کے باعث امریکہ نے پاکستان میں جاری اپنے تمام تر ترقیاتی منصوبے بند کرنے شروع کر دیے۔ امریکی دباؤ کی وجہ سے ورلڈ بینک نے بھی پاکستان کو قرضوں کی ادائیگی میں کسی قسم کی رعایت دینے سے انکار کر دیا۔

انہی دنوں میں امریکی ٹیلیویژن ''سسٹم سی۔ بی۔ ایس'' پر پاکستان اور اسلامک بم کے عنوان سے ایک خصوصی پروگرام پیش کیا گیا جو کہ انتہائی گمراہ کن اور مبالغہ آمیز تھا۔ پاکستان نے اس پر احتجاج کیا اور واضح کیا کہ:۔

''پاکستان کا ایٹمی پروگرام یکسر پُرامن مقاصد کے لیے ہے اور پاکستان جنوبی ایشیا میں ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری پر مکمل پابندی کے

Marfat.com

کسی بھی معاہدہ پر دستخط کرنے کے لیے تیار ہے۔ بشرطیکہ جنوبی
ایشیاء کے دوسرے ممالک بھی اس پر آمادہ ہوں"۔

ان دنوں میں افغانستان میں روس کی مدد سے آنے والی حفیظ اللہ امین حکومت کے باعث پاکستان کی شمالی اور مغربی سرحدوں پر پاکستان کی سلامتی کے حوالے سے خاصے بحرانی حالات پیدا ہو چکے تھے۔ انہی دنوں نیو یارک ٹائمز کی 11 اگست 1979ء کی اشاعت میں یہ خبر شائع ہوئی کہ:-

"امریکی انتظامیہ نے پاکستان کے یورینیم پلانٹ کو تباہ کرنے کے لیے تین متبادل صورتوں پر غور کیا ہے جن میں اسے سبوتاژ کرنا یا کمانڈو ایکشن کے ذریعے اڑا دینا شامل ہے۔"

یہ خدشہ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ:-

"پاکستان کو اسلامی بم سے نوازنے والے واحد انقلابی سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو ہلاک کیا جا سکتا ہے"؟

ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے خبر کے مطابق امریکی وزارت خارجہ جیرارڈ سمتھ کی نگرانی میں ایک انٹرا ایجنسی ٹاسک فورس قائم کر دی گئی۔ جو اس کام کو نمٹائے۔

Marfat.com

باب نمبر: 24

پاکستان کا مضبوط موقف

عالمی طاقتیں بڑی تیزی کے ساتھ پاکستان کے خلاف سازشوں کا جال بُن رہی تھی اور یہ صورت حال مارشل لاء حکومت کے لیے انتہائی پریشان کن تھی۔ حکومت پاکستان نے ان حالات سے نمٹنے کے لیے:۔

i- ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے لیے فول پروف سیکورٹی کے انتظامات کر دیئے۔

ii- پاک فوج کو ہر قسم کے حالات سے مقابلہ کرنے کے لیے چوکس کر دیا۔

iii- جنرل ضیا الحق نے 30 اگست 1979ء کو ریڈیو اور ٹیلیویژن پر قوم سے خطاب فرمایا۔ ان کے خطاب کا لب لباب درج الفاظ میں دیا جاتا ہے:۔

"پاکستان کے ایٹمی پروگرام میں رکاوٹیں ڈالنے کے امریکی اقدامات کے باعث پاکستان نے سینٹو سے علیحدگی کر لی ہے اور غیر وابستہ ممالک کی تحریک میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے"۔

امریکہ نے ہماری ہر قسم کی اقتصادی امداد روک دی ہے اور مغربی ذرائع ابلاغ نے ہمارے خلاف اجتماعی شرانگیز مہم شروع کر رکھی ہے۔ اس پر ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ:۔

"ہمارا ایٹم بم بنانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ لیکن ہم اپنا ایٹمی پروگرام ترک بھی نہیں کر سکتے"۔

اس خطاب کے قوم پر بڑے مثبت اثرات مرتب ہوئے اور قومی سطح پر اس کا زبردست خیر مقدم کیا گیا۔ اس کے تین ہفتہ کے بعد امریکی وزیر خارجہ سائرس وانس کو

Marfat.com

اعتراف کرتے ہوئے کہنا پڑا کہ:۔

''ہم نہ تو پاکستان کو ایٹمی پروگرام پر عمل درآمد سے روک سکتے ہیں اور نہ ہی پاکستان کے ہاتھوں ایٹمی مواد اور آلات کی فروخت کے خلاف ہماری مہم موثر ثابت ہوئی ہے''۔

امریکی حکومت نے پہلے تو پاکستان پر اپنا زور دار دباؤ ڈالا مگر جب وہ دباؤ مؤثر ثابت نہ ہوا اور عالمی سطح پر حالات نے بھی تبدیلی کا مظاہرہ کیا تو امریکہ نے اپنے کیے پر پچھتانا شروع کر دیا اور اُس نے پاکستان کو یہ تاثر دینا شروع کیا کہ:۔

''اگر پاکستان یہ یقین دہانی کرا دے کہ وہ ایٹمی ہتھیار بنائے گا اور نہ ہی وہ پُرامن ایٹمی دھماکہ کرے گا تو اس کی اقتصادی امداد بحال کی جا سکتی ہے''۔

لیکن پاکستان نے امریکہ کی اس چال کو سمجھتے ہوئے اُن کی اس تجویز کو یکسر مسترد کر دیا۔ جن کی وجہ سے پاکستان کے خلاف مغربی ذرائع نے پروپیگنڈا کو تیز تر کر دیا۔ مگر پاکستان میں بھی امریکہ کے خلاف بڑے شدت کے جذبات پائے جاتے تھے۔ عوام میں بھی بڑی مخالفت کی جا رہی تھی۔ امریکہ کے خلاف ہر جگہ ملک میں مذہبی اور سیاسی جماعتیں نعرے لگا رہی تھیں۔ چنانچہ 21 نومبر 1979ء کو خانہ کعبہ پر بعض شر پسندوں کی جانب سے قبضہ کرنے کی خبر آئی تو پاکستان نے اس خبر پر شدید احتجاج کیا اور اسلام آباد میں واقع امریکی سفارت خانے کو لوگوں نے نذر آتش کر دیا۔ ان حالات میں ابھی امریکہ تذبذب کے عالم میں ہی تھا کہ روسی افواج افغانستان میں داخل ہو گئیں۔ روسی افواج 27 دسمبر 1979ء کو افغانستان میں داخل ہوئیں۔ روس کے اس عمل نے دنیا کو ہلا کے رکھ دیا جو امریکہ کے لیے ایک بڑے چیلنج سے کم نہ تھا کیونکہ:۔

امریکہ دنیا میں سپر پاور بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ مگر روس کے اس جارحانہ عمل سے امریکہ کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکتا تھا۔ اگرچہ یہ حالات پاکستان کے لیے مضر تھے مگر امریکہ نے ان حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے پاکستان کو روسیوں کے

Marfat.com

عزائم کے خلاف استعمال کرنے کے طریقوں پر سوچنا شروع کیا۔ امریکی صدر جمی کارٹر نے صدر پاکستان جنرل صدر ضیا الحق سے ٹیلیفون پر بات کی اور کہا کہ:۔

''امریکہ پاکستان کی سلامتی کے لیے ہر قسم کی امداد دینے کو تیار ہے''۔

اس کے علاوہ نائب امریکی وزیر خارجہ وارن کروسٹوفر نے اسلام آباد آ کر روسی خطرات کے پیش نظر پاکستان کو امداد دینے کے عزم کو دہرایا اور پاکستان کو دو سال میں 400 ملین ڈالر کی امداد دینے کا بھی اعلان کر دیا۔ مگر صدر پاکستان جنرل ضیا الحق نے امریکی امداد کے اس حربے کو بھی بالکل ہی مسترد کر دیا اور اس کے ساتھ ہی صدر پاکستان نے کہا کہ:۔

''امریکہ نے یکطرفہ طور پر ہماری امداد بند کر کے دنیا کا اعتماد کھو دیا ہے اور ہم اس پر بھروسہ نہیں کر سکتے''۔

صدر ضیا الحق نے مزید کہا کہ:۔

''بجائے اس کے کہ صدر کارٹر ''مونگ پھلیوں'' سے ہمیں بہلانے کی کوشش نہ کریں انھیں سوچنا چاہیے کہ اگر امریکہ نے وعدہ خلافیوں اور کہہ مکرنیوں کی روش کو ترک نہ کیا تو وہ ویت نام سے لے کر ترکی تک کوئی اسے پوچھنے والا نہ ہو گا''۔

صدر پاکستان کے اس موقف کی وجہ سے امریکہ کو مشرق وسطیٰ جنوبی ایشیا اور مشرق بعید میں اپنے مفادات خطرے میں پڑتے نظر آنے لگے۔ تو امریکہ نے صدر ضیا الحق کو اور پاکستان کو خوش کرنے کی کوششیں کیں۔ امریکی وزیر خارجہ ایڈمنڈ مسکی نے پاکستان کے مشیر خارجہ آغا شاہی اور صدر کارٹر نے صدر ضیا الحق کو واشنگٹن کے دورے کی دعوت دی لیکن پاکستان کا فیصلہ اٹل رہا۔ اس دوران آغا شاہی نے کہا کہ:۔

''امریکہ نے ہماری امداد روکنے کا فیصلہ یکطرفہ طور پر کیا تھا کہ ہم ایٹم بم بنا رہے ہیں اور اس مسئلے پر ہمارے تعلقات 1976ء سے کشیدہ چلے آ رہے ہیں جب کہ اس سارے عرصے میں بھارت کو

Marfat.com

ہر ممکن امداد دی جاتی رہی ہے اور اس کے علاوہ ضروری ایٹمی مواد بھی فراہم کیا جاتا رہا ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ایسا سوتیلا سلوک نہ کیا جائے''۔

یہ بھی قابل وضاحت امر ہے کہ امریکہ کے صدر جمی کارٹر اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود پاکستان کے ساتھ اپنے خوشگوار حالات بحال نہ کر سکے اور دونوں ممالک اپنے اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ جس میں امریکہ اپنے ملک کے لیے مفادات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور دوسری طرف پاکستان جو کہ پسماندہ اور غریب ملک تھا وہ اپنی انا اور وقار کی خاطر اکڑا رہا۔ مغربی ترقی یافتہ ممالک کے اقتدار کے بدل جانے سے پالیسی نہیں بدلتی صدر امریکہ جمی کارٹر کے بعد صدر ریگن نے صدارت کا حلف اٹھایا تو اُس نے آتے ہی پاکستان کے ساتھ دوستی کے اقدامات کو اختیار کرنا شروع کیا۔ سب سے پہلے صدر ریگن نے :۔

1- پاکستان کے لیے ہر قسم کی اقتصادی' سیاسی اور فوجی امداد کی بحالی اور دوستانہ تعلقات استوار کرنے کی مہم شروع کی۔ جن کے اثرات کی وجہ سے پاکستان کے امریکہ کے ساتھ تعلقات قدرے خوشگوار ہو گئے۔ مگر اس دوران پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں دباؤ مسلسل جاری رہا۔ جب کہ امریکہ نے بھارتی اور اسرائیلی ایٹمی پروگرام سے کوئی تعرض نہ کیا اور فاضل پرزہ جات کے علاوہ افزودہ یورینیم کی فراہمی بھی جاری رکھی تا کہ ان کا ایٹمی پروگرام متاثر نہ ہو۔

پاکستان زندہ باد

پاکستان پائندہ باد

Marfat.com

امریکہ کی زیادتیاں

مغربی ممالک کے اخباری ذرائع نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے بارے میں بالکل جھوٹے اور بے بنیاد قسم کے بیانات اخبارات میں دینے شروع کر دیے۔ ان اخبارات نے نہایت ہی فحش الفاظ کا استعمال کیا جن میں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو بدمعاش جھوٹا اور چور و جاسوس تک کہا گیا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں ان دنوں Herpes Zoster کے مرض میں مبتلا تھے اور صحت بہت کمزور ہو چکی تھی۔ ایک طرف تو بیماری کی وجہ سے کمزوری محسوس کی جا رہی تھی تو دوسری طرف بین الاقوامی اخبارات میں ایسی خبریں اور بیانات نے ان پر مزید نفسیاتی دباؤ بڑھایا جس کی وجہ سے وہ بہت ہی لاغر اور ضعیف ہو گئے تھے مگر چونکہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اپنے قومی موقف میں بالکل راست باز اور صراط مستقیم پر تھے اور وہ ان کے اخباری بم سے بالکل نہ گھبرائے اور ان بیانات کو الگ رکھتے ہوئے انھوں نے تحریری طور پر یوں جواب دیا کہ:

''یہودی نواز پریس کو اس کا اصل چہرہ دکھایا ان دنوں میں مغربی دنیا کا کوئی اخبار، جریدہ ٹیلی ویژن اور ریڈیو سٹیشن ایسا نہ تھا کہ جس نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے اسلامی بم کا مذاق نہ اڑایا ہو اصل میں یہ طریقہ کار مغربی ممالک کی اس کوشش پر دلالت کرتا ہے کہ انھوں نے پاکستان کو دنیا میں تذلیل کا باعث بنانا چاہا تھا۔ مگر ان تمام حالات کا ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے ہوش و حواس کے ساتھ مقابلہ کیا۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں پر یہ الزام لگایا کہ انھوں نے المیلو میں ملازمت کے

Marfat.com

ران المیلو کے راز چوری کیے ہیں۔ تو اس جھوٹے الزام کو ثابت کرنے کے لیے ہالینڈ نے اسرائیلی وزیر اعظم کے خط پر مارچ 1979ء کو ایک بین الوزارتی کمیٹی بنائی اور اس کمیٹی کے ممبران کو ہدایت کی گئی کہ:۔

"ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے واقعی المیلو کے راز چوری کیے ہیں یا کہ نہیں؟"

اس بین الوزارتی کمیٹی نے ایف ڈی او (ہالینڈ) جہاں کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں ملازمت کے دوران کام کرتے رہے تھے، اُن سے اس موقف کے بارے میں شہادتیں طلب کیں اور انھوں نے تفصیلی تحقیق تفتیش کے بعد 1982ء میں اپنی رپورٹ پارلیمنٹ میں پیش کر دی۔ جس میں انھوں نے کہا کہ:۔

"ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے کوئی چوری نہیں کی اور ان کے خلاف کوئی قانونی مقدمہ نہیں بنتا۔ وہ یہاں سے کچھ بھی نہیں لے کر گئے اور پاکستان میں یورینیم کی افزودگی کا عمل جاری ہے وہ دوسرے وسیع پیمانے پر طبع شدہ مواد اور آزادی سے میسر آ جانے والے وسائل پر مبنی ہے"۔

مزید برآں کمیٹی نے یہ بھی کہا کہ:۔

-ii "ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو ہالینڈ میں ایف ڈی او نے بطور ماہر فلزیات کے ملازم رکھا تھا۔ ان کی اہلیت و مہارت صرف اس مواد تک محدود تھی۔ جو ڈچ طرز کے سینٹری فیوج میں استعمال ہوتا تھا اور جسے یورنیکو نے ناکارہ سمجھ کر مسترد کر دیا تھا"۔

رپورٹ میں مزید یہ بھی کہا کہ:۔

-iii "1974ء میں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو دو غیر اہم رپورٹوں کا جرمن زبان سے

Marfat.com

ڈچ زبان میں ترجمہ کرنے کی ذمہ داریاں سونپی گئی تھیں۔ جو جرمن طرز کے سینٹری فیوج پلانٹ کے بارے میں تیار کی گئی تھیں۔ اس کے لیے انھیں 16 دنوں تک المیلو فیکٹری کے باہر ایک عمارت میں رکھا گیا تھا اور انھیں صرف فیکٹری کے غیر اہم کیفے ٹیریا اور آرام گاہوں تک جانے کی اجازت تھی چنانچہ ان وجوہات اور صرف 128 گھنٹوں کے دوران دونوں رپورٹوں کے ترجمہ کرنے کی مصروفیات نے انھیں اس کا موقع ہی نہیں دیا کہ وہ کسی دوسرے معاملے میں دلچسپی لیتے کنسورشیم ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی خدمات کا معترف ہے کیونکہ ان چند سائنسدانوں میں سے وہ ایک اہم ہیں جن کو ڈچ اور جرمن زبانوں پر مناسب عبور حاصل تھا اور وہ کام کرنے کے اہل تھے"۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے بارے میں یہ رپورٹ بالکل غیر جانبدارانہ انداز میں صداقت پر مبنی حقائق سے تیار کی گئی تھی جب کہ تمام سامراجی طاقتوں کی نظر اس رپورٹ پر لگی ہوئی تھی لیکن ڈچ حکومت انصاف کے ازلی تقاضوں کو بروئے کار لانا چاہتی تھی۔ اسے نہ صرف اپنے عدالتی وقار کا سربلند رکھنا تھا بلکہ انھیں اپنے سائنسی پراجیکٹ کو بھی محفوظ تر ثابت کرنا تھا جس کو ڈچ حکومت نے صحیح طور پر صداقت سے کام لیتے ہوئے عبدالقدیر خاں کے بارنے میں مواد فراہم کیا تاکہ اس پر بھی کسی قسم کی زیادتی نہ ہو بلکہ ڈچ حکومت کو بھی بدنامی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

آخر کار یہودی دباؤ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا اور 1983ء میں ہالینڈ کی پارلیمنٹ نے اس معاملے کو از سر نو زندہ کر دیا' پارلیمنٹ نے متعلقہ شعبے کے وزیر کو ہدایت کی کہ:۔

"وہ ڈاکٹر خاں کے خلاف جاری پراپیگنڈے اور الزامات کی مکمل چھان بین کرے"۔

Marfat.com

چنانچہ ہالینڈ حکومت نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے خلاف مقدمہ قائم کر دیا اور اُن کے دو ایسے خطوط کو بنیاد بنایا گیا جو 1976ء میں لکھے گئے تھے جن کا جواب بھی نہ دیا گیا تھا۔ ہالینڈ کی حکومت نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے خلاف یک طرفہ کارروائی کی اور عدالتی کارروائی کے لیے ایک یہودی خاتون کو جج کے فرائض سونپے گئے اور اس مقدمہ میں ڈاکٹر عبدالقدیر پر درج ذیل الزامات لگائے گئے تھے:۔

i- ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے یورنیم کی افزودگی کے طریقے غیر قانونی طور پر حاصل کرنے کی کوشش کی تھی جو برطانیہ' جرمنی اور ہالینڈ کی ملکیت تھے۔

ii- اس نے اسلامی بم بنانے کے لیے پُراسرار انداز میں ایٹمی راز چوری کرنے کی کوششیں کیں اور وہ صدی کا بڑا چور ہے وہ کلائس فخش اور ایلن ٹن کے ایٹمی راز چرا کر سوویت یونین لے جانے کے بعد سب سے کامیاب چور قرار دیا گیا۔

iii- وہ بڑا خفیہ انسان ہے جن تک مغربی صحافیوں کا پہنچنا مشکل ہے۔

iv- 1974ء کے آخر میں بلجیم اور فرانس سے سفارتی پلیٹوں والی کاریں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے گھر آتی تھیں اور مہمان صبح تک قیام کرتے تھے۔

v- انھوں نے یہ بیان داخل کیا کہ:۔

"وہ ہالینڈ کی شہریت حاصل کرنا چاہتے تھے اور انھوں نے اپنی جنوبی افریقہ کی اہلیہ کو ڈچ قومیت کی ظاہر کیا"۔

vi- 1975ء میں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے اپنے ایک دوست کو گھر آنے کی اجازت دی اور اس کو الٹرا سینٹری فیوج کے نقشوں کی تصاویر اتارنے کے لیے کہا تھا۔

vii- ایک وقت میں وہ ایک غیر رسم الخط میں خط لکھ رہے تھے اور ان کے ایک دوست نے دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ:۔

Marfat.com

"کہ وہ اپنے وطن میں گھر والوں کو خط لکھ رہے ہیں"۔

viii- دسمبر 1975ء میں وہ اپنا مشن مکمل کر کے پاکستان چلے گئے اور وہ کہوٹہ کے مقام پر یورینیم کی افزودگی کے پلانٹ کے نگران مقرر ہوئے اور ہالینڈ سے پاکستان آتے ہوئے الٹرا سینٹری فیوج کی تصاویر اور نقشے بھی ساتھ لے گیا تھا۔

ix- انھوں نے ڈچ حکومت سے شہریت حاصل کی تا کہ وہ یورنیکو میں کام کر سکیں۔

x- انھوں نے یورپ کے تمام متعلقہ فراہم کاروں کی فہرست تیار کی۔ المیلو پلانٹ کے سنٹری فیوجز کے نقشے بنوائے اور انھیں اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

xi- انھیں 16 دن تک برین بکس اور سنٹری فیوج تک رسائی حاصل رہی اور اس نے اسی موقع سے خوب فائدہ اٹھایا جبکہ حفاظتی انتظامات بالکل ناقص تھے اور اسی دوران اُس نے ایسی دستاویزات کا بھی مطالعہ کیا جن کا ترجمہ کرنے کے لیے انہیں کہا گیا تھا۔ چنانچہ شائستگی مگر سختی سے المیلو سے واپس کر دیا گیا مگر وہ اس وقت تک اپنا کام کر چکے تھے۔ جو کہ غیر قانونی عمل تھا۔

مندرجہ بالا چند الزامات مغربی پریس اور ڈچ حکومت نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں پر لگائے تا کہ زمانے میں اس کی تشہیر ہو اور وہ بدنام ہو جائیں۔ ہالینڈ کی حکومت کا عدالتی نظام دنیا بھر میں عزت و توقیر کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے معاملے میں انصاف کے تمام تقاضے نظر انداز کر دیے گئے اور ڈاکٹر عبدالقدیر خاں پر جاسوسی، خفیہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کے صلے میں نہایت خاموشی کے ساتھ مقدمہ چلایا گیا۔ مگر اس مقدمے میں درج ذیل قسم کے اُمور عدالتی کارروائی کے خلاف اختیار کیے گئے تھے۔

i- مقدمہ نہایت خاموشی سے قائم کیا گیا۔

ii- ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو مقدمے کے اندراج سے آگاہ نہیں کیا گیا۔ جس کی وجہ سے

Marfat.com

وہ مقدمہ کا جواب ہی عدالت میں داخل نہیں کر سکے جو کہ غیر اصولی کام تھا۔

iii- ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو دورانِ تفتیش اُن کو گواہان استغاثہ پر جرح کرنے اور وکیل کی مدد سے دفاع کا موقع نہیں دیا گیا۔ جو کہ غیر قانونی کام تھا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو دفاع کا پورا موقع ملنا چاہیے تھا۔

iv- اس مقدمے کے بارے میں نہ حکومت پاکستان کو مطلع کیا گیا اور نہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو ہی آگاہ کیا گیا تھا۔ خاموشی سے کام مکمل کر کے مقدمہ دائر کر دیا گیا جبکہ عدالتی نظام کا یہ طریقہ کار ہوتا کہ:-

مجسٹریٹ تفتیش مکمل کرنے کے بعد ملزم کو تحریری طور پر تفتیش کے مندرجات سے آگاہ کرتا ہے اور ملزم کو یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اب باقاعدہ مقدمہ چلانے کے لیے وکیل سرکار کو بھیجا جا رہا ہے۔ لیکن ڈچ حکومت نے ایسی تمام اصولی باتوں کو نظر انداز کر کے خاموشی سے مقدمہ مکمل کر لیا۔ یہ ساری کارروائی نہایت خفیہ اور جلدی جلدی مکمل کی گئی اور عدالت نے 14 نومبر 1983ء کو یک طرفہ طور پر کارروائی عمل میں لا کر ڈاکٹر عبدالقدیر کو چار سال قید کی سزا سنائی۔ یہ سزا ڈاکٹر عبدالقدیر کو ہالینڈ سے چلے جانے کے بعد خفیہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش اور انھیں مخالف مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی غرض سے چرانے کے الزام میں مفروضہ جرم میں دی گئی تھی جبکہ استغاثہ جاسوسی اور خفیہ راز چوری کرنے کے الزامات ثابت نہ کر سکے۔

یہودی ذرائع ابلاغ نے ڈچ عدالت کے اس فیصلے کو بہت سراہا اور دنیا بھر میں اس مقدمے اور ڈاکٹر عبدالقدیر کی سزا کی خوب تشہیر کی گئی۔ لیکن ڈچ عوام نے اس من گھڑت مقدمے کے فیصلے پر سخت احتجاج کیا اور اسے غیر منصفانہ اور یکطرفہ قرار دیا۔ جبکہ عالمی ماہرین قانون نے بھی اس فیصلے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور ڈچ حکومت کی عدالت کے سامنے عوام نے سخت مظاہرہ کیا اور نعرہ بازی کی۔

Marfat.com

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو مقدمے کے فیصلہ سے تین روز قبل 11 نومبر کو اطلاع دی گئی تھی کہ:۔

''ڈچ حکومت انھیں چار سال کی قید بامشقت کی سزا سنا رہی ہے''۔

اسی روز جب وہ کراچی سے اسلام آباد پہنچے تو وہاں ڈیلفٹ یونیورسٹی کے ان کے ہم جماعت اور ہالینڈ کے مشہور و معروف ماہر فلزیات انجینئر اور ڈاکٹر سلے بوس اُن کے منتظر تھے۔ وہ اپنے ساتھ ایمسٹرڈیم ٹیلیگراف کا یکم نومبر کا شمارہ بھی لائے تھے۔ جس میں یہ خبر چھپی تھی کہ:۔

''31 اکتوبر 1983ء کو ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے خلاف غیر قانونی طور پر خفیہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش میں قید بامشقت کی سزا پر زور دیا گیا۔ عدالت نے فیصلہ پیر کی صبح 14 نومبر کو دینا تھا''۔

Marfat.com

باب نمبر: 25

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو قید کی سزا

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے بروز جمعہ یہ خبر پڑھی اُس دن تمام دفاتر تعطیل کے سلسلے میں بند تھے۔ تو ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے اپنا دفتر کھلایا اور ڈچ عدالت کی یہودی خاتون جج یسر عساں کو روزنامہ ٹیلیگراف کی خبر کے حوالے سے ایکسپریس تار بھیجا جس میں انھوں نے لکھا کہ:۔

1- ”مجھے آج مورخہ 11 نومبر 1983ء کو روزنامہ ٹیلیگراف کا یکم نومبر کا شمارہ ملا ہے جس میں یہ خبر پڑھ کر بڑا صدمہ بھی ہوا اور حیرانی بھی کہ میرے خلاف آپ کی عدالت میں ایک مقدمہ زیر سماعت ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل باتیں آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں:۔

i- مقدمے کی تمام کارروائی میرے علم میں لائے بغیر کی گئی ہے۔

ii- میرے خلاف مقدمے کی کارروائی الزامات کے دفاع میں پیروی نہیں ہوئی۔ ان حالات میں جبکہ دفاع موجود تھا۔ ہالینڈ کے قانون کے مطابق مقدمے کی سماعت نہیں ہونی چاہیے تھی۔

iii- بی بی سی کے پینورا ما پروگرام میں دکھائی جانے والی ”اسلامی بم“ نامی فلم اور وہ تمام مواد جو روزنامہ ”دی ٹائیڈ‘ دی ٹیلیگراف‘ دی فوکس کرافٹ“ میں شائع ہوا

Marfat.com

ہے۔ وہ تمام غلط اور خود ساختہ الزامات پر مبنی ہے۔ انھوں نے مجھے ایک مخصوص سیاسی منظر میں لا کھڑا کیا ہے۔

ہالینڈ کی عدالتوں کا ایک سنہری اور آزادی کا شاندار ماضی ہے۔ اس لیے میری استدعا ہے کہ:۔

"آپ اس مقدمے کو خارج کر دیں میرے نقطہ نظر سے اس مقدمے کا کوئی جواز نہیں ہے اور نہ کوئی قانونی بنیاد اس لیے بھی کہ اس کی سماعت میری عدم موجودگی میں ہو رہی ہے اور مجھے اپنے دفاع کے لیے موقع ہی نہیں دیا گیا۔ میری عدم موجودگی میں مقدمے کا فیصلہ میری قوم' اساتذہ اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے میرے دوست و احباب کی نظروں میں میرے وقار کو مجروح کر دے گا۔ بالخصوص ہالینڈ میں کہ جہاں لوگ ابھی تک میرے بے قصور ہونے پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ اور مجھ سے اکثر ملتے رہتے ہیں اور میرے ساتھ خط و کتابت بھی رکھتے ہیں"۔

"جناب عالی! اگر بالفرض محال اس جرم کو مان بھی لیا جائے تو اس کا ارتکاب ہالینڈ کی سرزمین پر نہیں ہوا۔ اس سے ہالینڈ کو کوئی نقصان پہنچا ہے؟ اور نہ ہی ہالینڈ کی سلامتی کو نقصان پہنچانے کے کسی مواد کا اظہار ہو رہا ہے"۔

لہٰذا درخواست ہے کہ:۔

"اس مقدمے کو ختم کر دیا جائے میں نے آپ کے ملک کے خلاف کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ آپ کے ملک نے مجھے بہت کچھ دیا ہے۔ اس لیے اس امر کا کوئی امکان نہیں کہ عمر بھر کبھی اس کے خلاف کوئی

Marfat.com

منفی خیال میرے ذہن میں پیدا ہو گا۔ مگر مجھے اپنے ملک کی مدد و خدمت کرنے کے سلسلہ میں مجرم قرار دیا جائے''۔

میں نے 4 اگست 1978ء کو اس وقت کے وزیر خارجہ جناب فن ڈیر کلاؤس کی خدمت میں مسٹر آر ایم ایف فن ڈیر گوان کی وساطت سے ایک طویل اور تفصیلی خط بھیجا تھا۔ مسٹر کوان ان دنوں اسلام آباد میں ہالینڈ کے سفارت خانے میں سیکنڈ سیکرٹری تھے۔ اس خط کی رسید مجھے دو ہفتے بعد جناب سفیر کی وساطت سے مل گئی تھی۔ میں نے اس خط میں تمام حالات پر روشنی ڈالی تھی اور ضروری کاغذات اور فوٹو نقلیں بھی ساتھ منسلک کی تھیں جن سے میری حالت واضح بے داغ ثابت ہوتی ہے۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے خلاف ڈچ عدالت کے مقدمے اور ان کی سزا یابی پر عالمی شہرت یافتہ وکیل ڈاکٹر ڈین ڈرائیور کو بھی وکلائے صفائی شامل کیا گیا۔ مقدمے کی کارروائی اور اپیل پر کام کی نگرانی کے لیے پاکستان کے مایہ ناز قانون دان ایس۔ ایم ظفر اور سابق مغربی پاکستان کے سابق ایڈووکیٹ کو خط بھیجا گیا۔ مسٹر ایم۔ بی۔ زمان کو ہالینڈ بھیجا گیا۔ دونوں نے نہایت مستعدی اور سنجیدگی سے یک جان ہو کر مقدمے کی پیروی کی۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اپنے آپ کو بالکل ہی بے گناہ سمجھتے تھے اور واقعی انھوں نے اس سلسلے میں کوئی غیر قانونی کام نہیں کیا تھا جس سے قومی یا بین الاقوامی اصول کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دیا جاتا۔ مگر اس مقدمے کے بارے میں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے ساتھ نہ تو پاکستانی بیوروکریسی نے ہی تعاون کیا اور نہ پاکستان فارن آفس نے ہی پرواہ کی جس کی وجہ سے ہالینڈ نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو قید کی سزا سنا دی۔ جس کے دفاع کے لیے انھیں شب و روز محنت کر کے عدالت سے بے گناہ ثابت ہوئے۔

Marfat.com

باب نمبر: 26

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کا الزامات سے باعزت بری ہونا

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے خلاف مقدمہ کا فیصلہ ایک حیران کن عمل سے کم نہ تھا اور اس سے زیادہ حیرانگی کی بات پاکستان فارن آفس کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے کہ وہاں مقیم ہونے کے باوجود ان کو مقدمے کے شروعات سے لے کر فیصلے تک کوئی علم نہ ہو سکا اور انھوں نے پاکستان کو اس اہم مقدمے کے بارے میں اطلاع بھی نہ دی۔ ان حالات کے تحت یہ کہا گیا ہے کہ:۔

"ہالینڈ کا پاکستانی فارن آفس بھی برابر کا شریک تھا اور جس وقت ہالینڈ کی عدالت ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے خلاف مقدمہ چلا رہی تھی۔ تو فارن آفس پاکستان کا عملہ خواب خرگوش میں مبتلا تھا اور کسی نے حکومت پاکستان اور ڈاکٹر عبدالقدیر کو اس صورت حال سے آگاہ کرنے کی کوشش نہیں کی لیکن جونہی ہالینڈ کی عدالت نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے خلاف مقدمے کا فیصلہ دیا تو فارن آفس میں افراتفری پڑ گئی"۔

Marfat.com

یہ بھی بڑی تعجب انگیز بات ہے کہ فارن آفس پاکستان کو اس اہم مقدمے کے بارے میں واقعی کوئی علم نہ تھا یا دانستہ طور پر آفس نے خاموشی سدھار لی تھی۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اپنے مقدمے کی پیروی کے بارے میں پاکستانی فارن آفس اور پاکستانی بیوروکریسی سے مایوس تھے تو انھوں نے اُن پر بھروسہ نہ کیا اور خود انھوں نے اس مقدمے پر محنت کی اور سازش کا ایک حصّہ طشت ازبام کیا جس میں ہالینڈ میں واقع پاکستان فارن آفس بھی برابر کا شریک تھا۔ حکومت پاکستان نے جلدی سے ہالینڈ کی اعلیٰ عدالت میں اپیل کرنے کا پروگرام بنایا اور ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے بھی فوری طور پر پاکستانی سفیر ڈاکٹر خورشید حیدر کے ذریعے ہائی کورٹ میں اپیل داخل کر دی اور اس مقصد کے لیے ہالینڈ کے ایک سابق سفیر اور مشہور قانون دان ڈاکٹر رسل کی خدمات حاصل کر لیں جبکہ ہیگ کی مشہور قانونی فرم بلیک سٹون کے ایک نوجوان اور قابل وکیل کو بھی مقرر کیا گیا ڈاکٹر عبدالقدیر خاں خود بھی اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے عالمی سائنسدانوں کے طریقہ کار پر مبنی دلائل اکٹھے کرتے رہے۔

ان کے ایک دوست کا بیان ہے کہ:۔

"ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے اس مقدمہ پر اتنی محنت کی کہ انھوں نے اپنی زندگی کے کم از کم دس سال اس میں ضائع کر دیے"۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے خود بھی مختلف قانون دانوں اساتذہ اور سائنسدانوں سے فوری رابطے کیے اور انھیں مقدمے کی کارروائی سے آگاہ کیا۔ ان سب نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں سے صاف صاف کہا کہ:۔

"ان کے خلاف مقدمہ غیر قانونی اور بدنیتی پر مبنی ہے"۔

مقدمہ خواہ کسی بھی نوعیت کا تھا جھوٹا یا سچّا' حقائق پر مبنی تھا یا من گھڑت افسانوں پر دلالت کرتا تھا۔ یہ ایک وضاحت طلب بات ہے مگر جس شخص کے خلاف بین

Marfat.com

الاقوامی طور پر مقدمہ کی افواہ عام ہو جاتی ہے تو اس موصوف پر اس بات کا بڑا گہرا اثر ہوتا ہے۔ جس سے ان کے ذہن پر دباؤ بڑھ جاتا ہے تو ڈاکٹر خان کے ذہن پر بھی مقدمے کے اثرات مرتب ہوئے۔ مقدمے کے خلاف اپیل دائر کرنے کے دوران ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو ذہنی طور پر بڑا شدید دھچکا لگا اور ایٹمی توانائی مشن کے کار پردازوں نے بھی ان سے تعاون نہ کیا۔ جس کا واضح ثبوت انھوں نے اس عدم تعاون کے عمل سے دیا ہے کہ:۔

''ڈاکٹر عبدالقدیر کو ایٹمی توانائی کمیشن کی لائبریری سے ایک ایسا عالمیٰ رسالہ درکار تھا جن میں شائع ہونے والے مضامین بطور ڈھال ان کے لیے مفید ثابت ہو سکتے تھے مگر یہ رسالہ انھیں فراہم نہیں کیا گیا''۔

جب ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو مطلوبہ رسالہ ایٹمی توانائی کمیشن کی لائبریری سے نہ ملا تو انھوں نے بامر مجبوری ہالینڈ سے ہی وہ رسالہ منگوایا۔ اس مقدمے کے سلسلے میں حکومت وقت نے بھی کسی قسم کی دلچسپی نہ لی اور ڈاکٹر عبدالقدیر خاں سے کہا گیا کہ:۔

''وہ سزا کی پرواہ نہ کریں انھیں کون سا ہالینڈ جانا ہے''۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے مقدمے کی حقیقت کے بارے میں یوں بتایا ہے کہ:۔

''حقیقت یہ ہے کہ اس مقدمے سے ظاہری طور پر مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ لیکن میں بنیادی طور پر تاریخ کا طالب علم ہوں اور اللہ تعالیٰ سے ہروقت ڈرتا ہوں اور میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جب میں نے کوئی غلط کام ہی نہیں کیا تو اس کا الزام میرے سَر پر کیوں دھرا جائے اور مستقبل میں میری آنے والی نسل مجھے اس الزام کی وجہ سے کیوں یاد کرے یعنی کوئی مجھے چور سائنسدان یا چور باپ کہے۔ میں اسے برداشت نہیں کرسکتا''

میں یہ نہیں چاہتا کہ آنے اے وقت میں میری نسل کو یہ کہا جائے کہ:۔

Marfat.com

''تمہارا باپ ایک چور سائنسدان تھا''۔

میں نے مقدمہ لڑا اور اس کے لیے میں نے اپنے عزیز دوست ایس ایم ظفر کو بطور وکیل مقرر کیا اور وزارت قانون کی جانب سے ایم بی زمان کو ایڈووکیٹ مقرر کیا جو ایس ایم ظفر کی معاونت کرتے تھے ایس ایم ظفر صاحب پر مجھے اعتماد تھا۔ اگرچہ ضیا الحق اور منسٹر آف لاء ان سے نالاں تھے۔ مگر میں نے کہہ دیا کہ:۔

''ایس ایم ظفر میرے اٹارنی ہوں گے''۔

اور میں نے حکومت سے کہہ دیا کہ:۔

''اگر مجھے اپنی مرضی کا وکیل نہ کرنے دیا۔ تو میں ملک چھوڑ کر دبئی چلا جاؤں گا'' اور کام اُس وقت کروں گا جب میرا مقدمہ ختم ہو جائے گا''۔

لہٰذا حکومت میرے دباؤ میں آ گئی۔ اصل بات یہ تھی کہ میں کوئی کام بھی بیوروکریسی پر نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ ان کی میرے مقدمے میں دلچسپی ظاہر ہو چکی تھی اور میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ میرے مقدمے کو خراب کریں۔ ایس۔ ایم ظفر کی صلاحیتوں کو ڈچ وکلاء نے بھی سراہا' جو نظریہ ظفر صاحب نے میرے مقدمے میں پیش کیا وہ بالکل صحیح اور درست تھا اور عدالت نے مجھے بری کرنے کے لیے اسی نظریہ کو قبول کیا۔

ایس ایم ظفر سے بھی میرے مقدمے کی پوری تفصیل اپنی تصنیف ''میرے مشہور مقدمے'' میں بیان کر دی ہے جس میں انھوں نے واضح طور پر اس مقدمے کے محرکات ہالینڈ اور پاکستانی حکومت کی مجرمانہ چشم پوشی اور مشکلات کا مفصل ذکر کیا ہے۔

ایس ایم ظفر نے اپنی کتاب میں ان وجوہات یا محرکات کا بالتفصیل ذکر کیا ہے اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ مقدمہ کیوں قائم کیا گیا اور کس سے قائم کروایا؟ اس کے علاوہ حکومت پاکستان کو جو کردار ادا کرنا چاہتی تھی وہ ادا نہ کیا گیا بلکہ

Marfat.com

اُس مقدمے سے چشم پوشی سے کام لیتے ہوئے لاعلمی کا اظہار کیا گیا۔

ڈاکٹر عبدالقدیر کے مقدمہ کی اپیل دو سال تک ہالینڈ کی عدالت میں زیر سماعت رہی۔ اسی دوران ڈاکٹر عبدالقدیر خاں ذہنی طور پر بڑے دباؤ میں تھے جس کی وجہ سے دو سال کی قانونی اور سفارتی اعصاب شکن جنگ کے بعد 28 مارچ 1985ء کو عدالت نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو ان پر عائد کردہ تمام الزامات سے بری قرار دیا اور انھیں باعزت طور پر بری کر دیا گیا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو باعزت بری کرنے سے ان کے وقار اور عزت میں بہت اضافہ ہوا بلکہ یہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے پُرامن ہونے کا اعتراف بھی بن گیا۔

مغربی طاقتوں پر انصاف نے واضح کر دیا کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں پر ہالینڈ کی عدالت سے عائد کردہ تمام الزامات بے بنیاد اور من گھڑت تھے کہ ان کے نتیجہ میں دی جانے والی سزا بھی ایک ڈرامے سے کم نہ تھی کیونکہ اس مقدمے میں مدعلیہ کو بالکل صفائی کے مواقع فراہم نہیں کیے گئے تھے اور یہ مقدمہ ان کی عدم موجودگی میں اس کو اطلاع دیے بغیر قائم کیا گیا جو کہ مغربی طاقتوں کے اشاروں پر مبنی تھا۔

اگرچہ دو سال کی ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی محنت اور سوچ نے اس مقدمے کو تو ختم کر دیا اور وہ باعزت طور پر عدالت سے بری ہو گئے مگر یہودی پریس نے ان دو سالوں کے دوران ان کو ذہنی طور پر منتشر کیے رکھا وہ اُن دو سالوں میں بہت پریشان اور فکرمند ہوئے اگر یہ ان کی خام خیالی ہی تھی کہ 1985ء تک پاکستان یورینیم کی افزودگی میں مکمل کامیابی حاصل کر چکا تھا اور کہوٹہ پراجیکٹ کی بھی تکمیل ہو چکی تھی ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی جفاکش ٹیم اب مغرب کے سینے پر مونگ دَل رہی تھی اور تمام خطرات کو پس پشت ڈال کر ''اسلامی بم'' خواب شرمندہ تعبیر ہو چکا تھا ادھر امریکہ کو پاکستان کی ایٹمی سرگرمیوں کی خبریں متواتر موصول ہو رہی تھیں اور پاکستان کو ہر قسم کی مالی امداد نے

Marfat.com

محروم کرنے کے لیے دباؤ ڈالا جا رہا تھا۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اپنے عظیم مقصد میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کامیاب ہو چکے تھے اور وہ اپنی قوم کے سامنے بالکل سرخرو تھے۔ اس دوران انھوں نے میزائل سازی کا بیڑہ بھی اٹھایا اور 1989ء میں پاکستان کو عنزہ کے نام سے جدید میزائل کا تحفہ دیا یوں کہوٹہ پراجیکٹ میزائلوں کی کھیپ در کھیپ پاکستانی افواج کے سپرد کرنے لگا۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اندرونی اور بیرونی محاذوں پر اپنے مخالفین کو شکست دے چکے تھے اور انھوں نے اس محاذ آرائی کے دوران اپنے کام کی رفتار میں قطعاً کمی نہ آنے دی۔ حکومت پاکستان نے ان کی خدمات کے صلے میں انہیں 23 مارچ 1990ء کو ہلال امتیاز سے نوازا۔ انھوں نے اس اعزاز کے بدلے میں پاکستان کو عنزہ میزائل اور دیگر ہتھیاروں کے تحفے دیئے اور بالآخر 1998ء کو غوری جیسے مہلک اور جدید ترین میزائل بھی تیار کر کے دے دیے۔

Marfat.com

باب نمبر: 27

بنی گالہ کا آپریشن

بنی گالہ میں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے اپنا ذاتی مکان بنایا تھا۔ یہ گھر راول ڈیم کے قریب واقع ہے۔ دوسرے الفاظ میں بنی گالہ کا مقام راول ڈیم کے نزدیک واقع ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے گھر بنانے کی یہ وجہ بتائی گئی ہے:۔

"کہ ان کی بیگم ہینی خان (Henney khan) کو یہاں ایک منظر دیکھنے کو ملتا تھا جو منظر وہ ہالینڈ میں اپنے آبائی گھر میں دیکھتی تھیں۔ ہالینڈ کے اس گھر کی کھڑکیاں دریائے رائن کی طرف کھلتی تھیں اور بیگم ہینی کو یہ منظر بہت پسند تھا"۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے یہ گھر اپنی وفادار شعار بیوی کی فرمائش پر تعمیر کیا تھا اور وہ اس گھر کی تعمیر میں اس قدر جذباتی تھے کہ جس طرح انھوں نے KRL کہوٹہ ریسرچ لیبارٹری کی بنیاد رکھی ہے اور اس کی تعمیر میں جس قدر مخلص تھے اس طرح وہ اس گھر کی تعمیر میں خلوص سے کام کرتے تھے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کا کہنا ہے کہ:۔

"وہ اس گھر کے سوا اپنی بیگم کو کچھ بھی نہیں دے سکے جبکہ بدلے میں اس خاتون نے ان کے اور ملک کے لیے اپنے جذبات، حقوق، مال کی قربانیاں دی ہیں اور اس خاتون کی بدولت ہی وہ مکمل سکون اور یکسوئی کے ساتھ ایٹم بم کے محاذ پر ڈٹے رہے تھے"۔

Marfat.com

سعودی پرنس سلطان بن عبدالعزیز اور وزیر اعظم محمد نواز شریف
ڈاکٹر عبدالقدیر خان سے ان کے آفس میں ملاقات کا ایک منظر

Marfat.com

بنی گالہ کے آپریشن کا اصل مقصد صرف ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو ذہنی طور پر پریشان کرنا اور زک پہنچانا تھا۔ اُدھر دنیا کو یہ باور کرانا تھا کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے اس زمین پر ناجائز قبضہ کیا ہے۔ اس آپریشن کی نگرانی روئیداد خاں کر رہے تھے اور سی ڈی اے کی نمائندگی اس وقت کے ڈائریکٹر لینڈ خالد خاں طور کر رہے تھے۔ انور سیف اللہ' نواز کھوکھر' ملک نعیم اور CDA کے چیئرمین میاں فرید سب ایک وفد کی صورت میں اسلام آباد میں واقع KRL کے گیسٹ ہاؤس میں گئے اور ڈاکٹر خاں سے کہا کہ:۔

''وہ بنی گالہ سے اپنی رہائش ختم کر دیں''۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو اپنے ذرائع سے معلوم ہو چکا تھا کہ محمد نواز شریف کی کچن کیبنٹ اپنے وزیراعظم کی اجازت سے ان کے خلاف میدان میں اُتری ہے۔ انھوں نے آپریشن بنی گالہ کی وجہ پوچھی تو انھوں نے کہا کہ:۔

''ڈاکٹر صاحب! حکومت کے علم میں آیا ہے کہ راول ڈیم کی جھیل آلودہ ہوگئی ہے جس سے اسلام آباد کی فضا آلودہ ہونے کا ڈر ہے۔ اس لیے CDA نے فیصلہ کیا ہے کہ بستی بنی گالہ کو ہموار کر کے جھیل کو کشادہ کر دیا جائے''۔

ڈاکٹر عبدالقدیر نے ان کی معلومات اور جواز کو بے معنی قرار دیا۔ مگر انھوں نے ان کو یہ آفر دی کہ:۔

''ڈاکٹر صاحب! آپ کو اسلام آباد میں بہترین جگہ پر کمرشل اور رہائشی پلاٹ دیے جا سکتے ہیں۔ آپ پلازہ لے لیں مگر آپ راستے سے ہٹ جائیں کیونکہ یہ جگہ تجاوزات میں آئی ہے۔ ہم راتوں رات اس کو مسمار کر دیں گے''۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی فطری سچّائی کے ساتھ بے باکی کے انداز میں کہا کہ:۔

Marfat.com

''یہ غیر قانونی اور انتظامی حرکت ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس کی اصل وجہ کیا ہے''؟

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے ان سے مزید کہا کہ:۔

''اگر اس جگہ پر ناجائز قبضہ کیا گیا ہے تو آپ کو پہلے کیوں خبر نہیں ہوئی؟ کیا آپ اس وقت سو رہے تھے؟ جب میں نے یہ جگہ خریدی تھی''۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے چیئرمین CDA سے سوال کیا کہ:۔

i- ''کیا آپ نے میرے پلاٹ اور گھر کے کاغذات دیکھے ہیں؟

ii- کیا یہ جعلی دستاویزات ہیں؟''

ان باتوں کے بعد ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے اُس وفد کو دوٹوک الفاظ میں یوں کہا کہ:۔

میں نے یہ جگہ اوپن مارکیٹ سے خریدی ہے ضلع کونسل اسلام آباد سے نقشہ پاس کروایا گیا ہے۔ تحصیلدار جناب فرخ کو میں نے یہاں بلایا جہاں آپ بیٹھے ہیں تو اپنی تسلی کے لیے اس سے پوچھا تھا انھوں نے کہا تھا:۔

''ڈاکٹر صاحب! اس جگہ کا کوئی جھگڑا نہیں اور نہ ہی یہاں گھر بنانا غیر قانونی ہوگا''۔

''آپ انھیں بلا کر اپنی تصدیق کر لیں''۔

''میں نے پھر پلاٹ کا انتقال کر دیا تھا''۔

''واپڈا نے کنکشن دیا۔ ٹیلیفون لگے۔ یہ سب ناجائز نہیں تھا بلکہ قانونی عمل ہوا ہے۔ آپ لوگ مجھے یہاں سے نکل جانے کے لیے مجبور نہیں کر سکتے۔ میں عدالت سے رجوع کروں گا''۔

Marfat.com

اس پر نواز کھوکھر نے کہا کہ:۔

''ڈاکٹر صاحب! آپ جب تک عدالت کے دروازے تک پہنچیں گے تو آپ کا مکان اور گھر اور سارا بنی گالہ مسمار ہو چکا ہو گا''۔

وفد کے افراد ڈاکٹر صاحب کو دھمکیاں دے کر چلے گئے ڈاکٹر صاحب نے راتوں رات ایس۔ ایم ظفر سے رابطہ کیا اور عدالت سے رجوع کیا۔ جس پر عدالت نے حکومتی قدم کو غلط قرار دیا اور فیصلہ دیا کہ:۔

پوری بستی۔ بنی گالہ کو جائز قرار دیتے ہوئے لکھا کہ:۔

''ڈاکٹر عبدالقدیر خاں جیسے محسنوں کے لیے ایک گھر تو کیا پوری بستیاں اور شہر حاضر ہیں زندہ قومیں اپنے محسنوں کو اذیتیں نہیں دیا کرتیں''۔

یہ عہد ساز فیصلہ حکومت کے منہ پر ایک طمانچہ تھا۔ کسی نے دوبارہ بنی گالہ کی طرف منہ کرنے کی جرأت نہ کی۔ البتہ آپریشن میں بستی کے مکینوں کا لہو بہہ چکا تھا اور ہلاکتیں بھی ہوئیں۔

چونکہ اس وقت وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف تھے اور ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے ذہن میں ان کے بارے خیالات میں آ رہے تھے۔ تو چونکہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں بھی اہم شخصیت کے مالک تھے تو وزیر اعظم محمد نواز شریف نے ان کی خدمات کی قدر کرتے ہوئے اور اہمیت کے پیش نظر ان کے سامنے اپنی پوزیشن واضح کرنے کے لیے کہا کہ:۔

''انھوں نے آپریشن بنی گالہ کا حکم نہیں دیا تھا''۔

مگر بااثر شخصیات کے خلاف جب بھی کوئی کارروائی عمل میں لائی جاتی ہے تو اُسے اعلیٰ حکومتی احکامات کی ضرور سپورٹ حاصل ہوتی ہے۔ سیاست دانوں کے منافقانہ روّیوں کے باوجود ڈاکٹر خاں صاحب نے ان کے بارے میں نرم گوشہ ہی رکھا ہے اور

Marfat.com

انھوں نے 1998ء میں نواز شریف کوقوم کا ہیرو بنا دیا۔ محمد نواز شریف ایٹمی دھماکوں کے باعث دنیا بھر میں مقبول ہو گئے اور انہی دھماکوں کا صدقہ ہے کہ:۔

''وہ جان بچا کر سعودی عرب میں بیٹھے ہیں''۔

مختلف ذرائع کی معلومات میں ہے کہ جس طرح ذوالفقار علی کی پھانسی معاف کرانے کے لیے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے ضیا الحق سے سفارش کی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ بھٹو جیسا ذہین سیاستدان پھانسی سے بچ جائے مگر ضیا الحق ضد پر اڑے ہوئے تھے اور انھوں نے کہا کہ:۔

''ڈاکٹر صاحب! بھٹو کے بدلے کچھ اور مانگ لیں''۔

اِسی طرح ڈاکٹر عبدالقدیر نے محمد نواز شریف کو بچانے کے لیے فوج کا دل نرم کیا اور سعودی عرب جو ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو محسن اسلام سمجھتا ہے اُس نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے کہنے پر نواز شریف خاندان کو اپنے ملک میں پناہ دی ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر عبدالقدیر خان سابق صدر پاکستان فاروق لغاری
اور سابق وزیراعظم بینظیر بھٹو کے ساتھ

Marfat.com

باب نمبر: 28

وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کا کردار اور ڈاکٹر عبدالقدیر کی جرأت

یہ تو سب پر عیاں ہے کہ ہمارے ملک میں ہر حکومت امریکہ کے اشارے پر آتی اور جاتی ہے۔ خواہ وہ حکومت بے نظیر بھٹو کی ہو یا محمد نواز شریف کی۔ اسی طرح بے نظیر بھٹو دوسری بار امریکہ کے ساتھ مشروط تعاون پر حکومت میں آئی تھیں۔ 1994ء میں بے نظیر بھٹو نے امریکہ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ:۔

"وہ اب گذشتہ غلطیاں نہیں دہرائیں گے لہٰذا انھیں ایک موقع اور دیا جائے"۔

مگر امریکہ کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ:۔

"پاکستان ایٹم بم بنا چکا ہے"۔

جس کی وجہ سے امریکہ نے بے نظیر سے وعدہ لیا کہ:۔

"وہ ایٹمی پروگرام منجمد کر دیں گی"۔

بے نظیر حکومت نے آتے ہی سب سے پہلے سینڈک کے منصوبے میں مشروط محبت کے تحت چشم پوشی اختیار کی تھی۔ اس طرح بے نظیر نے KRL میں ایٹم بم کے

Marfat.com

منصوبوں کو تعطل پذیر کرنے اور پھر مکمل طور پر منجمد کرنے کا عمل شروع کیا۔ اپریل 1994ء میں ٹالبوٹ نے پاکستان کا دورہ کیا اور بے نظیر کو اس کا وعدہ یاد کرایا اسے جب پاکستانی افواج اور عوام کی KRL سے وابستگی کا احساس ہوا تو اس نے خاموشی سے اس عہد کو پورا کرنے کے لیے کہا:

لہٰذا وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے اگست 1994ء کو ڈاکٹر عبدالقدیر کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ:۔

ڈاکٹر صاحب! اگر امریکہ K R L میں ایک کیمرہ لگا لے تو کیا حرج ہے؟''

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو معاملے کی تہہ تک پہنچنے میں بالکل دیر نہ لگی۔ وہ فوراً بولے کہ:۔

''محترمہ! بات کیمرے کی نہیں ہے یہ بات بہت دور تک جائے گی۔ امریکہ کا جاسوس کیمرہ پاکستان کی سلامتی اور وقار کو تباہ کر دے گا''۔

''ڈاکٹر صاحب! آپ اس بات کی فکر نہ کریں۔ ملک کی سلامتی اور وقار کا خیال ہم بہت بہتر طریقے سے کر سکتے ہیں۔ بے نظیر بھٹو نے قائل کرنا چاہا''۔

''اگر آپ یہی چاہتی ہیں تو پھر ٹھیک ہے۔ میں استعفیٰ دے دیتا ہوں کیونکہ یہ کام میری موجودگی میں نہیں ہو سکتا''۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی دو ٹوک اور فیصلہ کن بات سے بے نظیر گھبرا گئیں۔ کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ ان حالات میں جب کہ امریکہ پاکستان پر ایٹمی توانائی کی وجہ سے پابندیاں لگانے کے لیے دھمکیاں دے رہا ہے تو اگر ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے استعفیٰ

Marfat.com

دے دیا تو عوام کا غیض وغضب ان کے لیے اور حکومت کے لیے خطرناک ثابت ہو گا۔ لہٰذا انھوں نے KRL میں کیمرہ لگانے کا منصوبہ ختم کر دیا۔ لیکن امریکہ کا یہی مقصد منصوبہ دوسری شکل میں کامیاب رہا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جب پرویز مشرف صاحب نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو مشروط معاہدے کے تحت KRL کی ذمہ داریوں سے ریٹائر کر دیا اور KRL کی ذمہ داریاں کچھ مقاصد کے تحت ایک جنرل کے سپرد کر دی گئیں۔

جو اُس وقت GHQ کی ہدایات کے مطابق KRL کی نگرانی کرتا رہا۔

بہرحال یہ بالکل مسلمہ بات ہے کہ مغربی ممالک میں حکومتیں ضرور تبدیل ہوتی رہتی ہیں مگر قومی اور ملکی مقاصد کے حصول کے ذرائع نہیں تبدیل ہوتے وہ اپنے ملک سے بالکل مخلص اور وفادار ہوتے ہیں۔ یہ صرف پاکستان کے حکمران ہی ایسے ہوتے ہیں جو قومی اور ملکی مفادات پر کرسی اور ذاتی مفادات کو کو ترجیح دیتے ہیں جو کہ سب کے سامنے عیاں ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

باب نمبر: 29

ڈاکٹر عبدالقدیر کی کہوٹہ سے فراغت

گذشتہ اوراق میں بار بار اس امر پر زور دیا جاتا رہا ہے کہ مغربی ذرائع ابلاغ اور مغربی طاقتیں پاکستان میں ''ایٹم بم'' کی ساخت کے بارے میں بڑے ہی پریشان اور فکر مند تھیں اور انھوں نے ہر ممکن طریقے سے پاکستان پر اس امر میں دباؤ بڑھایا۔ ہر پاکستانی سربراہ کے دور میں انھوں نے امداد بند کرنے کی دھمکیاں بھی دیں اور بعض اوقات امداد بند بھی کر دی اور آخر کار ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے خلاف جھوٹا اور بے بنیاد مقدمہ بھی قائم کر دیا گیا۔ جس کو آخر صداقت کی رو سے ختم کرنا پڑا جو کہ مغربی طاقتوں کے نزدیک شرمندگی سے کم نہ تھا اور آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور مرد مجاہد کی ان تھک کوششوں سے پاکستان اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گیا اور اپریل 1988ء کو پاکستان نے دنیا پر ایٹمی مقاصد میں کامیابی کو واضح کر دیا۔ اس کے پیچھے وہ آہنی بازو والا مرد مجاہد تھا جس کا کام تاریخ میں ''پاکستانی بم'' کے نام سے ہمیشہ سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔

جن مشکلات کا سامنا کر کے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے کہوٹہ پراجیکٹ پر کام کیا اور اسے کامیابی حاصل ہوئی عام صلاحیتوں کا مالک شخص ایسا اہم کام کبھی سر انجام نہیں دے سکتا جب کہ اندرونی اور بیرونی عناصر ان کے ہر عمل کے پیچھے ایک جاسوس کے طور

Marfat.com

پر لگے ہوئے ہوں۔

بڑے افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ اندرونی دشمن جو کہ لبادہ پاکستان اور پاکستانی قوم کے وفاداروں اور مخلصوں کا اوڑھے ہوتے ہیں اور ان کے خیالات اور اعمال غیروں کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں تو بیرونی دشمنوں کی نسبت اندرونی دشمن زیادہ خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ جن کی بڑی وجہ یہ ہوتی ہے ان پر بھروسہ کر لیا جاتا ہے کہ وہ تو ہمارے پاکستانی ہیں اور بروقت پاکستان کا دم بھرتے ہیں مگر ان کے سینوں کے حالات سے تو صرف خدا کی ذات ہی واقف ہوتی ہے صرف اُن کے ظاہری اعمال سے یہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے دل میں کیا ہے؟ اُن کی ظاہریت سے دل کے حالات کے بارے میں اندازہ صحیح بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی۔ مغربی طاقتیں تو روز ازل سے ہی اسلام اور اسلامی ممالک کے وجود کے خلاف ہیں۔ ان کی مخالفت اور دشمنی سب پر واضح ہے' ان کی کیفیت ''مار آستین'' سے مختلف ہے۔

بہرحال ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی فراغت اگرچہ ملازمت کا حصہ تھی۔ مگر ان کی فراغت میں اصل محرکات تو غیر ملکی طاقتیں تھیں جن میں سر فہرست امریکہ کا دخل تھا۔ جیسا کہ امریکہ کہوٹہ کے پروگرام کو ختم کرنے کے لیے کئی بار ماضی میں پابندیاں لگانے پر غور کرتا رہا ہے اسی طرح اس نے ستمبر 2001ء میں MTCR کے تحت پاکستان پر ایک بار دوبارہ پابندیاں عاید کر دیں اور یہ الزام لگایا گیا کہ:۔

> ''پاکستان میزائل سازی اور جدید ٹیکنالوجی کے عالمی معاہدوں کی خلاف ورزیاں کر رہا تھا' اس لیے اس پر پابندی ضروری ہے''۔

اپریل 1998ء میں غوری میزائل کا دھماکہ ہونے اور اسے منظر عام پر آنے کے بعد ان کا دائرہ مزید وسیع ہو گیا تھا۔ MTCR یعنی میزائل ٹیکنالوجی کنٹرول معاہدہ (Messiel technology control regulations) کے تحت نئی پابندیوں کے

Marfat.com

لیے امریکی سینٹ نے مزید قانون سازی شروع کر دی گئی تھی۔ امریکی محکمہ خارجہ نے مئی 1998ء کے آغاز میں اس امر کی تصدیق بھی کر دی گئی تھی کہ:۔

"پاکستان میزائل سازی میں حدیں کراس کر گیا ہے لہٰذا عنقریب پاکستان پر میزائل سازی اور ٹیکنالوجی کے لین دین پر پابندی عائد کر دی جائے گی"۔

انہی دنوں میں جب یہ مسودہ زیر غور تھا تو پاکستان نے دھماکہ کر دیا اور دنیا پر بالکل عیاں اور واضح ہو گیا کہ مغربی طاقتیں جو کچھ سوچ رہی تھیں وہ بالکل درست تھا۔

اس دھماکہ کے بعد امریکہ نے پاکستان پر دباؤ بڑھا دیا' اور امریکہ نے اس وقت کے وزیر اعظم پاکستان محمد نواز شریف سے کہا کہ:۔

"وہ کہوٹہ پر پابندی عائد کرنے میں تعاون کرے"

مگر محمد نواز شریف کے سامنے سب سے بڑی رکاوٹ کہوٹہ کے مجاہد ڈاکٹر عبدالقدیر خاں تھے۔ ان کی موجودگی میں کسی بھی حکومت کو اتنی جرات نہیں ہو سکتی تھی اور نہ وہ امریکہ کے سامنے ان کی موجودگی میں گھٹنے ہی ٹیک سکتے تھے۔ تو ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے واضح طور پر وزیر اعظم پاکستان محمد نواز شریف کو پیغام دیا کہ:۔

"وہ یقیناً ایسے معاہدے پر دستخط نہیں کریں گے جس سے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں لیبارٹریز کو عالمی ادارے مانیٹر کرنے لگ جائیں اور نہ ہی ایسا کوئی سسٹم بنایا جائے کہ جس کے تحت کہوٹہ میں جاری کام کا طریقہ متاثر ہو"۔

چونکہ ملک کے وزیر اعظم محمد نواز شریف پر زیادہ دباؤ تھا ان کے ساتھ بہت سے امریکی ایجنٹ بھی تھے جو ان کے نمک خوار تھے۔ وہ بھی وزیر اعظم محمد نواز شریف کو اس نقطے پر قائل کرنے میں مصروف تھے تاکہ ان کے آقا ان سے خوش ہو جائیں اور ان

Marfat.com

سب طاقتوں کے سامنے ناکامی کی وجہ صرف ڈاکٹر عبدالقدیر خاں ہی تھے۔ اگر وہ ہٹ جائیں تو سب کے راستے صاف ہوجاتے تھے اور وہ اپنے آقاؤں کو بڑی عمدگی اور شتابی سے خوش کر سکتے تھے اس لیے سب نے مل کر اُن کو راستے سے ہٹانے کا پروگرام مرتب کیا اور ان کے خلاف پرانی مخالف لابی جن میں درج ذیل شخصیات نمایاں طور پر اہم ہیں کو سامنے لایا گیا:۔

-i منیر احمد خاں کی لابی۔

-ii ڈاکٹر ثمر مبارک۔

-iii ایٹمی توانائی کمشن کے ممبران وغیرہ۔

جب ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے خود ہی استعفیٰ دینے کا ارادہ بنا لیا کیونکہ وہ ایک خود دار فرد ہیں وہ کسی کے مرہون منت رہنا پسند نہیں کرتے مگر اس کے درمیان جنرل کرامت آ گئے تو انھوں نے مخالف لابی کی سرزنش کی تو وہ خاموش ہوگئی۔ اور ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اپنے ارادوں کی تکمیل میں یکسوئی سے پھر کام میں لگ گئے۔ مگر 12 اکتوبر 1999ء کو جب جنرل مشرف پرویز صاحب نے ملک کا اقتدار سنبھالا تو ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے خلاف متحرک یہودی لابی اور اس کے کارندوں نے دوبارہ ان کا راستہ کاٹنے اور کام سے روکنے کے حربے اختیار کیے اور چیف ایگزیکٹو صاحب کے حکم پر S.P.D کے نام سے ایک ادارہ بنایا گیا اور اس ادارے کے سربراہ جناب جنرل خالد احمد قدوائی صاحب مقرر کیے گئے اس ادارے کے قیام کا بڑا مقصد یہ تھا کہ:۔

"ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی جرأت اور سرگرمیوں کو قابو کرنا تھا"۔

کیونکہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو ہر حکمران نے ون ٹو ون ملاقات کا موقع دیا تھا جو کہ ان کے لیے بڑے اعزاز احترام کا نشان تھا اور وہ اپنی ملاقات کے دوران کہوٹہ کے تمام پیچیدہ معاملات کو فوری طور پر حل کرا لیتے تھے اور کسی حکمران نے بھی اس

Marfat.com

معاملے میں انھیں تنگ نہیں کیا تھا کیونکہ ان کو علم تھا کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ سب کچھ ملکی مفاد کے لیے محفوظ اور بہتر ہوگا۔

جب محمد نواز شریف دوبارہ وزیراعظم بنے تو وہ قدرے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں سے بدظن ہو گئے تھے اس کی بڑی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ وہ عقل کے کورے تھے اور انھیں کہوٹہ کی باریکیوں اور ضرورتوں سے واقفیت نہ تھی۔ اس کے علاوہ وہ اپنے ''آقاؤں'' کے اشاروں کے تحت چشم پوشی بھی اختیار کرتے تھے اور جب ڈاکٹر عبدالقدیر خاں ان کے پاس کوئی بھی کہوٹہ کے بارے میں کام لے کر جاتے تو وہ اس کام کو کرنے کے لیے پس و پیش کرتے تھے۔

مگر جب 12 اکتوبر 1999ء میں فوجی حکومت نے اقتدار سنبھالا تو حالات میں مزید تبدیلی رونما یہ ہوئی کہ:۔

''ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی وزیر اعظم ہاؤس اور ایوان صدر میں ملاقاتوں کو نئے سسٹم کے تحت لایا گیا''۔

مگر چونکہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں حکومت کے دفتری معاملات اور فوج کے مزاج سے واقف تھے اس لیے انھوں نے اس تبدیلی پر کوئی اعتراض نہ کیا اور نہ کوئی ردعمل ہی وقوع پذیر ہوا کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ:۔

''کہوٹہ کے کام کا ایک طریقے کار اور فول پروف رازداری ہے جو بیوروکریسی کے مخصوص طریقہ کار کے تحت نہیں چل سکتا''۔

ڈاکٹر عبدالقدیر کا یہ طریقہ کار تھا کہ وہ تحقیقی نوعیت کے کاموں میں نہایت مستعدی اور سرگرمی سے کام لیتے تھے۔ لیکن جب انھیں S.P.D کے جنرل صاحب کے حضور پیش ہونے کا پابند کیا جانے لگا تو معاملہ بگڑنے لگا۔

ذرائع کے مطابق S.P.D قائم کرنے کا اصل مقصد یہ تھا کہ:۔

Marfat.com

"ان امریکی پابندیوں کی راہ ہموار کی جائے جو پاکستان میں یورینیم کی افزودگی کے عمل کو روکنے کے لیے لگائی جاتی رہی ہیں"۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کہوٹہ کے معاملے میں کسی قسم کے سمجھوتے کے قائل نہ تھے اور نہ وہ کسی کے سامنے جھکنا اور جی حضوری کے ہی قائل تھے کیونکہ انھیں اپنے کام پر عبور حاصل تھا اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا تھا اور جی حضوری کو ان افراد کا کام ہوتا ہے جو بغیر کام کیے حرام خوری کے عادی ہوتے ہیں اور ان میں کام کرنے کی کوئی صلاحیت نہیں ہوتی۔

کہا جاتا ہے کہ:۔

"ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے ان حالات میں واضح کر دیا تھا کہ یہ سارا کام/عمل انھیں کہوٹہ سے ہٹانے اور کہوٹہ کے پراجیکٹ کو منجمد کرنے اور اس کے کلچر کو تبدیل کرنے کے لیے کیا جا رہا ہے"۔

جب عبدالقدیر خاں نے حکومت کے ان اعمال کا بغور جائزہ لیا اور مطالعہ کیا اور وہ سمجھ بیٹھے کہ:۔

"فوجی حکومت کہوٹہ کے معاملے میں انھیں جھکانا چاہتی ہے تو وہ شیر کی مانند انگڑائی لے کر بیدار ہو گئے۔ انھوں نے کسی قسم کا سمجھوتہ کرنا پسند نہ کیا"۔

مگر دوسری طرف فوج کے افسران بھی شیروں کی مانند ہوتے ہیں ان کو بھی کسی کے سامنے آسانی سے جھکنا پسند نہیں ہوتا۔ تو جب انھوں نے دیکھا کہ ہمارے سامنے بھی شیر ہی کھڑا ہے جس کو راستے سے ہٹانا ضروری ہے۔ تو انھوں نے اس کو راستے سے ہٹانے کے لیے ملازمت سے ریٹائر کر دیا۔

اگرچہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی ریٹائرمنٹ معمول کا حصہ تھا اور قانونی طور پر

Marfat.com

انھیں مارچ 2001ء کو ملازمت سے ریٹائر ہو جانا تھا اور ڈاکٹر خاں صاحب نے بھی اپنے ماضی کو قائم رکھنے کے لیے ریٹائرمنٹ کو ہی اپنے لیے بہتر سمجھا کیونکہ اس سے قبل ان کی ملازمت میں دو مرتبہ توسیع کی جا چکی تھی اور اب وہ کسی کے ساتھ سودے بازی میں شریک ہونا پسند نہ کرتے تھے۔

اُن کی بے نظیر بھٹو نے اپنے دور اقتدار میں 3 سال کی ملازمت میں توسیع کی چونکہ انھیں 1996ء میں ملازمت سے ریٹائر ہونا تھا مگر ان کی ملازمت میں 1999ء تک توسیع کر دی گئی۔ اُن کے بعد محمد نواز شریف نے 1999ء تا 2001ء دو سال کے لیے ملازمت کی مدت میں اضافہ کر دیا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے ایٹمی دھماکوں کے بعد حکومت نے تو ان کو اس محنت اور جانفشانی کے کام کے صلے میں تاحیات چیئرمین بنانے کا لائحہ عمل تیار کر لیا تھا جو کہ ان کی خدمات کی تحسین کا بہترین ذریعہ تھا اور یہ کام نہ صرف حکومت ہی چاہتی تھی بلکہ ان کے ساتھ پوری قوم کی بھی یہی آواز تھی۔

''کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں تاحیات کہوٹہ کے چیئرمین رہیں اور ان سے ان کی شایان شان سلوک کیا جائے''۔

جس کی وجہ سے ان کو پہلے چیف ایگزیکٹو کا مشیر برائے سٹریٹیجک امور مقرر کیا گیا جس سے انھوں نے انکار کر دیا' اور یہ کہا گیا کہ:۔

''اب مجھے کسی قسم کے عہدے کی ضرورت نہیں ہے''۔

وہ ذاتی طور پر سماجی بہبود کے کام کرنا اور گھر والوں کو وقت دینا چاہتے ہیں''۔

مگر قوم ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی ریٹائرمنٹ کے محرکات کو اچھی طرح جان گئی تھی۔

مگر اس کے بعد ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو کہوٹہ معاملات کے لیے مشیر مقرر کیا گیا جس کو انھوں نے قبول کر لیا کیونکہ وہ تو ان کا ایک بویا ہوا درخت تھا۔ جس کی پرورش

Marfat.com

سیرابی کا کام ان کے لیے ضروری اور اہمیّت کا حامل ہے۔ جس کی وجہ سے انھوں نے کہوٹہ کی مشاورت کو قبول کر لیا۔ اس مردِ مجاہد کی ریٹائرمنٹ سے حکومت کی ہمیشہ سے سردردی ختم ہو گئی جو کہ مغربی طاقتوں نے قائم کر رکھی تھی۔ امریکہ تو بہت ہی خوش ہوا' مگر قوم جرنیلوں کے اس کام سے خوش نہیں ہوئی۔

فوج چونکہ ایک ہر قوم کا مقدس ادارہ ہوتا ہے اس لیے اس کا ڈاکٹر عبدالقدیر کے ہٹانے میں زیادہ دخل نہیں ہوگا۔ جتنا کہ این جی او مافیا کے ہاتھوں کا ہے۔ جنھوں نے چند جرنیلوں سے یہ کام لیا اور اپنا رستہ صاف کر کے دم لیا مگر قوم کے احساسات کو کچل دیا گیا۔

بعض ذرائع کا یہ بھی کہنا ہے کہ ڈاکٹر عبدالقدیر کو ہٹانے میں بعض ایسے جرنیل بھی تھے جو ماضی میں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے بریف کیس کو اٹھانا فخر سمجھتے تھے اور انھیں دیکھ کر ادب سے ان کے سامنے اپنی گردن کو جھکا دیتے تھے۔ مگر آج وہی لوگ:۔

''ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو سٹک کے اشارے سے بلانا' ملاقات کے دوران لائن میں لگنے اور جھکنے کے لیے مجبور کرنا چاہتے تھے''۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی فراغت کے بعد کہوٹہ لیبارٹریز فوج کی صوابدید اور ہدایات کے مطابق کام کر رہی ہیں اور GHQ کی مرضی کے بغیر کام نہیں ہو سکتا۔

اس میں قوم کے لیے قابلِ غور امر یہ ہے کہ وہ ادارہ جو اپنے وسائل خود پیدا کرتا تھا اور آزادی سے کام کرتا تھا۔ اب وہ غیر ملک امریکہ کے اشارات پر کام کر رہا ہے جس سے امریکہ کی خواہشات کی تکمیل ہو رہی ہے۔

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ:۔

جب کسی قوم یا ادارے کی اپنی ثقافت اور نظام ختم ہو جاتا ہے تو وہ قوم تباہ و برباد ہو جاتی ہے کہوٹہ کا کلچر بھی تباہ ہو گیا ہے۔

Marfat.com

الوداع اے کہوٹہ! تو نے کمزور ملک پاکستان کو زندگی دی۔ تو نے انھیں توانا بنایا۔ جنھوں نے 1971ء میں ہندوستانی فوج کے سامنے ہتھیار پھینک دیے تھے۔ آج انھوں نے تیرے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے جن کا بڑا مقصد محض تیرے دشمنوں کو خوش کر کے اپنے اقتدار کو مضبوط کرنا اور طول دینا ہے۔ شاید اپنے ضمیر اور دل میں وہ بھی اس امر کو ناپسند ہی سمجھتے ہوں اور وہ ایک مثبت اور حالات کی مجبوری کے تحت ہی اس کو کرنا گوارہ کر چکے ہوں۔ مگر چونکہ ان کے ہاتھوں ہوا ہے اس لیے اس کام کے ہیرو بھی وہی کہلا سکتے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس ملک کو قائم کیا تھا۔ اس لیے وہی اس کا محافظ ہے۔ جو اس ملک کو ہر قسم کے مصائب اور بلاؤں سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

Marfat.com

باب نمبر: 30

پاکستان کا ایٹمی پروگرام اور امریکہ کا کردار

پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں سب سے زیادہ مخالفت اور تشویش کا اظہار امریکہ کی جانب سے ہوا تھا۔ امریکی حکومت ارکان کانگریس و سینٹ ذرائع ابلاغ اور دیگر حلقوں نے ایٹمی ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کے حوالے سے ہمیشہ پاکستان کو اعتراض و تنقید کا نشانہ بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ 1975ء کے بعد سے ایٹمی پروگرام پاک امریکہ تعلقات پر مسلسل اثر انداز ہوتا رہا ہے اس عرصے کے دوران کم از کم تین بار فوجی اور اقتصادی امداد بند ہوئی بعض اوقات پاکستان کو ''خوفناک انجام کی عبرت ناک مثال'' بنانے کی دھمکیاں بھی دی گئیں۔ پاک امریکی تعلقات میں کشیدگی اور مایوسی کے یہ ادوار اس وقت بھی آئے جب کہ دونوں ملک سیٹو اور سینٹو جیسے دفاعی معاہدوں میں منسلک تھے اور پاکستان کو امریکہ کا حاشیہ بردار ہونے کی وجہ سے طعن و تشنیع یا نشانہ بنایا جاتا تھا اور ایسے مرحلے بھی آئے کہ امریکیوں نے ایٹمی ٹیکنالوجی کے میدان میں پاکستان کی سرگرمیوں سے چشم پوشی اختیار کی جس سے یہاں یہ احساس پیدا ہوا تھا کہ ''ایٹمی عدم پھیلاؤ'' کے سلسلے میں امریکی پالیسی وقتی مصلحتوں اور تضادات کا شکار تھی۔ ایک ہی منٹ میں پاکستان کے پروگرام کی مخالفت اور بھارت کے ایٹمی پروگرام کے چشم پوشی یا عراق کے ایٹمی پروگرام کے خلاف جارحانہ عزائم دوسری جانب اسرائیل اور جنوبی افریقہ کو کھلی

Marfat.com

چھٹی۔ اس طرزِ عمل کے نتیجے میں جس کی ذمہ داری واشنگٹن میں برسر اقتدار آنے والی مختلف حکومتوں کی کوتاہ نظری اور عوامی نمائندوں کی بے اصول سیاست پر عائد ہوتی ہے۔ امریکہ کے عالمی تصورات کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے اور ایٹمی ہتھیاروں کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے اس نے رضاکارانہ طور پر جو ذمہ داری قبول کی ہے اس کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہوئے تھے۔ نوع انسانی کو ایٹمی جنگ کے خطرات سے نجات دلانا یقیناً ایک اعلیٰ وارفع مقصد تھا۔ لیکن اس منزل کے حصول کے لیے کی جانے والی یہ جدوجہد مذہبی علاقائی یا رنگ ونسل کی بنیاد پر تعصب سے آلودہ ہو جائے تو بہت پریشان کن اور فطری امر ہے بہرحال امریکی معقولیت پسند حلقوں میں یہ محسوس کیا جانے لگا تھا کہ دنیا بھر میں ایٹمی ہتھیاروں کے پھیلاؤ کا رجحان تیزی کے ساتھ فروغ پا رہا ہے تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ امریکہ سمیت بعض طاقتوں نے اس رجحان کے سدباب کے لیے جو کوششیں کی تھیں ان میں خلوص نیت کا شدید فقدان تھا۔

ایٹمی ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کے معاہدے کے غیر موثر ہونے کی وجہ یہ تھی کہ امریکہ سمیت ایٹمی ممالک خود اپنے اسلحہ خانوں کو ایٹمی ہتھیاروں سے آراستہ کرتے رہے جبکہ دوسروں کو اس شجر ممنوعہ سے دور رہنے کی تلقین کرتے رہے جو کہ:۔

"اوروں کو نصیحت خود میاں فضیحت" کے مصداق ہے۔

این پی ٹی (Non- Prolifration Treaty) (NPT) کے تحت یہ بھی ضروری تھا کہ غیر ایٹمی ممالک کو ہمسایہ ایٹمی ممالک کی جانب سے لاحق جارحیت کے خدشات کو پیش نظر رکھتے ہوئے انھیں تحفظ کی قابل اعتماد ضمانت فراہم کی جاتی مثال کے طور پر عرب ممالک کو اسرائیل کی ایٹمی قوت سے اور پاکستان کو بھارت کے ایٹمی ہتھیاروں سے جو خطرہ لاحق تھا اس کا نوٹس لینے کی قطعاً کوئی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ ایسی صورت میں چھوٹے ممالک کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ اپنی

Marfat.com

خود مختاری اور سلامتی کے تحفظ کے لیے خود بھی ایٹمی اسلحہ تیار کریں۔ بلاشبہ ترقی پذیر اور محدود وسائل کے حامل ممالک کے لیے ایٹمی اسلحہ سازی کی راہ پر گامزن ہونا ایک صبر آزما اور تکلیف دہ مرحلہ ہے۔ لیکن بیرونی جارحیت کا سدباب نہ کرنا بھی خودکشی کے مترادف تھا۔

پاکستان جیسے ملک نے جو صدق دل سے عالمی امن کا خواہاں تھا ایٹمی اسلحہ سازی کا تلخ فیصلہ بھارتی عزائم کے پیش نظر کیا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی پاکستان کے عوام جنوبی ایشیا میں ایٹمی اسلحہ کی دوڑ کا تدارک کرنے کی کوشش میں بھرپور تعاون کے لیے ہر وقت تیار اور آمادہ ہیں۔ پاکستان میں ایٹمی ٹیکنالوجی کو متعارف کرانے کا سہرا امریکہ کے سر ہے۔ جس کی تفصیل درج ذیل سطور میں دی جاتی ہے:۔

i- سابق صدر امریکہ آئزن ہاور نے عالمی جنگ کے خاتمے کے بعد ایٹمی توانائی کو انسانی بہبود کے لیے استعمال کرنے کا تصور پیش کیا تھا اور ان کی کوشش تھی کہ قوت و توانائی کے اس لامحدود خزانے کے پُرامن مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا رجحان دنیا بھر میں فروغ پائے۔ یہ وہ دور تھا کہ جب امریکہ اور پاکستان کے مابین عمدہ تعلقات کا دور شروع ہو چکا تھا۔ صدر آئزن ہاور کی ہدایت پر 1954ء میں ''ایٹم برائے امن'' کے موضوع پر ایک گشتی نمائش پاکستان کے مختلف شہروں میں منعقد کی گئی اور لاکھوں پاکستانیوں نے پہلی بار ایٹمی توانائی کے پُرامن استعمال کے بارے میں آگاہی حاصل کی تھی۔

ii- 1957ء میں امریکہ کی کوششوں سے پاکستان کو انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی کے بورڈ آف گورنر کا رکن منتخب کیا گیا۔ بعد ازاں امریکہ میں ایٹمی ٹیکنالوجی کے بعض مختار اداروں اور پاکستان کے مابین دو طرفہ معاہدے طے پائے جن کے تحت پاکستان اٹامک انرجی ایجنسی کے سائنسدانوں کو ان اداروں میں تربیت حاصل کرنے کی سہولتیں حاصل ہوئیں۔

Marfat.com

iii- ذوالفقار علی بھٹو نے ری پراسسنگ پلانٹ کے حصول کے لیے فرانس کی فرم ایس۔ جی۔ این سے 1973ء میں ابتدائی نوعیت کے مذاکرات شروع کر دیئے تھے۔ لیکن امریکی حلقے اس بارے میں بے خبر تھے اور پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں امریکی رویہ 1974ء میں اس وقت تبدیل ہوا جب راجستھان میں بھارت کے ایٹمی دھماکے کے بعد جناب ذوالفقار علی بھٹو نے شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے اعلان کیا کہ:۔

"بھارتی دھماکے کے نتیجے میں برصغیر کی صورت حال تبدیل ہو گئی تھی۔ اسی موقع پر انھوں نے پاکستانی ایٹم بم بنانے کا واضح اشارہ بھی دے دیا تھا۔ بھٹو مرحوم راجستھان کے ایٹمی دھماکے سے پیدا شدہ صورت حال سے فائدہ اٹھانے کے لیے ایک جانب سفارتی محاذ پر سرگرم عمل ہوئے۔ تو دوسری طرف انہوں نے ایٹم بم بنانے کے لیے اپنی کوششوں کو تیز تر کر دیا' انھوں نے مغربی طاقتوں کو خصوصی طور پر امریکہ کو یہ احساس دلانے کی کوشش کی کہ بھارت ایٹمی ہتھیاروں کے ذریعے پاکستان کو بلیک میل کرے گا۔ اس لیے پاکستان کو تحفظ فراہم کیا جائے۔ فوری طور پر وزیر خارجہ عزیز احمد مغربی دارالحکومتوں کے دورے پر روانہ ہوئے لیکن کسی بھی طاقت نے اس معاملے میں پاکستان کے موقف سے ہمدردی کا اظہار نہیں کیا"۔

امریکہ نے بھارت کے ایٹمی پروگرام/ دھماکے کو پاکستان کی سلامتی کی بجائے عالمی سطح پر ہتھیاروں کے پھیلاؤ کے پس منظر میں دیکھتے ہوئے اپنی کوششوں کو تیز تر کر دیا۔ فوری طور پر ایٹمی سامان کی برآمد کنندگان کا ایک خفیہ اجلاس لندن میں بلایا گیا تھا۔ جس میں ایٹمی برآمدات کو کنٹرول کرنے کے لیے بعض ضوابط وضع کیے گئے اور ذوالفقار

Marfat.com

علی بھٹو خود بھی یہی چاہتے تھے کہ بھارت کے ایٹمی دھماکے کے بعد ان کا ہاتھ آزاد ہو جائے اور ایٹمی اسلحہ سازی کے اس پروگرام کو جاری رکھنے کا اخلاقی' سیاسی جواز فراہم ہو سکے جو وہ 1973ء میں شروع کر چکے تھے۔ فروری 1975ء میں انھوں نے اشارتاً امریکہ سے کہا کہ:۔

"ایٹمی اسلحہ کے بارے میں پاکستان کی پالیسی کا دار و مدار مناسب تعداد مین روایتی اسلحہ کی فراہمی پر ہے"۔

حقیقت یہ تھی کہ اسلحہ کی فراہمی کی شرط بھی بھٹو صاحب نے محض اتمام حجت کے لیے عائد کی تھی۔ تاکہ امریکہ کے انکار کو ایٹم بم بنانے کے سلسلے میں جواز کے طور پر پیش کیا جا سکے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ اگرچہ جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب بڑے جوشیلے مگر سمجھ دار سیاستدان تھے اور وہ اپنے جوش میں پوشیدہ طور پر سرگرمیوں کو برملا اعلانات اور شعلہ نوائی کے باوجود فروری 1974ء تک امریکہ پاکستان کے ایٹمی عزائم کے بارے میں کوئی شکایت نہ تھی۔ اس کا بین ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ ان دنوں پاکستان نے ایٹمی ٹیکنالوجی کے متعلق بعض اشیاء کی شرائط خریداری کے بارے میں انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی سے ایک معاہدہ کیا تو بورڈ آف گورنرز میں امریکہ نے پاکستان کی حمایت کی تھی۔

1976ء میں امریکہ میں الیکشن کا سال تھا اور صدر فورڈ (ری پبلکن) اس کوشش میں تھے کہ آج کے حریف ڈیموکریٹک پارٹی پر یہ الزام عائد نہ کرے کہ انھوں نے بھارت کے ایٹمی دھماکے کے بعد ہی رجحان کو روکنے کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا' ادھر جمی کارٹر نے جو صدارتی انتخاب میں ان کے مدمقابل تھے۔ ایٹمی اسلحہ کے پھیلاؤ کو انتخابی مسئلہ بنایا ہوا تھا۔ ابھی اس سیاسی ضرورت کے تحت فورڈ نے پاکستان پر دباؤ ڈالنے

Marfat.com

کی پالیسی اختیار کی انھیں اس موقع پر بھارت نواز حلقوں کی حمایت درکار تھی۔ انتہائی بے صولی بلکہ بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے مفاد کی خاطر انھوں نے راجستھان کے یٹمی دھماکے پر بھارت کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی اور ری پراسسنگ پلانٹ کا سودا ممنوع کرنے کے لیے پاکستان پر دباؤ اسی پالیسی کی ایک کڑی تھی اس دوران کانگریس میں بعض سینٹرز جن میں:-

-i ربی کوف -ii جان کلن سینٹر

-iii چرچ -iv پرسی سینٹر

مسلسل فورڈ انتظامیہ کو مجبور کر رہے تھے کہ پاکستان کو ایٹمی اسلحہ سازی کی جانب بڑھنے سے روکا جائے۔

کینیڈا نے کراچی کے نیوکلیر پاور ری ایکٹر (کانوپ) کے لیے ایندھن کی فراہمی روکی تو صدر فورڈ نے اسی سیاسی ضرورت کے تحت اس اقدام کا خیر مقدم کیا تھا۔

حقیقت یہ تھی کہ ایٹمی اسلحہ کے مسئلے پر فورڈ انتظامیہ زیادہ پُرجوش نہیں تھی۔ ری پراسسنگ پلانٹ کے معاملے میں فورڈ نے اگر کسی سرگرمی کا مظاہرہ کیا تو اس کی ذمہ داری جناب ذوالفقار علی بھٹو اور ان کے مشیروں پر عائد ہوتی ہے۔

جنھوں نے اس معاملے کو غیر ضروری طور پر اس قدر اچھالا کہ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وزارت ہائے خارجہ و اطلاعات کی ترجیحات میں ری پروسسنگ کا مسئلہ سرفہرست ہے مولانا کوثر نیازی کا کہنا ہے کہ:-

"بھٹو مرحوم نے کہوٹہ پراجیکٹ سے دنیا کی توجہ ہٹانے کے لیے ری پراسسنگ پلانٹ کے معاملے کو بھرپور طریقے سے اچھالا"۔

بہرحال اس حکمت عملی کے نتیجہ میں کہوٹہ پلانٹ کی جانب کسی کی توجہ مبذول ہوئی یا کہ نہیں ہوئی کہیں یہ حقیقت ہے کہ ری پراسسنگ پلانٹ کو پاکستان کے لیے زندگی

Marfat.com

اور موت کا مسئلہ بنا کر پیش کرنے سے بیرونی دنیا کا یہ شک یقین میں تبدیل ہو گیا کہ:۔

"پاکستان مذکورہ پلانٹ سے پلوٹونیم حاصل کر کے ایٹم بم بنائے گا"۔

مگر صدر فورڈ کے وزیر خارجہ نے اس وجہ سے پاکستان کو ایک زبردست دھمکی یہ دی تھی کہ:۔

"وزیر خارجہ ڈاکٹر ہنری کسنجر نے یہ دھمکی دی کہ اگر ڈیموکریٹک پارٹی انتخاب جیت کر برسر اقتدار آ گئی تو "عبرت کی خوفناک مثال" بنا دیں گے۔ چنانچہ ہوا بھی ایسا ہی کیونکہ جونہی ڈیموکریٹک پارٹی نے الیکشن جیتا اور جمی کارٹر نے وائٹ ہاؤس میں قدم رکھا تو ایک حکم جاری کیا۔ جس کے تحت:۔

ایٹمی توانائی سے متعلق ایٹمی ٹیکنالوجی سے متعلق ان اشیاء کی برآمد بھی ممنوع قرار دے دی گئی جو این پی ٹی (N.P.T) کے تحت ممنوع نہیں تھیں اس کے بعد امریکی امداد کے قانون مجریہ 1961ء میں بھی ترمیم کر دی گئی۔ جو "سمنگٹن ترمیم" کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس ترمیم کے تحت کسی بھی ایسے ملک کو جو ایٹمی اسلحہ سازی کی ٹیکنالوجی حاصل کرے گا۔ ان کو امریکی فوجی و اقتصادی امداد نہیں دی جائے گی اور کوئی بھی ملک جو غیر ایٹمی ملک کو مذکورہ بالا ٹیکنالوجی فراہم کرے گا امریکہ سے فوجی قرضے حاصل نہیں کر سکے گا۔ ری پراسسنگ پلانٹ کی منسوخی کے لیے پاکستان پر امریکہ کے بڑھتے ہوئے دباؤ کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے امریکہ کے اس معاملے کی مذمت کرتے ہوئے دفاعی معاہدے سے علیحدگی کی باتیں شروع کر دیں۔ انھیں اس امر کا بھی گلہ تھا کہ امریکہ پاکستان کے مقابلے میں بھارت کے ساتھ شفقت اور مہربانی کا سلوک کر رہا ہے حالانکہ بھارت اور امریکہ باہمی تعاون اور دوستی کے معاہدے میں منسلک نہیں تھے ان کا یہ شکوہ بھی بجا تھا کیونکہ بھارت ایٹمی دھماکہ کرنے

Marfat.com

ے بعد امریکہ اور بعض دیگر مغربی ممالک کی نظروں میں سرخرو رہا۔ ایک بھارتی مصنف
ور کے مطابق ''دھماکے کے بعد (بھارت نے اپنے ۸ ری ایکٹروں کے لیے امریکہ
ے دو سوٹن افزودہ یورینیم حاصل کیا بعد میں کانگریس کے بعض ارکان کے اعتراض پر
رت کو یورینیم کی مزید فراہمی روکنے کا فیصلہ کیا گیا تو جمی کارٹر نے خصوصی اختیارات
ے تحت اس فیصلے کو مسترد کر دیا اور فرانس کے ذریعے بھارت کو مطلوبہ یورینیم فراہم کیا۔
قطع نظر اس کے کہ جمی کارٹر صدر امریکہ کی حکومت کا یہ رویہ انصاف اور رواداری
بنی تھا۔ ہمیں خود سفارتی محاذ پر اپنی کوتاہی بلکہ نااہلی کا اعتراف کرنا پڑے گا کیونکہ:۔
جناب ذوالفقار علی بھٹو نے محاذ آرائی میں مزید شدت پیدا کرنے کے لیے 28
ریل 1977ء کو قومی اسمبلی میں تقریر کے دوران نہایت تیز و تند لہجہ اختیار کرتے ہوئے
مریکہ پر الزام عائد کیا تھا کہ:۔

''وہ ایٹمی پلانٹ کی خریداری کا معاہدہ کرنے کے جرم میں انھیں
اقتدار سے محروم کرنے کے درپے ہے''۔

مولانا کوثر نیازی کے بقول:۔

''امریکہ کے خلاف اس براہ راست الزام کو سن کر گیلری میں بیٹھے
ہوئے سفارتی نمائندے حیران رہ گئے تھے اور بعد ازاں امریکی
حکومت نے اس الزام تراشی پر احتجاج بھی کیا''۔

iv- جولائی 1977ء میں جنرل ضیا الحق برسر اقتدار آئے تاہم ری پراسسنگ
پلانٹ کے بارے میں پاکستان کی پالیسی میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ جس
کی وجہ سے امریکہ کے دباؤ میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا گیا۔ جنوری 1978ء
میں صدر جمی کارٹر خود پیرس گئے اور فرانس کے نئے صدر گیس کارڈ دیس تان کو
قائل کر کے پاکستان کو مذکورہ پلانٹ کی فراہمی کا سمجھوتہ منسوخ کرا دیا۔ اس

Marfat.com

کے فوراً بعد امریکہ نے پاکستان کو امداد کی بحالی کے سوال پر غور کرنا شروع کر دیا اور اکتوبر 1978ء میں امداد بحال ہوگئی۔ اس دوران برطانیہ میں ایمرسن الیکٹرک کمپنی کا واقعہ پیش آیا اور یہ منظر عام پر آ گیا کہ:

''کہ کہوٹہ میں یورینیم افزودگی کا پلانٹ لگایا جا رہا ہے''۔

امریکیوں نے اس بارے میں تحقیقات کرائیں جو کہ درست ثابت ہوئیں۔ چنانچہ مئی 1979ء میں ایک بار پھر امداد بند ہوگئی اور قرضوں کی ادائیگی میں رعایت کے لیے پاکستان کی درخواست بھی مسترد ہوگئی ستمبر 1979ء میں جنرل ضیا الحق واشنگٹن گئے اور صدر کارٹر کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ:

''پاکستان کا ایٹمی پروگرام پرامن مقاصد کے لیے ہے''۔

اگلے ماہ آغا شاہی بھی امریکہ گئے اور صدر خارجہ سائرس وینس کے ساتھ مذاکرات کیے مگر ایٹمی مسئلے پر مفاہمت نہ ہوسکی۔ جنوری 1979ء میں ایران میں شہنشاہیت کا خاتمہ اور اسلامی انقلاب کی کامیابی میں وہاں امریکی مفادات کو شدید نقصان پہنچا تھا۔ چنانچہ اس علاقے میں اپنے اثر و رسوخ کی بحالی کے لیے امریکہ کو پاکستان کا تعاون درکار تھا۔ کارٹر حکومت کے پیش نظر یہ تجویز تھی کہ:۔

''خلیج کی سلامتی کے نظام میں پاکستان کو بھی شامل کیا جائے۔ پاکستان نے اصولی طور پر اس کو قبول کر لیا تاکہ فوجی اور اقتصادی امداد بحال ہو سکے۔ اس سلسلے میں واشنگٹن میں باہمی مذاکرات کا سلسلہ بھی شروع ہوا لیکن اس موقع پر امریکی فوج کے جنرل سمتھ نے جو امریکی مذاکراتی ٹیم کے لیڈر تھے۔ پاکستان کے ایٹم سازی کے پروگرام کے بارے میں ٹھوس شہادتیں پیش کر دیں جس کے نتیجہ میں معاملہ بگڑ گیا''۔

Marfat.com

باب نمبر: 31

افغانستان پر روسی حملہ

ان حالات کے بعد پاکستان اور امریکہ کے تعلقات کے درمیان ایک بار پھر سرد مہری کی فضا پیدا ہوگئی۔ لیکن 25 دسمبر 1979ء کو سوویت یونین نے افغانستان پر فوجی قبضہ کر لیا۔ تو پاکستان کے بارے میں امریکی پالیسی میں ڈرامائی انداز میں تبدیلی آئی اور ایٹمی عدم پھیلاؤ کی پالیسی پس منظر میں چلی گئی۔ سینٹر کلن اور سینٹر پرسی جیسے لوگ جو ایٹمی عدم پھیلاؤ کے نہایت پر جوش علمبردار تھے۔ وہ حکومت امریکہ پر زور دینے لگے کہ افغانستان میں سوویت یونین کی جارحیت کے پیش نظر ایٹمی پالیسی کے معاملے میں پاکستان کے ساتھ خصوصی رعایت کی جائے اور اسلام آباد کی جانب سے یقین دہانیوں کو تسلیم کر لیا جائے امریکی وزارت خارجہ اور وزارت دفاع کے اعلیٰ حکام نے بھی پاکستان کو امداد فراہم کرنے پر زور دیا۔ اس کے ساتھ انھوں نے ایٹمی عدم پھیلاؤ پالیسی سے اپنی گہری وابستگی کا اظہار کیا۔

نئی صورت حال میں امریکی ترجیحات تبدیل ہوگئیں اور روسی اشتراکیت کی پیش قدمی کا سدباب جملہ امور کے مقابلے میں زیادہ اہم قرار دیا تو صدر کارٹر نے پاکستان کو 480 ملین ڈالر کی فوجی و اقتصادی امداد کی پیش کش کی۔ صدر ضیا الحق کو امریکہ اور دیگر مغربی ممالک کے اس کمزور پہلو کا بخوبی احساس تھا چنانچہ انھوں نے

Marfat.com

''نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز''

کے اصول پر عمل کرتے ہوئے 480 ملین ڈالر کو ''مونگ پھلی کے دانے'' قرار دیتے ہوئے اس پیش کش کو مسترد کر دیا۔ اسی دوران افغانستان میں روس یلغار کے خلاف افغان عوام کی جنگ مزاحمت شدت اختیار کر چکی تھی اور صدر ضیا الحق افغان مجاہدین کو فوجی و اخلاقی امداد بڑی مستعدی اور استقلال سے فراہم کر رہے تھے۔ جس کی وجہ سے روسی افواج کے لیے افغانستان پر اپنے قبضے کو مستحکم کرنا انتہائی دشوار ہو رہا تھا کیونکہ اگرچہ نہتے تھے مگر ان میں قربانی کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا اور اسی دوران حریت وطن کی خاطر جانبازی و جان نثاری کی ولولہ انگیز داستانیں رقم ہو رہی تھیں۔ ادھر پاکستان میں تقریباً تیس لاکھ افغان مہاجرین خیمہ زن تھے۔ جہاں ان کی نہایت دیکھ بھال ہو رہی تھی۔ اس صورت حال کے نتیجے میں دنیا بھر کی توجہ افغانستان اور پاکستان پر لگی ہوئی تھیں، مغرب کے سرمایہ دار ممالک کے لیے سوویت یونین پر فوجی و اقتصادی لحاظ سے مہلک وار کرنے کا بہترین موقع تھا۔ انھوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے پاکستان کی ناز برداری کی کیونکہ پاکستان افغانستان کا پڑوسی ملک تھا اور وہ فوجی و اخلاقی امداد ان کو فراہم بھی کر رہا تھا۔ گویا کہ پاکستان بھی روسیوں کے ساتھ افغانیوں کی طرح لڑ رہا تھا۔

ان حالات کے تحت امریکی کانگریس نے پاکستان کو 6 سال کے لیے سمنگٹن ترمیم سے مستثنیٰ قرار دے دیا امریکی امداد کے قانون میں بھی ترمیم کے نتیجے میں پاکستان کی امداد معطل کی گئی تھی۔ امریکی کانگریس نے اس فیصلے کے ساتھ ہی غیر ملکی امداد کے قانون میں یہ ترمیم کر دی کہ:۔

''اگر کوئی غیر ایٹمی ملک ایٹمی دھماکہ کرے گا تو اس کی امداد بند کر دی جائے گی''۔

Marfat.com

امداد کی بحالی کے فیصلے کے تحت پاکستان کو 6 سال کے لیے 35 بلین (Billen) یعنی ساڑھے تین ارب ڈالر کی امداد کا پروگرام منظور کیا گیا۔ جس کے تحت پاکستان کو چالیس ایف 16 طیاروں کی فروخت بھی شامل تھی۔

امریکہ کے حکمرانوں کے رویہ میں بہت تبدیلی واقع ہوئی جو کہ محض وقتی اور اپنے ملکی مفاد میں تھی۔ اس وقت ریگن انتظامیہ نے یہ امید بھی ظاہر کی کہ اس امداد کی بدولت پاکستان کو اپنی قومی سلامتی کے معاملے میں اعتماد حاصل ہو گا اور وہ ایٹمی اسلحہ کا پروگرام جاری رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرے گا اور بعد میں رونما ہونے والے واقعات نے ان توقعات کو غلط ثابت کر دیا۔ چنانچہ 1982ء میں ریگن حکومت نے صدر ضیا الحق کو خبردار کیا کہ:۔

"اگر ری ایکٹر کے استعمال شدہ ایندھن سے پلوٹونیم حاصل کیا گیا تو امریکی امداد خطرے میں پڑ جائے گی"۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے 10 فروری 1984ء کو روز نامہ نوائے وقت کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر طارق وارثی کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے انھوں نے پہلی بار یہ اعتراف کیا کہ:۔

"کہوٹہ لیبارٹریز کو یورینیم کی افزودگی میں کامیابی حاصل ہوگئی ہے"۔

بعد میں صدر پاکستان جنرل ضیا الحق نے بھی اس انٹرویو میں دیے گئے بیان کی تصدیق کر دی تھی۔ لیکن اس وضاحت کے ساتھ کہ:۔

"یورینیم اس سطح پر افزودہ نہیں کیا گیا جو ایٹم بنانے کے لیے درکار ہوتا ہے"۔

جون 1984ء میں امریکی سینٹر کرانسٹن نے اعلان کیا کہ:۔

"پاکستان کا ایٹم بم بنانے کا پروگرام جاری ہے"۔

Marfat.com

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے اعتراف اور سینٹر کرانسٹن کے اعلان کے بعد امریکی کانگریس میں یہ مطالبہ کیا جانے لگا کہ:۔

''پاکستان کی امداد بند کر دی جائے''۔

ریگن انتظامیہ نے بھی نجی طور پر اپنے وسائل سے اس امر کی تصدیق کرتے ہوئے پاکستان میں ایٹم بم کے ڈیزائن پر کام ہو رہا ہے اور اس کے لیے مطلوبہ سامان درآمد کیا جا رہا ہے۔ کانگریس پر زور دیا کہ:۔

''اس موقع پر جبکہ سوویت فوجیں افغانستان میں موجود ہیں۔ پاکستان کی امداد کا بند کرنا مناسب نہیں ہوگا''۔

ان حالات میں اخبارات میں ریگن انتظامیہ کے افسران کے حوالے سے خبریں شائع ہونے لگیں جن میں یہ انکشاف کیا گیا تھا کہ:۔

''چین کہوٹہ پلانٹ کو چلانے میں امداد کر رہا ہے اور اس نے پاکستان کو ایٹم بم کا ڈیزائن بھی فراہم کر دیا ہے''۔

اس طرح پاکستان جو ایٹم بنائے گا اسے ٹسٹ کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی''۔

مگر چین نے ان باتوں کی تردید کر دی لیکن امریکی حکومت نے اس تردید کو تسلیم نہیں کیا اور چین کے ساتھ ایک اہم تجارتی سمجھوتے کو جس کا واشنگٹن اور بیجنگ میں بہت چرچا ہو رہا تھا تقریباً ایک سال کے لیے موخر کر دیا گیا۔

ستمبر 1984ء میں صدر ریگن نے صدر ضیا الحق کو ایک خط لکھا جس میں پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں گہری تشویش سے آگاہ کرتے ہوئے خبردار کیا کہ:۔

''اگر کہوٹہ پلانٹ میں 5 فیصد سطح سے بڑھ کر یورینیم افزودہ کیا گیا تو سنگین نتائج برآمد ہوں گے''۔

Marfat.com

خط میں لفظ سنگین نتائج کی وضاحت نہیں کی گئی تھی مگر اس خط کے جواب میں وزیر خارجہ محمد یعقوب خان 16 نومبر 1984ء کو واشنگٹن گئے تو ریگن انتظامیہ کو یقین دلایا کہ پاکستان کہوٹہ میں یورینیم کی افزودگی 5 فیصد تک محدود کرنے کے لیے تیار ہے۔

فروری 1985ء میں صدر ضیا الحق نے کرسچین مانیٹر کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ:۔

"پاکستان کہوٹہ میں 5 فیصد سے کم پر یورینیم افزودگی کر رہا ہے"۔

اس وقت تک سودیت یونین کی جنگ افغانستان میں شدت اختیار کر چکی تھی۔ 1984ء کے اواخر میں روس نے مزید 40 ہزار فوج افغانستان میں داخل کر دی تھی اور پاکستان کی سرحدوں کے قریب کارروائیاں شروع کر دی گئیں۔ سودیت جہاز پاکستان کی فضائی حدود کی خلاف ورزی کر رہے تھے اور افغان مہاجرین کے کیمپوں پر بھی بمباری کرتے رہتے تھے۔ جن سے ان کا کافی نقصان ہوتا تھا اور پاکستان کی سلامتی اور بقا کو خطرہ لاحق ہوتا تھا۔ جس کی وجہ سے پاکستان بھی چوکس تھا اور اپنے ملک کی سلامتی اور بقا کے لیے ہر ممکن کارروائی کرنے کو پاک افواج چوکس اور تیار رہتی تھی۔ جس کی وجہ سے امریکہ پاکستان کی ایٹم بم کی تیاری میں چشم پوشی سے بھی کام لے رہا تھا۔

"سرخ نشان" عبور کر لیا 1985ء تک امریکی انتظامیہ کو پاکستان میں ایٹمی بم بنانے کے بارے میں ایسی شہادتیں موصول ہو چکی تھیں جن کے لیے پاکستان کے پاس کوئی تردیدی مواد نہ تھا۔ جس سے واضح تھا کہ:۔

"پاکستان نے یورینیم انرچمنٹ کے لیے صدر ریگن کی مقرر کردہ 5 فیصد کی حد کو عبور کر لیا ہے"۔

افغانستان کی جنگ میں یہ نہایت سنگین مرحلہ تھا چنانچہ امریکہ نے ایٹمی پروگرام میں اس پیش رفت کو بادل نخواستہ قبول کر لیا یا اس نے مصلحتاً حالات کے تحت خاموشی

Marfat.com

اختیار کی۔ تاہم 1985ء کے لیے امدادی قسط کی منظوری کے قانونی طور پر رکاوٹ درپیش تھی کیونکہ پاکستان کا ایٹمی پروگرام سمنگٹن ترمیم کی ان شرائط کے دائرے کو عبور کر چکا تھا۔ جن سے پاکستان مستثنٰی تھا علاوہ ازیں اس موقع پر کرائسٹن ترمیم (Kranston Amendment) بھی موجود تھی۔ جس کے تحت پاکستان کے لیے ہرقسم کی امداد منسوخ ہو چکی تھی۔ اس قانونی مشکل کی مدد کرنے کے لیے سینٹر لیری پریسلر (ری پبلکن) نے غیر ملکی امداد کے قانوُن میں مزید ترمیم پیش کی۔ جس کے تحت یہ معاملہ امریکی صدر کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا۔ اگر وہ مطمئن ہیں کہ:۔

> ''پاکستان نے ایٹم بم نہیں بنایا ہے تو کانگریس اگلے مالی سال کے لیئے امداد منظور کر لے گی''۔

چونکہ اس ترمیم کی وجہ سے امداد کی فراہمی میں ایک اہم رکاوٹ دور ہو گئی تھی۔ اس لیے پاکستان نے اس ترمیم پر اطمینان کا اظہار کیا۔ پریسلر ترمیم کی منظوری کے بعد پاکستان کی امداد کی فراہمی کو ضروری قرار پایا گیا کہ صدر امریکہ مالی سال کے آغاز میں ایک سرٹیفکیٹ جاری کریں گے جس میں پاکستان کے پاس ایٹم بم کی عدم موجودگی کی تصدیق کی گئی ہو۔

اس قانونی تقاضے کو پورا کرتے ہوئے صدر ریگن نے جولائی 1985ء میں پاکستان کے حق میں مذکورہ سرٹیفکیٹ جاری کر دیا۔ جس کے نتیجے میں پاکستان کے لیے اقتصادی وفوجی امداد کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اور اسی ماہ صدر پاکستان جنرل ضیا الحق اقوام متحدہ کے اجلاس میں شرکت کے لیے نیو یارک پہنچے جہاں صدر ریگن سے ان کی ملاقات ہوئی لیکن دلچسپ بات یہ ہوئی کہ صدر ریگن نے اس موقع پر یورینیم انرچمنٹ کے معاملے میں بدعہدی (5 فیصدی سے زیادہ افزودہ نہ کرنے کی یقین دہانی کے حوالے سے) کی جانب کوئی اشارہ نہ کیا کیونکہ وہ ایسے اتحادی ملک کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے

Marfat.com

جو سوویت یونین کی افواج کو افغانستان سے نکالنے کے لیے چٹان کی طرح ڈٹا ہوا تھا۔
ریگن انتظامیہ کے اس طرز عمل سے یہ ظاہر ہوا تھا کہ ایٹم بم کے لیے یورینیم کی افزودگی کرنے کی کوشش میں پاکستان کو امریکہ کی بالواسطہ منظوری حاصل تھی۔ صدر ضیا الحق نے انرچمنٹ کے لیے 5 فیصد کا ''سرخ نشان'' عبور کر کے ایک جوا کھیلا تھا۔ لیکن امریکہ پاکستان کے معاملے میں چشم پوشی سے کام بھی لے رہا تھا اور دنیا پر ظاہر بھی ہونے نہیں دے رہا تھا چنانچہ انھوں نے پریسلر ترمیم کے تقاضوں کے تحت 1987ء کے دوران امداد کے لیے یہ تصدیقی سرٹیفکیٹ جاری کر دیا کہ:۔

''پاکستان کے پاس ایٹم بم موجود نہیں ہے''۔

امریکی ذرائع کے مطابق 1987ء میں جاری ہونے والے سرٹیفکیٹ میں اس بات کو تسلیم کر لیا گیا تھا کہ:۔

''پاکستان نے یورینیم انرچمنٹ میں ممنوعہ حد عبور کر لی ہے لیکن ایٹم بم تیار نہیں کیا گیا ہے''۔

مندرجہ بالا عبارت سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ امریکہ کی بھی دوہری پالیسی تھی۔ پاکستان کو اپنے قابو میں بھی رکھنا چاہتا تھا اور دوسرے اس کو اپنے دشمنوں کے خلاف اپنی جگہ پر استعمال بھی کرنے کا خواہشمند تھا جس کی وجہ سے چشم پوشی کر رہا تھا تاکہ پاکستان امریکہ کا احسان مند رہے اور امریکہ کے اشاروں پر عمل کرتا رہے۔

Marfat.com

سوویت یونین کی دھمکی

روسی افواج افغانستان میں برسرپیکار تھیں دوسرے الفاظ وہ ایک دلدل میں پھنس چکی تھیں۔ افغان عوام نے ڈٹ کر روسی افواج کو پسپا کرنے کی ہر ممکن کوششیں کیں جن میں وہ کافی حد تک کامیاب ہوتے نظر آ رہے تھے۔ تو روسی عوام نے حکومت پر یہ دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ:۔

"افغانستان سے افواج کو بلا تاخیر واپس بلایا جائے"۔

روسی قیادت خود بھی یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اب کسی نہ کسی طرح اس دلدل سے اپنے آپ کو نکال لیا جائے لیکن دوسری طرف مجاہدین افغان کی یہ حکمت عملی تھی کہ:۔

"دشمن کو اس وقت تک واپس نہ جانے دیا جائے جب تک وہ شکست فاش تسلیم نہ کرلے اور کابل میں اس کی پٹھو حکومت کا مکمل خاتمہ نہ ہو جائے"۔

اس میں کوئی شک کی بات نہیں ہے کہ پاکستان کی فوجی حکمت عملی میں افغان مجاہدین کو مکمل حمایت اور امداد حاصل تھی۔ چنانچہ سوویت حکمران پاکستان کو "خوفناک نتائج" کی دھمکیوں کے ذریعے مرعوب کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا تھے۔ افغان مسئلے پر پاکستان کے طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہ آئی تو انھوں نے "انڈیا کارڈ" استعمال کرنے کی کوشش کی اور 21 جون 1986ء کو پہلی بار پاکستان کے ایٹمی پروگرام کا بہانہ بنا کر "سنگین نتائج" کی دھمکی دے دی۔ مگر امریکہ نہیں چاہتا تھا کہ:۔

Marfat.com

"افغانستان میں کمیونسٹ فوج کے خلاف مزاحمتی جنگ کسی بھی طرح کمزوری کا شکار ہو"۔

چنانچہ پاکستان کو دی گئی دھمکی کے جواب میں واشنگٹن نے فوری طور پر ماسکو کو خبردار کیا کہ:۔

"پاکستان کے داخلی معاملات میں مداخلت نہ کرے"۔

امریکہ کا یہ اقدام روسیوں کی توقعات کے برعکس تھا کیونکہ ان کو اندازہ تھا کہ ایٹمی اسلحہ کے پروگرام کے حوالے سے پاکستان پر دباؤ ڈالا گیا تو امریکہ خاموش تماشائی بنا رہے گا۔ بہ ایں ہمہ جولائی 1986ء میں وزیر اعظم محمد خاں جونیجو واشنگٹن کے دورے پر گئے تو امریکی حکام نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر تشویش ضرور کی۔

جولائی 1986ء میں مغربی پریس نے ریگن انتظامیہ کے حوالے سے اطلاع دی کہ:۔

"پاکستان نے ایٹم بم بنانے کی صلاحیت حاصل کر لی ہے"۔

ایک اطلاع یہ بھی تھی کہ بم کے مختلف حصے تیار ہو چکے ہیں اور انھیں جوڑے (Assemble) کرنے کا کام باقی ہے۔"نیو یارک ٹائمز" نے 15 جولائی 1986ء کو اطلاع دی کہ:۔

"پاکستان نے یورینیم کو 93.5 فیصد تک افزودہ کر لیا ہے۔ چند ماہ بعد نومبر میں اعلیٰ امریکی حکام کو باضابطہ طور پر اطلاع ملی کہ:۔

"پاکستان نے ایٹم بم کے لیے یورینیم تیار کر لیا ہے اور بم کے غیر ایٹمی حصوں کی کارکردگی کی جانچ پڑتال بھی کر لی ہے"۔

اس انکشاف کے نتیجہ میں مختلف حلقوں نے اپنے اس مطالبہ کو دہرانا شروع کر دیا کہ:۔

"پاکستان کی اقتصادی امداد بند کر دی جائے"۔

Marfat.com

''ایٹم بم ہے مگر نہیں ہے''

امریکہ کے صدر ریگن نے پاکستان کے حق میں ''عدم موجودگی ایٹم بم'' کے سرٹیفکیٹ جاری کیے جانے کے تقریباً چار ماہ کے بعد یکم مارچ 1987ء کو روز نامہ مسلم اسلام آباد دی نیشن لاہور، آبزرور لندن اور نئی دہلی کے اخبارات میں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کا ایک انٹرویو شائع ہوا جو انھوں نے ایک ممتاز بھارتی صحافی ''کلدیپ نیئر'' کو ایک ماہ قبل اپنی رہائش گاہ پر دیا تھا۔ اس انٹرویو میں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے حوالے سے یہ انکشاف کیا گیا کہ:۔

''پاکستان نے 90 فیصد کی سطح تک یورینیم افزودہ کر لیا ہے اور ایٹمی اسلحہ بھی تیار ہو چکا ہے''۔

اس انٹرویو کی اشاعت کے اگلے روز حکومت پاکستان نے پریس ریلیز جاری کیا جس میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ:۔

''ڈاکٹر عبدالقدیر کے حوالے سے جو کچھ کہا گیا ہے وہ ''من گھڑت اور دروغ بیانی'' پر مبنی ہے نیز یہ کہ پاکستان کا یورینیم انرچمنٹ کا پروگرام مکمل طور پر پُرامن ہے''۔

اس انٹرویو کی تصدیق و تردید کا سلسلہ کچھ عرصہ تک جاری رہا۔ جس کے باعث اس کی صداقت مشکوک ہوگئی۔ تاہم بھارت میں انٹرویو کو بڑی سنجیدگی سے لیا گیا

Marfat.com

اور کافی شور مچایا گیا تھا۔ اس دوران امریکی کانگریس پاکستان کو امداد جاری رکھنے کے سوال پر غور کر رہی تھی اور بعض حلقے یقیناً اس کوشش میں تھے کہ:۔

''پاکستان کی امداد بند کر دی جائے کیونکہ ایٹمی پروگرام کے نگران اعلیٰ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے خود ہی ایٹم بم کی موجودگی کی تصدیق کر دی ہے''۔

Marfat.com

جنرل ضیا الحق کا ابہام

ابھی ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے انٹرویو کی وجہ سے جو عالمی طور پر طوفان برپا ہوا تھا اس میں کوئی نرمی نہیں آئی تھی کہ مارچ 1987ء کے اواخر میں صدر ضیا الحق نے ''امریکی ہفت روزہ ٹائم'' کو ایک انٹرویو میں برملا اعلان کر دیا کہ:۔

''پاکستان کے پاس ایٹمی صلاحیت موجود ہے اور وہ جب چاہے ایٹم بم بنا سکتا ہے''۔

انھوں نے کہا کہ:۔

''ایک بار آپ ایٹمی ٹیکنالوجی حاصل کر لیں جیسا کہ پاکستان کے پاس موجود ہے تو آپ کچھ بھی کر سکتے ہیں''۔

مذکورہ بالا انکشافات پر صدر ضیا الحق نے پُرزور انداز میں کہا کہ:۔

''پاکستان ایٹمی اسلحہ بنانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا نیز یہ کہ اسنے یورینیم کی افزودگی ابھی اس حد تک نہیں کی جو اسلحہ سازی کے لیے ضروری ہوتی ہے''۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اور صدر پاکستان جنرل ضیا الحق کے بیانات میں تمام تر ابہام کے باوجود جلد ہی یہ ظاہر کر دیا گیا کہ:۔

''پاکستان ایٹمی اسلحہ سازی کی جانب سنجیدگی کے ساتھ کوشاں ہے

Marfat.com

اور یورینیم انرچمنٹ کی صلاحیت کو وسیع کر رہا ہے"۔

مغربی جرمنی اور سوئٹزرلینڈ کی دو فرمیں پاکستان کو ایسے آلات سمگل کر رہی تھیں
اعلیٰ سطح پر یورینیم انرچمنٹ میں استعمال ہوتے تھے۔ اپریل 1986ء میں کسٹمز حکام
نے چھاپہ مار کر سامان پر قبضہ کر لیا اور اس سال جولائی کو ایک پاکستانی محمد ارشد پرویز کو
اری مقدار میں میر جنگ سٹیل اور بیریلیم پاکستان کو ناجائز طریقے سے برآمد کرتے
ئے پکڑا گیا۔ مگر پاکستان نے دونوں واقعات سے لاتعلقی کا اظہار کیا لیکن واشنگٹن میں
ں تردید کو اہمیت نہیں دی گئی امریکہ کے نائب وزیر خارجہ مائیکل آرماکوسٹ نے اگست
198ء میں اسلام آباد پہنچ کر اس صورت پر اپنی حکومت کی گہری تشویش سے آگاہ کیا
ر کوشش کی کہ پاکستان ایٹمی اسلحہ سازی کے پروگرام کو اس انداز میں ترک کر دے کہ
ں کی تصدیق ہو سکے۔ صدر ضیا الحق نے فوری طور پر اس تجویز کو مسترد کر دیا اور اگلے
، میں ہونے والے قومی اسمبلی میں وزیر اعظم محمد خان جونیجو کی تحریک پر برسر اقتدار مسلم
ب اور حزب اختلاف سے وابستہ ارکان نے ایٹمی ارکان کے موضوع پر صدر ضیا الحق
کے موقف کی پُر زور حمایت کی۔

22 اکتوبر 1987ء کو امریکہ کے گشتی سفیر رچرڈ کینیڈی نے کانگریس کے
سامنے گواہی دی کہ:۔

"پاکستان 5 فیصد سے زیادہ سطح پر یورینیم افزودہ کر رہا ہے"۔

اس قسم کے انکشافات پر کانگریس کے ارکان نے گہری تشویش کا اظہار کیا اور
آئندہ سال کے لیے امداد کی منظوری میں تاخیر ہو گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب افغانستان
سے روسی افواج کی واپسی کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ چونکہ پاکستان نے سوویت قابض

Marfat.com

افواج کی شکست اور پسپائی میں بھرپور کردار ادا کیا تھا۔ اس لیے کانگریس کے ارکان کی اکثریت یہ چاہتی تھی کہ:۔

"پاکستان کی امداد نہ روکی جائے"۔

اس پیچیدگی کو رفع کرنے کے لیے صدر ریگن نے ایک بار پھر کہا کہ:

"پاکستان کے پاس ایٹم نہیں ہے"۔

کا تصدیق نامہ جاری کر کے امریکی کانگریس کی مشکل حل کر دی اور کانگرس سے دسمبر 1987ء میں 480 ملین ڈالر کی امداد منظور کرا لی۔

Marfat.com

سولارز ترمیم کے اطلاق کا خطرہ

ان دنوں جب امریکہ میں ارشد پرویز کے خلاف مقدمے کی سماعت جاری تھی۔ جس کی امریکی و یورپی اخبارات میں خوب مشہوری ہو رہی تھی۔ امریکی حکومت نے اپنے طور پر اس معاملے کی تحقیقات کروائی تھیں۔ جن کے تحت تمام الزامات درست ثابت ہوئے تھے اور ایسی صورت میں امداد کا معاملہ ایک بار پھر قانونی مشکلات سے دوچار ہو گیا تھا کیونکہ امریکہ امداد کے قانون میں سولارز ترمیم کے تحت امریکہ سے ایٹمی سامان سمگل کرنے والا غیر ایٹمی ملک امریکی اقتصادی و فوجی امداد حاصل نہیں کر سکتا تھا۔

چونکہ مسٹر ارشد پرویز کیس میں یہ ثابت ہو گیا تھا کہ وہ بعض پاکستانی حکام کے ایما پر ایٹمی سامان سمگل کر رہا تھا۔ اس لیے پاکستان پر سولارز ترمیم کا اطلاق تھا۔ دریں اثنا امریکی نائب وزیر خارجہ رابرٹ بلیک نے کانگریس کو اعتماد میں لیتے ہوئے اس امر کی تصدیق کی کہ:۔

"پاکستان ایٹم بم بنا رہا ہے نیز ایٹمی سامان کی سمگلنگ بھی جاری ہے"۔

اس قسم کے واقعات پاکستان کے امدادی پروگرام کے لیے مسلسل خطرہ بنے ہوئے تھے لیکن ساتھ ہی افغانستان کی جنگ میں پاکستان کا کردار کانگرس کے ارکان کو نرم روی اور ہمدردی کے طرز عمل پر مجبور کر رہا تھا۔ چنانچہ جنوری 1988ء میں صدر ریگن نے اپنے خصوصی اختیارات استعمال کرتے ہوئے پاکستان کو سولارز ترمیم سے مستثنیٰ کر دیا اور پاکستان کی امداد جاری ہونے میں رکاوٹ کو دور کر کے پاکستان کو فوجی و اقتصادی

Marfat.com

امداد جاری کر دی گئی جس سے پاکستان کو فائدہ ہوا۔

6 مارچ 1988ء کو نیو یارک کے اخبار ''ٹائمز'' میں پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں ایک رپورٹ چھپی جو امریکہ کے سرکاری ذرائع سے حاصل شدہ معلومات پر مبنی تھی۔ اس مضمون میں بڑی حیران کن اور دلچسپ معلومات تھیں۔ مثال کے طور پر کہ:۔

''پاکستان نے اعلیٰ سطح پر افزودہ یورینیم (Highly Enrichment Uranium) اس قدر مقدار میں موجود ہے کہ اس سے چار سے چھ تک ایٹم بم بنائے جا سکتے ہیں''۔

رپورٹ میں یہ بھی دعویٰ کیا گیا تھا کہ:۔

''پاکستان کے پاس موجود مذکورہ نوعیت کا سو کلوگرام یورینیم موجود ہے نیز پاکستان نے چین کے فراہم کردہ ڈیزائن کے مطابق ایٹم بم بنائے ہیں اور ہر بم کا وزن 180 کلوگرام ہے مزید یہ کہ پاکستان نے ان ایٹم بموں کے تمام حصہ تیار کر لیے ہیں جنھیں ضرورت پڑنے پر نہایت سرعت سے اسمبل کیا جا سکتا ہے''۔

اس قسم کے مختلف واقعات صدر ضیا الحق اور ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے بیانات' ریگن انتظامیہ کی تحقیقاتی رپورٹوں اور ذرائع ابلاغ کی اطلاعات کے بعد 1988ء کے اوائل تک یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو گئی تھی کہ:۔

''پاکستان ایٹمی طاقتوں کے زمرے میں شامل ہو گیا ہے یا بہ الفاظ دیگر ایٹمی کلب کا رکن بن گیا ہے''۔

صدر ضیا الحق اور ان کی حکومت کا موقف بدستور یہ تھا کہ:۔

''پاکستان ایٹمی توانائی کو پُرامن مقاصد کے لیے استعمال کر رہا ہے اور کوئی بھی طاقت اسے اس حق سے محروم نہیں کر سکتی''۔

Marfat.com

اس کے ساتھ ہی صدر ضیا الحق نے اپنی مخصوص انداز میں ایٹمی اسلحہ کے بارے میں ''ابہام'' (Ambiguity) کی پالیسی پر بھی عمل جاری رکھا۔ ان کا خیال تھا کہ:۔

''ایٹم بم ہے مگر نہیں ہے'' کی پالیسی بھارت کو پاکستان کے خلاف فوج کشی سے باز رکھنے میں نہایت کارآمد ثابت ہوئی ہے''۔

17 اگست 1988ء کو صدر ضیا الحق کو ہوائی حادثے میں شہادت نصیب ہوئی مگر ایٹم بم پر حسب معمول کام ہوتا رہا۔ نومبر 1988ء کو پاکستان کے لیے اگلے مالی سال کے لیے امداد پر غور جاری تھا اور دوسری طرف افغانستان سے روسی افواج کا انخلا بھی جاری تھا اور پاکستان میں یہ احساس پیدا ہو گیا تھا کہ:۔

''مستقبل قریب میں ایٹمی پروگرام کے مسئلے پر امریکہ کا دباؤ بڑھ جائے گا کیونکہ افغان مسئلے کی وجہ سے پاکستان کو جو اہمیت حاصل تھی وہ مزید برقرار نہیں رہے گی''۔

چونکہ واشنگٹن میں سرکاری حلقے خود بھی اس امر کی شہادت دے چکے تھے کہ:۔

''پاکستان کے پاس اعلیٰ سطح پر افزودہ یورینیم موجود ہے نیز وہ ایٹم بم کے تمام اجزا مکمل کر چکا ہے''۔

اس لیے یہ خدشہ موجود تھا کہ:۔

''صدر امریکہ پریسلر ترمیم کے تحت ایٹم بم کی عدم موجودگی کا سرٹیفکیٹ جاری نہیں کریں گے اور پاکستان کی اقتصادی و فوجی امداد بند ہو جائے گی''۔

مگر امریکی صدر ریگن نے حالات اور واقعات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ:۔

Marfat.com

"پاکستان کی امریکی امداد بند نہیں ہونی چاہیے۔ چنانچہ انھوں نے پریسلر ترمیم میں موشگافیوں کا سہارا لے کر پاکستان کے ایٹم بم کی عدم موجودگی کا سرٹیفکیٹ جاری کر دیا"۔

بعد ازاں صدر ریگن نے اپنے اس سرٹیفکیٹ کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ:۔

"پریسلر ترمیم کے ذریعے صرف یہ سوال کیا گیا ہے کہ پاکستان کے پاس ایٹم بم موجود ہے یا کہ نہیں۔ بلاشبہ پاکستان میں اسلحہ کے لیے یورینیم کو اعلیٰ سطح پر افزودہ کیا جا رہا ہے تاہم ایسی کوئی قابل ٹھوس شہادت نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ پاکستان کے پاس ایٹم بم موجود ہے"۔

Marfat.com

پاکستانی ایٹم بم اور جنرل ضیا الحق

پاکستان میں ایٹمی ٹیکنالوجی کی ابتدا جناب ذوالفقار علی بھٹو نے جس جوشیلے انداز میں کی تھی۔ عوامی حلقوں میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اقتدار سے علیحدگی کے بعد یہ خدشہ ایٹمی ٹیکنالوجی کے لیے منڈلا رہا تھا کہ:۔

''ان کی متعین کردہ منزل کو فراموش کر دیا جائے گا اور وہ خود بھی آخری دم تک یہی تاثر دیتے رہے تھے کہ جنرل ضیا الحق کو برسر اقتدار لانے کا اصل مقصد پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو نقصان پہنچانا ہے''۔

ان قیاس آرائیوں کے برعکس جنرل ضیا الحق نے اپنے طویل عرصہ اقتدار میں ایٹمی پروگرام کو اسی جرأت اور استقلال کے ساتھ جاری رکھا اور اپنی زندگی میں وہ مقاصد حاصل کر لیے جن کا ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے خواب دیکھا تھا۔

بعض مبصرین کا یہ بھی خیال ہے کہ:۔

''اگر ذوالفقار علی بھٹو برسر اقتدار رہتے تو ایٹمی پروگرام کامیابی سے ہمکنار نہ ہوتا کیونکہ مرحوم کی تند مزاجی اور غیر ضروری جذباتیت اور محاذ آرائی کی پالیسی کی بدولت کارواں منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی حوادث زمانے کا شکار ہو جاتا اور ری پراسسنگ پلانٹ کے منصوبے کا جو حشر ہوتا اس کی مثال اس طرح کی ہوتی۔ جیسے کوئی جہاز پرواز سے پہلے ہی رن وے پر تباہ و برباد ہو جائے''۔

Marfat.com

صدر ضیا الحق کا کام کرنے کا اپنا مخصوص انداز تھا۔ وہ مقصد کے حصول کے لیے محتاط مگر پر اعتماد طریقے سے آگے بڑھتے تھے۔ راستے کی مشکلات' رکاوٹوں اور نشیب وفراز پر بھی ان کی نظر ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی راہزنوں کے عزائم سے بھی باخبر رہتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے ایٹمی اسلحہ سازی کے منصوبے کو ہر قسم کے طوفانوں اور آندھیوں سے محفوظ رکھا اور خود اپنی آنکھوں سے منزل کو سر ہوتے دیکھا۔ باخبر ذرائع کے مطابق اگست 1988ء تک پاکستان میں ایٹم بم کا مکمل وجود عمل میں نہیں آ سکا تھا لیکن مطلوبہ سطح تک افزودہ یورینیم اور بم کے دیگر لوازمات یقیناً موجود تھے مرحوم نے ایٹم بم کے پروگرام کو جاری رکھنے کے لیے ایک مرحلہ پر "ابہام کا راستہ (Ambiguity option) بھی اختیار کر لیا تھا اگرچہ ایسی پالیسی بڑے محدود سے عرصے کے لیے کامیاب ہوتی ہے۔ لیکن انھوں نے اس پالیسی سے بھرپور فائدہ اٹھایا بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ:

انھوں نے متوقع ایٹم بم کی Deterrence Value (دشمن کی جانب سے جارحانہ عزائم کے خلاف سدباب) سے بھی فائدہ اٹھا لیا۔

ان دنوں میں بھارتی افواج "براس ٹیک" مشقوں کے بہانے پاکستان کی سرحدوں پر جمع ہو رہی تھیں' اور جارحیت کے خطرات آسمان پر منڈلا رہے تھے۔ انٹرویو کے نتیجے میں مارچ تک بھارتی افواج سرحدوں سے پیچھے ہٹ گئیں اور پاکستان کی سلامتی کو خطرہ ٹل گیا۔ اگر مذکورہ معلومات مندرجہ بالا درست ہوں تو کہا جا سکتا ہے کہ جنرل ضیا الحق نے ایٹم بم ہونے سے قبل ہی اس کا سیاسی فائدہ اٹھا لیا۔

جنرل ضیا الحق اگرچہ ایک جرنیل تھے مگر صدارت کا مسند سنبھالنے سے ملکی سیاست سے اچھی طرح واقف ہو گئے تھے اور انھوں نے ملک کی سلامتی و بقا کے لیے اپنے دور میں آنچ نہیں آنے دی۔

Marfat.com

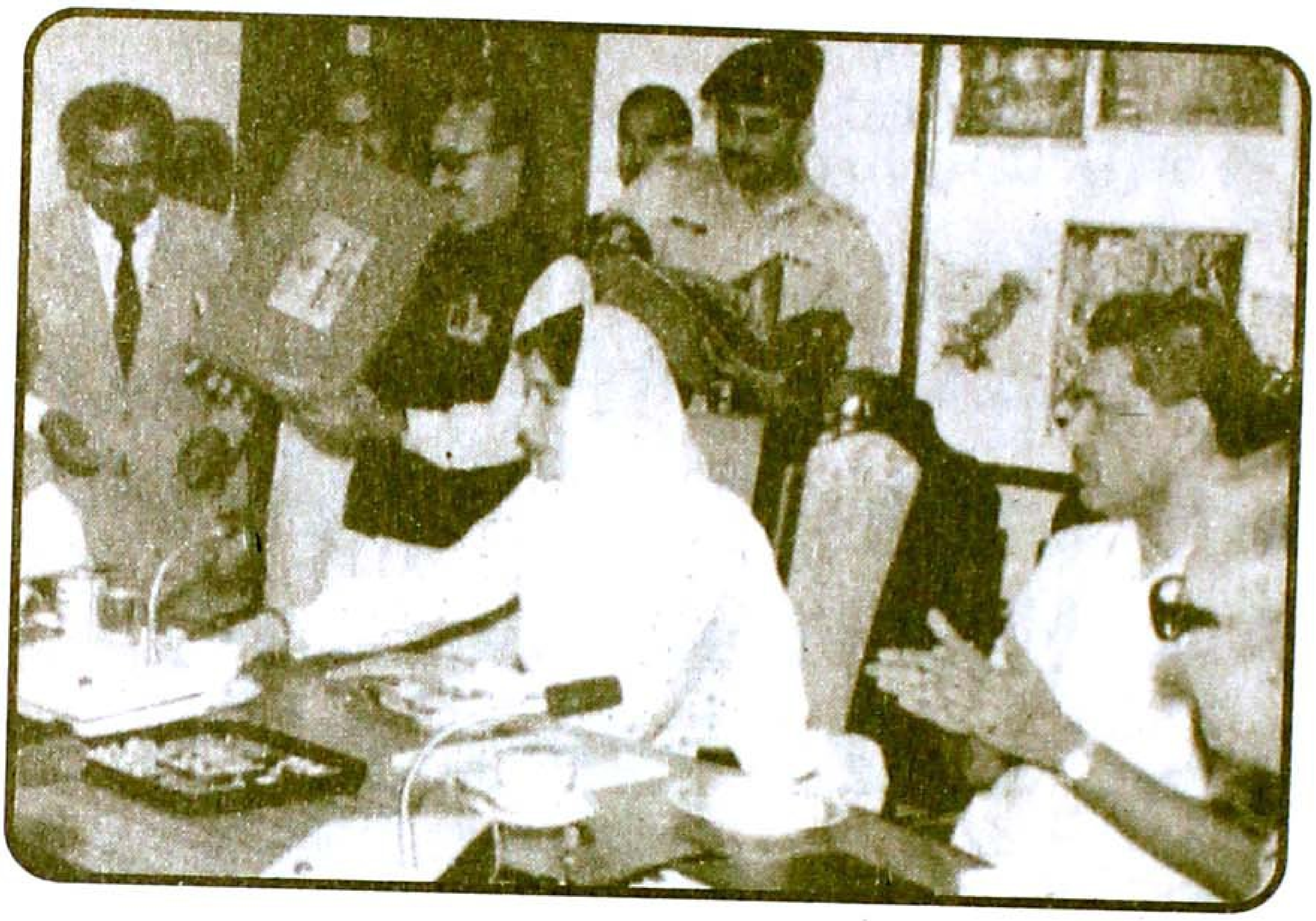

Dr.A.Q.Khan with the Prime Minister of Pakistan.

Marfat.com

باب نمبر: 32

ایٹمی پروگرام اور بے نظیر بھٹو

جنرل ضیا الحق کی شہادت کے بعد عوامی دور کی ابتدا ہوئی اور دسمبر 1988ء میں بے نظیر بھٹو نے پاکستان کی سیاسی قیادت سنبھالی۔ انتخابات سے پہلے انھوں نے کئی بار امریکہ کو یہ تاثر دیا تھا کہ:۔

"وہ ملک میں ایٹمی اسلحہ کے پروگرام کو روک دیں گی"۔

جس کا ثبوت درج ذیل معلومات سے حاصل ہوتا ہے۔

i- امریکی سینٹ کی خارجہ تعلقات کی کمیٹی کے عملے کے ایک رکن پیٹر گالبریتھ (Petergalbraith) کی رپورٹ کے مطابق:۔

"1988ء کے موسم بہار میں اپنے دورہ امریکہ کے موقع پر بے نظیر بھٹو نے پاکستان کے ایٹمی اسلحہ سازی کے پروگرام کی برملا مخالفت کی تھی"۔

اس نے اس سلسلے میں بالواسطہ یقین دہانی کراتے ہوئے کہا تھا کہ:۔

جس طرح امریکہ نے اپنے ذرائع سے یہ معلوم کر لیا ہے کہ پاکستان یورینیم افزودہ کر چکا ہے اور ایٹم بم کے لوازمات حاصل کر لیے ہیں اسی طرح وہ پاکستان کے اس وعدے پر عمل درآمد کی تصدیق بھی کر سکتا ہے کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔

Marfat.com

ii- ایک اور رپورٹ کے مطابق بے نظیر بھٹو نے یہ بھی اعلان کیا تھا کہ:۔

''پیپلز پارٹی کے حامی ارکان ایٹمی پروگرام کے معاملے میں صدر ضیا الحق کے سخت موقف کی حمایت نہیں کرتے''۔

اسی دوران انھوں نے یہ پُر زور الفاظ میں اعلان کیا کہ:۔

''برسر اقتدار آ کر وہ ایٹمی تصیبات کو معائنے کے لیے کھول دیں گی''۔

iii- 8 دسمبر 1988ء کو بے نظیر بھٹو نے ایک بار پھر واضح کیا کہ:۔

''پاکستان کا ایٹمی پروگرام پُرامن ہو گا''۔

بے نظیر کی طرف سے اس قسم کے اشارے ان ملکی اور غیر ملکی حلقوں کے لیے خوشی کا باعث بنتے رہے جو پاکستان میں ایٹمی توانائی کو حقیقی معنوں میں پُرامن مقاصد کے لیے استعمال کے حامی تھے۔ بے نظیر سے قبل حکومتی سطح پر بھی ہمیشہ اسی موقف کا نہایت شد و مد کے ساتھ اظہار کیا جاتا رہا ہے۔

امریکہ اگرچہ بڑا چالاک اور سمجھ دار ملک ہے مگر وہ پھر بھی پاکستانی سیاست کے جھانسے میں آ گیا تو اس نے بے نظیر بھٹو کے دعوے کو یقینی سمجھ لیا اور اطمینان کا اظہار کیا یا پھر اس نے ویسے چشم پوشی سے کام کیا جس طرح پہلے لیتا آیا ہے۔ بے نظیر بھٹو کے ان بیانات کی روشنی میں محترمہ بے نظیر بھٹو کی کامیابی کے صرف دو روز بعد یعنی 18 نومبر 1988ء کو صدر ریگن نے پریسلر ترمیم کے تحت کانگریس کو یہ سرٹیفکیٹ جاری کر دیا کہ:

''پاکستان کے پاس ایٹم بم موجود نہیں ہے''۔

امریکہ کا مالیاتی سال یکم اکتوبر کو شروع ہوتا ہے چنانچہ 1989ء کے لیے امریکی امداد کی منظوری مل گئی تھی اور صدر ریگن نے سرٹیفکیٹ جاری کرنے میں تقریباً چھ ہفتے کی تاخیر اس وجہ سے بھی کی تھی کہ وہ پاکستان کے انتخابی نتائج کا انتظار کر رہا

Marfat.com

تھا۔ اس مرحلے پر پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں عام تاثر یہی تھا کہ:۔

"پاکستان میں ایٹمی اسلحہ کے لیے افزودہ یورینیم کافی مقدار میں موجود ہے اور دیگر ضروری لوازمات بھی حاصل کر لیے گئے ہیں"۔

صدر ریگن کو اس صورت حال کا بخوبی علم تھا۔ لیکن انھوں نے پریسلر ترمیم کی لفظی تشریح کا سہارا لیا جس میں امداد فراہم کرنے کے لیے ایٹم بم کی عدم موجودگی کو شرط قرار دیا گیا ہے۔ جب بے نظیر بھٹو نے وزارت عظمیٰ سنبھالی۔ تو پاکستان عملی طور پر ایٹمی صلاحیت سے بہرہ ور ہو چکا تھا اور یہ خدشہ موجود تھا کہ:۔

"ایٹمی پروگرام کا رخ تبدیل نہ کیا گیا تو امریکی امداد ایک سال کے اندر بند ہو جائے گی"۔

نئی حکومت قومی اسمبلی میں سب سے زیادہ نشستیں حاصل کرنے کے باوجود کمزور تھی اور اسمبلی کے اندر اور باہر شدید مخالفت اور عدم تعاون کا سامنا تھا۔ جس کی وجہ سے خصوصاً خارجہ پالیسی اور دفاع سے متعلق حساس نوعیت کے معاملات نو منتخب وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کی گرفت سے باہر تھے۔ چنانچہ ایٹمی پروگرام حسب سابق جاری رہا اور مقاصد میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی محترمہ بے نظیر بھٹو نے کبھی اس حقیقت کو چھپانے کی کوشش نہیں کی کہ وہ ایٹمی ہتھیاروں کے پھیلاؤ کی مخالف ہیں انھوں نے بار بار اس عزم کا اظہار کیا کہ:۔

"وہ برسر اقتدار آ کر ایٹمی توانائی کو صرف پُرامن مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا اہتمام کریں گی"۔

برسر اقتدار آنے سے پہلے اور بعد میں انھوں نے امریکی حلقوں کو اس ضمن میں یقین دہانیاں بھی کرائی تھیں مگر وہ اس کے باوجود اپنے دور حکومت میں اس مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکیں۔ بے نظیر بھٹو کو ایٹمی پروگرام کے حوالے سے اپنے

Marfat.com

عزائم کو عملی جامہ پہنانے میں کامیابی نہیں ہوئی جس کی چند درج ذیل وجوہات تھیں۔

i- پاکستان میں ایٹم بم کے پروگرام کے بانی ذوالفقار علی بھٹو تھے جو کہ پیپلز پارٹی کے بانی اور بے نظیر بھٹو کے والد محترم تھے۔انھوں نے بھارت کی جانب سے جارحیت کے خدشات کے پیش نظر یہ نعرہ بلند کیا تھا کہ:۔

''ایٹم بم بنائیں گے چاہے گھاس ہی کھانی پڑے''۔

چونکہ وہ پیپلز پارٹی کے بانی تھے۔ اس لیے پیپلز پارٹی کے اس دور کے پرانے کارکنوں کے لیے یہ نعرہ ایک عقیدہ کی حیثیت رکھتا تھا اور وہ اس کے ساتھ اپنی عقیدت و احترام رکھتے تھے۔ اگرچہ آج کی دنیا میں حالات بالکل تبدیل ہو کر رہ گئے تھے مگر انھوں نے اپنے خیالات و احساسات کو تبدیل نہ کیا۔

ان حالات میں جب کہ پارٹی کے سینئر ممبران اس نعرے کے حق میں تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایٹمی پروگرام کو چلانا چاہتے تھے تو بے نظیر بھٹو کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ پارٹی ممبران کو ناراض کر کے ایٹمی پروگرام کو بند کریں اگرچہ وہ امریکہ کے ساتھ وعدہ کر چکی تھی۔

ii- پاکستان کی تین نسلیں آپس میں لڑائی جھگڑے میں پروان چڑھی تھیں۔ کیونکہ پاکستان اور بھارت 45 سال کے دوران کم و بیش تین جنگیں لڑ چکے تھے۔ دو تین سال کے عرصے کے بعد پاک بھارت سرحدوں پر فوجوں کا اجتماع ہو جاتا ہے اور جنگ کے طبل بجنا شروع ہو جاتے ہیں۔ گزشتہ کئی سالوں سے بھارتی مقبوضہ کشمیر میں مسلمانوں کی مسلسل جدوجہد نے حالات کو مزید خطرناک بنا دیا تھا۔ اس صورت حال کا بار بار مطالعہ کرنے سے پاکستانی عوام کا ایک خاص طبقہ یہ محسوس کرتا ہے کہ ایٹمی اسلحہ سازی کے پروگرام کو منجمد کرنے یا بند کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بھارت کے ممکنہ خطرے کے خلاف پاکستان کے دفاع کو

Marfat.com

کمزور کرنا ہے اور بے نظیر بھٹو کو یہ خدشہ تھا کہ اگر انھوں نے ایٹمی پروگرام کو روکنے کے لیے زیادہ کوشش کی تو عوام کی حمایت سے محروم ہو جائے گی۔ جس کی وجہ سے ان کو اندرونی اور بیرونی دونوں اطراف سے زیادہ مشکلات کا سامنا ہوگا اور ان کی حکومت کو مزید وقت گزارنا دُوبھر ہو جائے گا۔ جس کی وجہ سے بے نظیر بھٹو نے اس پروگرام کو نہ چھیڑا۔

-iii بے نظیر بھٹو کو سیاست وراثت میں ملی تھی اور وہ اپنے پارٹی ممبران کی ذہنی کیفیات کو بہتر طور پر جانتی تھیں وہ خود بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ تھیں اور اس وجہ سے بھی وہ دنیا کے حالات پر گہری نگاہ رکھتی تھیں چونکہ ایٹمی پروگرام کی ابتدا ان کے والد محترم سے ہوئی تھی اور ایٹمی پروگرام کے بارے میں پارٹی کارکنان کی توقعات جو ان سے وابستہ تھیں وہ بھی اس کی نگاہ اور بصیرت سے پوشیدہ نہ تھیں۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے اس پس منظر کے باوجود واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ:۔

"وہ ایٹمی اسلحہ سازی کی مخالف ہیں نیز یہ پاکستان کا ایٹمی پروگرام صرف اور صرف پُرامن مقاصد کے لیے ہونا چاہیے"۔

انھوں نے برسراقتدار آنے کے قبل اور بعد میں اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ پاکستان میں ایٹمی اسلحہ سازی کے پروگرام کو روک دیں گی اور معاون خیالات اور عزائم کا اظہار نجی حیثیت میں نہیں بلکہ وہ پیپلز پارٹی کی شریک چیئرپرسن کی حیثیت سے کرتی رہی ہیں۔ ان کے علاوہ ان کی والدہ محترمہ مسز محترمہ نصرت بھٹو بھی جو پارٹی کی تاحیات چیئرپرسن ہیں ایٹمی ہتھیاروں کے پھیلاؤ کے مخالف تھیں۔ اس کے بعد یہ بات کسی شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ ایٹمی پروگرام کے بارے میں پاکستان پیپلز پارٹی کی پالیسی آج وہ نہیں ہے جو ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں تھی یا جو انھوں نے اختیار کی تھی بلکہ آج کے

Marfat.com

حالات کے تحت اس میں تبدیلی واقع ہو چکی ہے۔

iv- ایٹمی پروگرام کے بارے میں پیپلز پارٹی کے موقف میں تبدیلی سے قبل یا بعد میں لازمی تھا کہ پارٹی کے کارکنوں اور عہدیداروں کو اعتماد میں لیا جاتا لیکن ایسا نہ ہو سکا' پارٹی کی اعلیٰ قیادت نے کارکنان یا سیاسی عہدیداروں کی سیاسی تربیت کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ یا ان کو احتجاجی سیاست کی وجہ سے اس ماحول کی طرف توجہ دینے کے لیے وقت ہی میسر نہ آیا اور پارٹی ارکان کو اس اہم مسئلے پر کوئی پالیسی لائن بھی نہیں دی گئی جس کے نتیجے میں ہر سطح سے کارکن اور عہدیدار تذبذب کی حالت میں مبتلا تھے۔ جس کی وجہ سے وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کی حالت بھی دگرگوں رہی اور وہ بھی ایسے اہم معاملے کے بارے میں کوئی قدم اٹھانے سے قاصر رہی اور معاملہ جوں کا توں ہی رہا۔ اپنے وعدوں اور اعلانات کے مطابق کوئی تبدیلی نہ لا سکی۔

v- چونکہ ضیا الحق ذہنی اور عملی دونوں لحاظ سے پیپلز پارٹی کے خلاف کام کرتا رہا تھا اس کے ردعمل میں پیپلز پارٹی کے رجحانات بھی اس کے مطابق ہی تھے تو بے نظیر اور اس کے رفقائے کار نے ضیا حکومت کے خلاف تحریک اور عوامی روابط کے دوران بھی اس مسئلے کو چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا تھا اور پارٹی کے موقف میں اس انقلابی تبدیلی کے بعد اپنے رائے دہندگان کو اعتماد میں نہیں لیا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ:۔

> ''مخالف سیاسی قوتوں نے جنھیں ایٹمی پروگرام کے حوالے سے بے نظیر بھٹو کے موقف اور ان کے بیرون ملک روابط کا علم تھا اس معاملے کو انتخابی مسئلہ بنا کر پیپلز پارٹی کے خلاف بطور ہتھیار استعمال شروع کر دیا تھا''۔

Marfat.com

پیپلز پارٹی بنیادی طور پر پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خلاف تھی مگر چونکہ پاکستانی عوام اس کے حق میں تھے اور اس کے خلاف کسی قسم کے اقدام کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لیے بے نظیر بھٹو بھی ایٹمی پروگرام کے بارے میں مصلحتاً خاموش رہی۔

vi- بے نظیر کی اصل مخالفت برائے پاکستان ایٹمی پروگرام اس وجہ سے تھی کہ ضیا الحق صدر پاکستان اس پروگرام کی حمایت کر رہا تھا کیونکہ ویسے تو یہ پروگرام بے نظیر بھٹو کے باپ ذوالفقار علی بھٹو کا شروع کردہ تھا اور چونکہ ضیا الحق نے ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دی تھی۔ اس لیے وہ ہر لحاظ سے صدر ضیا الحق کے خلاف تھی۔

اس وجہ سے بے نظیر بھٹو نے اپنے دورہ امریکہ کے دوران 1988ء میں اپنے بیان میں کہا تھا کہ:۔

''پیپلز پارٹی کے حامی جنرل ضیا الحق کے ایٹمی پروگرام کے مخالف ہیں۔''

اگر ہم حقیقت کا جائزہ لیں تو یہ پروگرام تو ذوالفقار علی بھٹو کا شروع کردہ تھا اور وہ اس پروگرام کے بانی ہیں۔ جنرل ضیا الحق کو تو وہ ورثے میں ملا تھا جس کو اس نے بطور سربراہ مملکت کے آگے بڑھایا کیونکہ ایٹمی پلانٹ کے ساتھ پاکستان کی سلامتی اور استحکام کا سوال تھا۔ کیونکہ ہندوستان نے ایٹمی دھماکہ کر کے ایٹمی ملک ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا تھا' اور وہ ہندوستان کا دھماکہ اس بات کا ثبوت بھی تھا کہ ہندوستان کسی بھی پڑوسی ملک کو اپنی مرضی کا نشانہ بنا سکتا ہے۔ اگرچہ بے نظیر بھٹو کا امریکہ میں بیان دانشمندی پر مبنی نہیں تھا۔ کیونکہ اس بیان کی رو سے اس نے ایٹمی ہتھیاروں کا کریڈٹ اپنے باپ کی بجائے جنرل ضیا الحق کو دے دیا جو کہ اس کا کٹر دشمن تھا اور بے نظیر بھی اس کی دشمن تھی۔

Marfat.com

بہرحال اس سے یہ ضرور اخذ کیا جا سکتا ہے کہ پیپلز پارٹی یا اس کے حامی ایٹمی پروگرام کے حق میں نہیں تھے۔ اس مرحلے پر پیپلز پارٹی کے صف اول کے قائدین اور عہدیداروں کا فرض تھا کہ اس موضوع پر رائے عامہ کی تربیت کرتے اور اس موقف کی بنیاد پر الیکشن لڑا جاتا۔ چونکہ پارٹی کمان میں جرأت مندانہ اقدام کا شدید فقدان تھا اس لیے پارٹی کے کارکن اس اہم مسئلے کے بارے میں پراسرار تذبذب کا شکار تھے۔ اس لیے مخالفین نے بے نظیر بھٹو اور ان کے ساتھیوں کا کمزور پہلو قرار دے کر صورت حال سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اس انفارمیشن کا سہارا لے کر عوام کو پارٹی سے بدظن کرنے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کر لی۔

وزیر اعظم بے نظیر بھٹو اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لیے مخالف قوتوں سے بھی برسر پیکار تھیں لیکن ناتجربہ کار اور سیاسی بصیرت سے محروم رفقائے کار کی موجودگی میں ان کی مشکلات میں اضافہ ہوتا رہا۔ ان حالات میں ان کا دائرہ عمل محدود ہو گیا اور اہم قومی امور کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا اور اسے عملی جامہ پہنانا بھٹو حکومت کے لیے آسان نہ رہا۔ وہ اس دوران واشنگٹن سے کیے گئے وعدوں کو بھی ایفا نہ کر سکی اگرچہ ان وعدوں کی ایفائی کے لیے بار بار دباؤ آتا رہا۔ جن کے تحت ایٹمی پروگرام کو ایک مقررہ حد تک محدود کرنا تھا۔ مزید برآں یہ کہ آئندہ امداد جاری رکھنے کے لیے بھی اس اقدام کو بنیادی شرط کی حیثیت حاصل تھی۔ مگر بے نظیر بھٹو کی حکومت اپنی بے بسی کے عالم میں ممکنہ حد تک ایٹمی پروگرام کے بارے میں کچھ بھی فیصلہ نہ کر سکی۔

Marfat.com

باب نمبر: 33

امریکہ کی امداد کا نیا طریقہ

پاکستان کی اقتصادی اور فوجی امداد کے بارے میں امریکہ میں مسلسل غیر یقینی حالات گردش کرتے رہے تھے اور بروقت یہ خدشہ سر پر منڈلاتا رہا کہ آئندہ امریکہ کی طرف سے امداد کی منظوری ہو گی یا کہ نہیں؟

چونکہ صدر ریگن نومبر 1988ء میں پاکستان کے حق میں وہ سرٹیفکیٹ جاری کر چکے تھے جو پریسلر ترمیم کے تحت امداد کے لیے لازمی شرط ہے۔ اس کے باوجود 1989ء کے وسط تک یہ واضح نہیں تھا کہ کانگریس پاکستان کی فوجی امداد سابقہ سطح پر برقرار رکھے گی یا نہیں۔ پاکستان کی فضائیہ کے لیے ترقی یافتہ ایف 16 لڑاکا طیاروں کا حصول خاص اہمیت کا حامل تھا معاہدے کے تحت پاکستان نے اس قسم کے 60 لڑاکا طیارے خریدے تھے جن میں سے 40(چالیس) طیارے 87-1981 کے دوران حاصل ہو چکے تھے اب صرف بیس لڑاکا طیارے اس فوجی امداد کے تحت ملنے والی امداد یا رقم سے خریدے جانے تھے۔ فروری 1989ء میں ہمسایہ ملک افغانستان سے سوویت یونین افواج کا انخلا ہو گیا تو امریکہ کی نظر میں پاکستان کے لیے فوجی امداد کا کوئی جواز باقی نہ رہا۔ کانگریس اور وزارت خارجہ میں بھارت نواز حلقے مسلسل شور کر رہے تھے کہ:۔

"پاکستان کو فوجی امداد جاری رہی تو وہ بھارت کے خلاف استعمال

Marfat.com

ہو گی"۔

واشنگٹن میں ایسی ہی سوچ گردش کر رہی تھی مگر اس کے ساتھ ہی پاکستان میں بے نظیر حکومت بھی عدم استحکام کی شکار ہو رہی تھی۔ مگر امریکہ نے چونکہ پاکستان کی فوجی امداد جاری کرنی تھی اس لیے ایک "نیا" جواز تلاش کیا گیا اور اس جواز کے لیے یہ دلیل پیش کی گئی کہ:۔

"پاکستان کو اعلیٰ پیمانے پر فوجی امداد فراہم کی جائے تو فوجی اور انتہا پسند حلقے بے نظیر بھٹو کی زیر قیادت نوخیز جمہوریت کی حمایت کریں گے"۔

امریکہ میں موصوفہ کی ذاتی مقبولیت کی وجہ سے اس تجویز کو کافی حمایت حاصل ہوئی اور آثار یہ ظاہر کر رہے تھے کہ:۔

"بے نظیر بھٹو کی بدولت پاکستانی افواج ضرورت کے مطابق امریکی فوجی امداد حاصل کر سکیں گے"۔

بصورت دیگر اگر انھوں نے بے نظیر کے اختیارات کم کرنے یا انھیں اقتدار سے ہٹانے کی کوشش کی تو مذکورہ امداد نہیں ملے گی اور واشنگٹن میں بے نظیر کے مداحوں کا خیال تھا کہ مذکورہ بالا تجویز پر عملدرآمد کے نتیجے میں بے نظیر کو سیاسی استحکام حاصل ہو گا اور وہ ایٹمی پروگرام کے سلسلے میں ضروری اقدام کر سکیں گی۔

اسی دوران میں 18 مئی 1989ء کو سی آئی اے (CIA) کے ڈائریکٹر ولیم ویبسٹر نے سینٹ کی ایک کمیٹی کے سامنے بیان دیا کہ:۔

"پاکستان ایٹمی اسلحہ کی صلاحیت حاصل کرنے میں مصروف ہے تاہم یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ آیا یہ صلاحیت اس سطح تک پہنچ چکی ہے یا نہیں جس کے بعد امدادی پروگرام پر پریسلر اور دیگر ترامیم کا

Marfat.com

اطلاق ہوسکتا ہے"؟

جون 1989ء میں وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے امریکہ کا دورہ کیا اور کانگریس سے مشترکہ اجلاس میں خطاب کیا کہ:۔

"پاکستان کے پاس ایٹمی اسلحہ موجود نہیں ہے اور نہ ہی ایٹم بم بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں"۔

انھوں نے واشنگٹن میں مذاکرات کے دوران بھی بش انتظامیہ کو اس نوعیت کی یقین دہانی کرائی تاکہ مطلوبہ امداد ہو سکے۔ اس موقع پر واشنگٹن کے اعلیٰ حکام کے حوالے سے اخبارات میں ایسی خبریں شائع ہوئیں۔ جن میں یہ تاثر پایا جاتا تھا کہ:۔

"پاکستان نے اعلیٰ سطح پر یورینیم افزودہ کرنے کی رفتار کم کر دی ہے"۔

بعد میں ظاہر ہونے والی تفصیلات کے مطابق پاکستان نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ:۔

"ایٹم بم میں استعمال کے قابل یورینیم کے موجودہ سٹاف کو برقرار رکھا جائے گا' نیز یورینیم کو درمیانی سطح تک افزودہ کیا جائے گا جسے ضرورت پڑنے پر مزید افزودہ کر کے ایٹم بم میں استعمال کے قابل بنایا جا سکے"۔

امریکہ کی یہ کوشش تھی کہ افزودہ کی سطح 5 فیصد سے زیادہ نہ ہو (اس سطح پر یورینیم ایٹمی اسلحہ میں استعمال نہیں ہوسکتی اور اس کی افزودگی میں اضافہ بہت مشکل ہوتا ہے)۔

باخبر ذرائع کا خیال ہے کہ فروری 1989ء میں سابق چیف آف آرمی سٹاف جنرل مرزا اسلم بیگ نے واشنگٹن کا دورہ کیا تو اُس سے پہلے وزیر اعظم بے نظیر بھٹو اور فوجی حکام کے درمیان یہ فیصلہ طے پایا تھا کہ:۔

"ایٹمی پروگرام سے متعلق سرگرمیوں میں کچھ کمی کر دی جائے تاکہ امریکہ سے فوجی امداد حاصل ہو سکے"۔

Marfat.com

اس قدغن کے نتیجے میں پاکستان کا ایٹمی اسلحہ کا پروگرام بدستور قائم رہا اور اس میں مزید توسیع کی گنجائش بھی موجود رہی۔ اس موقع پر یہ بھی اہم فیصلہ کیا گیا کہ:۔

"ایٹمی اسلحہ اور اس سے متعلقہ لوازمات کو اس انداز میں محفوظ کر دیا جائے کہ ضرورت پڑنے پر انھیں فوری طور پر اسمبل کیا جا سکے"۔

ان کے بارے میں ایک خیال یہ بھی تھا کہ:۔

"اس قسم کے انتظامات کے بعد ایٹمی مسئلے پر پاکستان اور بھارت کے درمیان ممکنہ مذاکرات کرنے کے لیے راستہ ہموار ہو جائے گا"۔

چنانچہ بے نظیر بھٹو کے دورہ واشنگٹن کے بعد صدر امریکہ مسٹر بش نے بھارتی وزیر اعظم راجیو گاندھی کو ٹیلیفون کیا اور اس مسئلے پر پاک بھارت مذاکرات کے لیے آمادہ کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی حاصل نہ ہو سکی کیونکہ مقبوضہ کشمیر میں جس قدر تیزی کے ساتھ حالات بگڑ رہے تھے اس قدر سرعت کے ساتھ پاکستان و بھارت کے درمیان تصادم کے امکانات واضح ہوتے جا رہے تھے چنانچہ سیاسی و غیر سیاسی حلقوں نے بے نظیر بھٹو پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ:۔

"بھارت کی روز افزوں فوجی قوت اور ایٹمی اسلحہ کی صلاحیت کے پیش نظر پاکستان بھی ایٹم بم بنائے"۔

رائے عامہ کا دباؤ تھا کہ:۔

"پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو جلد از جلد تکمیل کے مرحلے پر پہنچایا جائے اور ایٹم بم بنا کر اس کی موجودگی کا اعلان بھی کیا جائے"۔

بے نظیر بھٹو نے عوامی مطالبے کے جواب میں اگست 1989ء میں اعلان کیا کہ:۔

"کسی بھی خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے پاکستان کے پاس

Marfat.com

مناسب حد تک ایٹمی اسلحہ سازی کی فنی صلاحیت موجود ہے تاہم جب تک کوئی حقیقی خطرہ درپیش نہ ہو اس فنی قابلیت کو استعمال نہیں کیا جائے گا"۔

اس کے ساتھ ہی انھوں نے متعلقہ حلقوں کو یقین دہانی بھی کرائی کہ:۔

"پاکستان ایٹمی پھیلاؤ کے اصول پر بدستور قائم ہے لیکن اگر برصغیر میں کسی ملک کی طرف سے کوئی یکطرفہ قدم اٹھایا گیا تو ایٹمی اسلحہ کی دوڑ شروع ہو جائے گی"۔

پاکستان کے عوامی حلقوں نے بے نظیر بھٹو کے اس بیان کا خیر مقدم کیا کیونکہ اس سے یہ واضح ہوتا تھا کہ:۔

"کہ پاکستان نے ایٹمی اسلحہ سازی کا دروازہ بند نہیں کیا ہے جب کہ جون 1989ء میں اپنے دورہ امریکہ کے موقع پر انھوں نے ایٹم بم نہ بنانے کا عہد کیا تھا"۔

اکتوبر 1989ء میں چیف آف آرمی سٹاف جناب مرزا محمد اسلم بیگ نے ایک بیان میں پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کو فوجی قوت کا ایک حصہ قرار دیتے ہوئے کہا:۔

"کہ ایٹمی اسلحہ اور میزائل کی بدولت دشمن کے جارحانہ عزائم کا سدباب ہوتا ہے اور فوج کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے"۔

مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے جس کے بارے میں مغربی اور مشرقی ذرائع ابلاغ اور رائے عامہ بخوبی واقف تھے کہ پاکستان کا ایٹم بم بنانے کا پروگرام باقاعدہ تسلسل کے ساتھ تکمیل کے مراحل طے کر رہا ہے اور مختلف مواقع پر اس پروگرام کے خد و خال کو چھپانے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی گئی اور سرکاری طور پر پاکستان کا موقف "پُرامن ایٹمی پروگرام" رہا لیکن ایٹمی اسلحہ کے پروگرام کے حوالے سے واضح اشاروں کا سلسلہ

Marfat.com

بھی کئی سال سے جاری تھا۔ اس پس منظر کے باوجود پاکستان کو اعلیٰ کوالٹی پیمانے پر فوجی امداد فراہم کرنے کے سلسلے میں واشنگٹن کی پالیسی میں بھی کوئی نمایاں تبدیلی نظر نہیں آئی کیونکہ پاکستان کو 60 عدد ایف 16 لڑاکا بمبار طیاروں کی مجوزہ فروخت کے سوال پر کانگریس نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

جولائی 1989ء میں مغربی جرمنی کے ایک جریدے جس کا نام دیر سپیگل (Der Speigal) بتایا جاتا ہے۔ اس جریدے میں ایک رپورٹ جرمن انٹیلیجنس افسران کے حوالے سے چھپی جس میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ:۔

''ایف 16 طیاروں کو ایٹمی بمباری کے لیے تیار کرنے کی خاطر پاکستان نے اس کے کمپیوٹر میں مناسب پروگرامنگ کی ہے۔ علاوہ ازیں طیارے میں ایٹم بم نصب کرنے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے''۔

اس رپورٹ کے چھپنے کے بعد کانگریس میں تشویش پیدا ہوئی چنانچہ متعلقہ کمیٹی نے مسٹر بش سے اس امر کی یقین دہانی حاصل کی کہ:۔

''پاکستان نے مذکورہ طیاروں میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی ہے''۔

یاد رہے کہ ایف 16 طیاروں کے معاہدہ فروخت کے تحت ان طیاروں کو ایٹم بم گرانے کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد صدر بش نے 5 اکتوبر 1989ء کو پریسلر ترمیم کے تحت مطلوبہ سرٹیفکیٹ جاری کیا کہ:۔

''پاکستان کے پاس ایٹم بم موجود نہیں ہے''۔

اس سرٹیفکیٹ کے ساتھ یہ وضاحتی بیان میں صدر بش نے لکھا کہ:۔

''صدر ریگن کے گزشتہ سال کے سرٹیفکیٹ کے بعد سے پاکستان میں خلاف ضابطہ ایٹمی پروگرام کو بدستور آگے بڑھایا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں آئندہ سال کے لیے مذکورہ سرٹیفکیٹ کا اجرا نہایت

Marfat.com

پیچیدہ مسئلہ بن گیا ہے''۔

پریسلر ترمیم کے تحت قانونی مشکلات پر قابو پانے کے لیے صدر بش نے بے نظیر بھٹو کے جون 1989ء کے اس بیان کا سہارا لیا جس میں انھوں نے یقین دلایا تھا۔

''کہ پاکستان ایٹم بم بنانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا''۔

صدر بش نے سینٹ کے خارجہ تعلقات کی کمیٹی کے چیئرمین سینٹر پیل کے نام اپنے خط میں اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ:۔

''وزیراعظم بے نظیر بھٹو کے ساتھ براہ راست مذاکرات اور دیگر سفارتی روابط کے نتیجہ میں وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ پاکستان کی حکومت فوجی امداد کے بارے میں امریکی قوانین کے تقاضوں سے بخوبی واقف ہے اور پاکستان پر یہ بات اچھی طرح واضح کر دی گئی ہے کہ ایٹمی اسلحہ کی عدم موجودگی کی تصدیق کا انحصار ان شواہد پر ہے کہ وزیراعظم نے جو یقین دہانیاں کرائی ہیں ان پر عمل ہو رہا ہے یا کہ نہیں؟''

Marfat.com

ڈاکٹر عبدالقدیر خان چیف آف آرمی سٹاف جنرل اسلم بیگ
کو میزائل پیش کر رہے ہیں

Marfat.com

اختیارات میں کمی

جون 1987ء میں امریکہ سے واپسی کے بعد ہی وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے ایٹمی پروگرام سے وابستہ بعض سائنسدانوں کو جن میں خصوصی طور پر ڈاکٹر عبدالقدیر خاں شامل تھے۔ سے ملاقات کرنے کا ارادہ کیا تاکہ انھیں ایٹمی پروگرام کے بارے میں ضروری ہدایات دی جائیں، مگر صدر غلام اسحاق خاں نے بے نظیر وزیر اعظم کو آگاہ کیا کہ:۔

''متعلقہ سائنسدانوں کو انھوں نے خود ہی ضروری ہدایات دی ہیں اس لیے وہ زحمت نہ فرمائیں''۔

حقیقت حال یہ ہے کہ:۔

''صدر اور چیف آف آرمی سٹاف جنرل مرزا محمد اسلم بیگ نے جولائی 1989ء میں باہمی فیصلے کے تحت ایٹمی پروگرام کے معاملے میں وزیر اعظم کے اختیارات کو محدود کر دیا تھا''۔

کراچی کے ماہنامہ ''نیوز لائن'' کے شمارہ نومبر 1992ء میں زاہد حسین کی رپورٹ کے مطابق:۔

''صدر غلام اسحاق خاں نے یہ فیصلہ اس وجہ سے کیا تھا کہ امریکی ذرائع سے انھیں کچھ آڈیو ٹیپ موصول ہوئے تھے جو دسمبر 1988ء میں راجیو گاندھی کے دورہ اسلام آباد کے موقع پر وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کے ساتھ ان کی ''آف دی ریکارڈ'' بات چیت پر مشتمل تھے''۔

Marfat.com

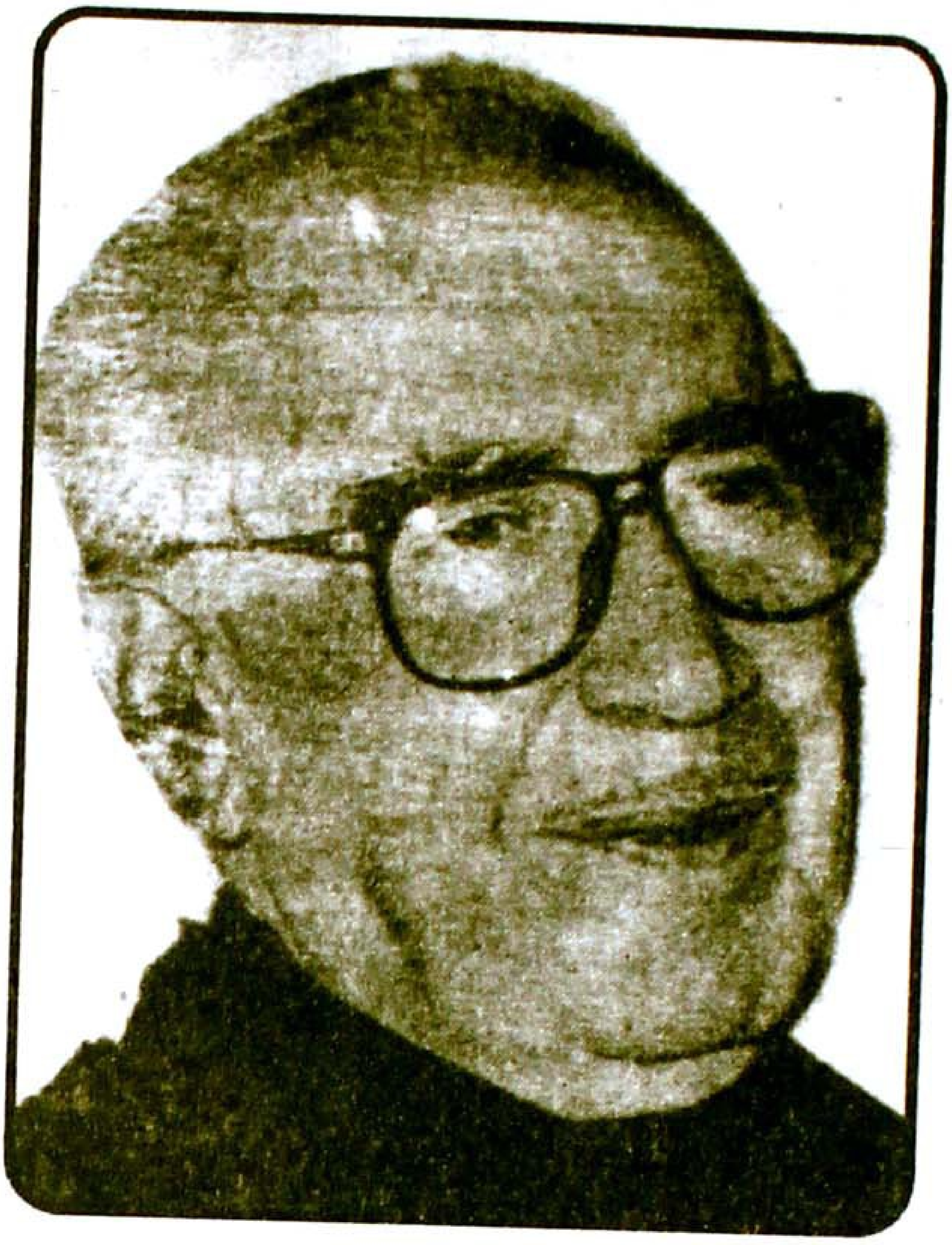

Mr.Ghulam Ishaq Khan---

Marfat.com

رپورٹ کے مطابق وزیر بے نظیر بھٹو نے اپنے بھارتی مہمان کے سامنے پاکستانی فوج پر نکتہ چینی کی تھی۔ چنانچہ اس اطلاع کے بعد وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کو سلامتی کے لیے خطرہ تصور کرتے ہوئے ایٹمی پروگرام سے لاتعلق کر دیا گیا تھا بعد میں بے نظیر نے خود بھی تسلیم کیا۔

> ''کہ صدر مملکت نے انھیں ملک کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں بالکل اندھیرے میں رکھا۔ نیوز لائن کی اس رپورٹ کے مطابق 1990ء کے اوائل میں مقبوضہ کشمیر میں عوامی مسلح جدوجہد کے نتیجے میں پاک بھارت سرحد پر فوجی جھڑپوں کی نوبت آ گئی اور جنگ کے سیاہ بادل چھانے لگے تو پاکستان نے پہلے سے تیار شدہ ایٹم بم کے مختلف حصوں کو جوڑ کر بم تیار کر لیا تھا لیکن وزیر اعظم کو اس بارے میں بعد میں بتایا گیا تھا''۔

Marfat.com

باب نمبر: 34

پاکستان اور بھارت کی ایٹمی تنصیبات

مغربی ذرائع ابلاغ کے مطابق 1985ء کے وسط میں یہ اطلاع دی گئی تھی کہ:۔

"پاکستان نے یورینیم کو 30 فیصد تک افزودہ کر لیا ہے جو ایٹم بم میں استعمال ہوتا ہے"۔

اس انکشاف کے بعد پاکستان اور بھارت کے باہمی تعلقات جو پہلے ہی کشیدہ تھے مزید متاثر ہوئے۔ اس دوران بھارت نے پاکستان کی سرحدوں کے قریب وسیع پیمانے پر فوجی مشقوں کا اعلان کیا۔ بھارتی حملے کے خدشے کے پیش نظر پاکستان نے بھی مناسب حفاظتی اقدامات کیے۔ اس دوران یہ خبریں بھی تواتر کے ساتھ شائع ہو رہی تھیں کہ بھارت اور اسرائیل کے کمانڈوز اسلام آباد کے قریب کہوٹہ میں واقع ایٹمی تنصیبات پر حملے کے موقع کی تلاش میں ہیں"۔

دسمبر 1985ء میں ڈھاکہ سارک ممالک کے سربراہوں کی کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں پاکستان کے صدر ضیا الحق اور بھارتی وزیراعظم راجیو گاندھی شریک تھے۔ لیکن اس موقع پر دونوں راہنماؤں کے درمیان پاک بھارت تعلقات کے موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی۔ تاہم ڈھاکہ سے واپسی پر 17 دسمبر 1985ء کو نئی دہلی ایئر پورٹ کے

Marfat.com

وی آئی پی (ViP) لاؤنج میں دونوں لیڈروں نے تیزی کے ساتھ بگڑتی ہوئی صورت حال پر پر تبادلہ خیالات کیے۔

اس موقع پر راجیو گاندھی نے نہایت سرد مہری کا رویہ اختیار کیا۔ لیکن صدر ضیا الحق نے کسی نہ کسی طرح اپنے مد مقابل کو اس سمجھوتے کے لیے آمادہ کر لیا کہ دونوں ملک ایک دوسرے کی ایٹمی تنصیبات پر کسی بھی صورت میں بھی حملہ نہیں کریں گے۔ اس زبانی سمجھوتے پر اتفاق کے بعد معاہدے کی تفصیلات طے کرنے اور اسے حتمی شکل دینے کا مرحلہ تھا جو طویل عرصے تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ معاہدے پر 31 دسمبر 1988ء کو اسلام آباد میں پاکستان کی نومنتخب وزیراعظم بے نظیر بھٹو اور بھارتی وزیر اعظم راجیو گاندھی نے دستخط کیے۔

معاہدے کی شق نمبر 2 کے تحت دونوں ممالک نے اپنی ایٹمی تنصیبات کی فہرستوں کا تبادلہ یکم جنوری 1992ء کو کیا۔ اسلام آباد میں سیکرٹری خارجہ شہر یار خاں نے پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کی فہرست بھارت کے قائم مقام ہائی کمشنر بہادر کمار کو فراہم کی جب کہ نئی دہلی میں سیکرٹری خارجہ جے۔ این ڈکشٹ نے بھارتی ایٹمی تنصیبات کی فہرست پاکستان کے ہائی کمشنر جناب عبدالستار کے حوالے کیں۔

پاکستانی وزارت خارجہ نے بھارت سے موصولہ فہرست اخبارات کو جاری نہیں کی تاہم اسلام آباد کے روزنامہ ''دی نیوز'' کے نام نگار خصوصی نے اپنی معلومات کے حوالے سے دعویٰ کیا کہ:۔

''بھارت نے پاکستان کو جو فہرست مہیا کی ہے وہ نامکمل ہے''۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ موجودہ دور میں کسی بھی ملک کی ایٹمی تنصیبات مبصرین اور محققین کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی کے علاوہ اخبارات و جرائد سے شائع ہونے والی تحقیقاتی رپورٹوں اور متعلقہ سرکاری اداروں

Marfat.com

کی جائزہ رپورٹوں میں جن ایٹمی تنصیبات کے بارے میں مفصل معلومات موجود ہوتی ہیں۔ ایٹمی عدم و پھیلاؤ سے متعلقہ امور کے بین الاقوامی شہرت یافتہ امریکی ماہر لیو نارڈ سپکٹر نے نہایت عرق ریزی کے بعد بھارتی اور پاکستانی ایٹمی تنصیبات کی مفصل فہرست مرتب کی ہے جو ان کی کتاب (Nuclear Ambitions) میں شامل ہیں قارئین کی معلومات کے لیے یہ دونوں فہرستیں پیش خدمت ہیں۔

اسلام آباد میں راجیو گاندھی سے مذاکرات کے دوران بے نظیر بھٹو نے دوطرفہ بنیادوں پر ایٹمی عدم پھیلاؤ کے معاہدوں کی سابقہ پیش کش کو دہرایا تھا۔ لیکن بھارت نے حسب سابق اس نوعیت کی تمام تجاویز کو مسترد کر دیا تھا۔ اس دور میں بھارت اور پاکستان کے تعلقات میں بہتری کے آثار نمایاں تھے اور باہمی اعتماد کی فضا پیدا ہو رہی تھی۔ لیکن 1989ء کی آخری سہ ماہی میں حالات نے پلٹا کھایا جس کے نتیجے میں اس رجحان کو نقصان پہنچا۔ بھارت میں راجیو گاندھی کی جگہ وشواناتھ پرتاب سنگھ نے وزارت عظمیٰ سنبھالی اور بے نظیر بھٹو کے خلاف تحریک عدم اعتماد معمولی فرق سے ناکام ہوئی۔ اس دوران مقبوضہ کشمیر میں مسلح جدوجہد کے اچانک شدت اختیار کرنے کے بعد نئی دہلی نے پاکستان پر اس تحریک کی اعانت کا الزام عائد کرنا شروع کر دیا جس کی پاکستان مسلسل تردید کرتا رہا لیکن بھارت اپنے موقف پر ڈٹا رہا۔

Marfat.com

بھارت کی ایٹمی تنصیبات

I- پاور ری ایکٹر

1- تاراپور i-	150 میگا واٹ کا پر ری ایکٹر 1969ء میں امریکی فرم جنرل الیکٹرک نے فراہم کیا تھا۔
2- تاراپور ii-	تاراپور 1 کی قسم کا ری ایکٹر ہے۔
3- راجستھان i-	207 میگا واٹ کینیڈا نے فراہم کیا تھا 1972ء سے کام کر رہا ہے۔ ملکی ساخت کا ایندھن اور ہیوی واٹر استعمال ہوتا ہے۔
4- راجستھان ii-	کوٹا کے مقام پر نصب شدہ اسی نوعیت کا ری ایکٹر ہے۔
5- مدراس i-	کل پکم کے مقام پر 220 میگا واٹ کا ری ایکٹر جس میں قدرتی یورینیم استعمال ہوتا ہے۔ 1983ء میں چالو ہوا اس میں چین، روس، ناروے، رومانیہ اور دیسی ساخت کا ہیوی وائر استعمال ہوا ہے۔
6- مدارس ii-	کل پکم I- میں اسی نوعیت کا ری ایکٹر ہے۔
7- نارورا i-	220 میگا واٹ کا ری ایکٹر بھارت نے غیر ملکی تعاون سے بنایا۔ ایندھن اور ہیوی واٹر دیسی ساخت کا استعمال ہوتا ہے۔ 1989ء میں کام شروع ہوا۔

Marfat.com

8- نارو ا ii-	مذکورہ بالا نوعیت کا ری ایکٹر 1990ء میں چالو ہوا۔
9- کاکراپار i-	220 میگاواٹ بھارتی ٹیکنالوجی اور بیرونی تعاون سے قائم ہوا تھا قدرتی یورینیم اور بھارت میں تیار شدہ ہیوی واٹر استعمال ہوتا ہے۔
10- کاکراپار ii-	اسی نوعیت کے ری ایکٹر نے 1992ء میں کام شروع کیا۔
11- کائگا i-	(کرناٹک) 220 میگاواٹ ملکی وسائل سے زیر تعمیر ہے۔ قدرتی یورینیم اور ہیوی واٹر دیسی ساخت کا استعمال ہوتا ہے۔ 1990ء میں کام شروع ہوا۔
12- کائگا ii-	(کرناٹک) مذکورہ بالا نوعیت کے زیر تعمیر ری ایکٹر نے 1990ء میں کام شروع کیا۔
13- راجستھان iii-	(کوٹا) 220 میگا واٹ دیسی ٹیکنالوجی ملکی ساخت کا ہیوی واٹر اور قدرتی یورینیم استعمال ہوتا ہے۔ 1995ء میں شروع ہوا تھا۔
14- راجستھان۔ i-	(کوٹا) مذکورہ بالا نوعیت کا ری ایکٹر ہے 1990ء میں کام شروع ہوا۔
II - یورینیم کے وسائل:	تقریباً 46 ہزار میٹرک ٹن کے ذخائر سے جاوا گودا کے مقام پر پلانٹ کام کر رہا ہے۔
III - یورینیم کی صفائی:	حیدر آباد میں ملکی ساخت کا پلانٹ 1984ء سے کام کر رہا ہے۔ سالانہ پیداوار 50 ہزار ٹن ہے۔
IV - یورینیم کی افزودگی: 1-	بھابھا اٹامک ریسرچ سنٹر ٹرامبے:۔

Marfat.com

2 - ٹرام بے انرچمنٹ پلانٹ۔	الٹرا گیس انرچمنٹ کم سطح پر انرچمنٹ 1984ء سے کام کر رہا ہے۔

V- ہیوی واٹر کی تیاری

i- ننگل پلانٹ۔	مغربی جرمنی کی مدد سے قائم ہوا سالانہ پیداوار 14 میٹرک ٹن ہیوی واٹر 1962ء سے کام کر رہا ہے۔
ii- بڑودہ پلانٹ۔	سوئٹزرلینڈ اور فرانس کی مدد سے 1977ء میں قائم ہوا تھا اور سالانہ پیداوار 45 میٹرک ٹن ہے۔
3- ٹوٹی کورن۔	سوئٹزر لینڈ اور فرانس کی مدد سے 1978ء میں شروع ہوا سالانہ پیداوار 50 میٹرک ٹن ہے۔
4- تل چر۔	یہ پلانٹ مغربی جرمنی کی مدد سے 1979ء میں قائم ہوا مگر پیداوار بہت کم ہے۔
5- کوٹا۔	یہ پلانٹ کینیڈا کی مدد سے 1984ء میں قائم ہوا اور سالانہ پیداوار 85 میٹرک ٹن ہے۔
6- تھل دیشت۔	یہ پلانٹ مقامی وسائل سے تعمیر ہوا۔ 1985ء میں چالو ہوا اور سالانہ پیداوار 110 میٹرک ٹن ہے۔
7- مانوگرو۔	مقامی ساخت کا پلانٹ 1990ء میں چالو ہوا اور سالانہ پیداوار 185 میٹرک ٹن ہے۔

Marfat.com

VI- ایندھن کی تیاری

1- حیدر آباد:	یہ پلانٹ 1971ء میں ملکی وسائل سے مکمل ہوا تھا۔ راجستھان' مدراس' تاواپور اور نارورا کے ری ایکٹروں کے لیے کافی مقدار میں ایندھن فراہم کرتا ہے۔ موجودہ پیداوار سالانہ 80 میٹرک ٹن کو بڑھا کر 225 ٹن کیا گیا ہے۔
2- ٹرام بے:	یہ پلانٹ بھی 1960ء میں ملکی وسائل سے لگایا گیا تھا اور اس کی سالانہ پیداوار 135 ٹن ہے۔
3- تاراپور:	ملکی ساخت کا یہ پلانٹ 1990ء میں قائم ہوا 70 کلوگرام پلوٹونیم سے سالانہ 20 ٹن ایندھن تیار کرتا ہے۔
VII- ری پراسسنگ	(استعمال شدہ ایندھن سے پلوٹونیم کا حصول)
1 - ٹرام بے پلانٹ:	امریکی ٹیکنالوجی کی مدد سے 1966ء میں قائم ہوا تھا۔ 1974ء میں بند ہو گیا تھا لیکن 1984ء میں دوبارہ چالو ہو گیا 30 میٹرک ٹن استعمال شدہ ایندھن ری پراسسنگ کیا جاتا ہے۔
2- تاراپور پلانٹ:	ملکی وسائل سے 1979ء میں قائم ہوا۔ سالانہ 100 میٹرک ٹن استعمال شدہ ایندھن سے 150 کلوگرام پلوٹونیم حاصل ہوتا ہے۔
3- کل پکم۔ i-	ملکی ساخت کا چھوٹا ریسرچ پلانٹ ہے۔
4- کل پکم۔ ii-	ملکی ساخت کا پلانٹ 1990ء میں کام شروع ہوا۔ 125 میٹرک ٹن ایندھن ری پراسس کرتا ہے۔

Marfat.com

VIII- ریسرچ ری۔ ایکٹر

1 - ایسرا (ٹرام بے):	ایک میگاواٹ کا ملکی ساخت کا ری ایکٹر ہے جو کہ 1956ء میں قائم کیا گیا تھا۔
2- سیرس (ٹرام بے):	40 میگاواٹ کا ری ایکٹر کینیڈا نے فراہم کیا تھا۔ 1960ء میں چالو ہوا کینیڈا نے ایندھن اور امریکہ نے ہیوی واٹر مہیا کیا۔
3- زرلینا (ٹرام بے):	ملکی ساخت کا چھوٹا ری ایکٹر 1961ء میں قائم ہوا تھا مگر 1983ء میں بند کر دیا گیا۔
4- پورنیما۔ ii- (ٹرام بے):	بھارت نے اپنے وسائل سے 1984ء میں قائم کیا تھا لیکن 1987ء میں بند کر دیا گیا۔
5- پورنیما۔ iii- (ٹرام بے):	ملکی ساخت کا ری ایکٹر یورینیم 233 استعمال کرتا ہے 1989ء میں شروع ہوا۔
6- کامنی (کل پکم):	ملکی ساخت کا 30 کلو واٹ کا ری ایکٹر ہے جو کہ 1988ء میں شروع ہوا تھا۔
7- ہروا (ٹرام بے):	100 میگاواٹ کا ملکی ساخت کا ری ایکٹر ہیوی واٹر اور قدرتی یورینیم استعمال کرتا ہے۔
8- کل پکم:	42 میگاواٹ بریڈر ری ایکٹر فرانس کی مدد سے 1985ء میں قائم ہوا اور یورینیم اور قدرتی یورینیم استعمال کرتا ہے۔
نوٹ:	جنوبی بھارت میں رتن ہلی کے مقام پر یورینیم کی افزودگی کا ایک سنٹری فیوج پلانٹ خفیہ طور پر کام کر رہا ہے۔ لیو نارڈ سپکٹر کی فراہم کردہ فہرست میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

۱؎ پاکستانی ایٹم بم اور علاقائی پس منظر از رضا علی ص ۱۸۲ تا ۱۸۶۔

Marfat.com

II- پاکستان کی ایٹمی تنصیبات

i- پاور ری ایکٹر

i - کراچی نیوکلیر پاور ری ایکٹر (کانوپ):	کینیڈا کا فراہم کردہ یہ بجلی گھر 1972ء میں شروع ہوا اور اس کی ابتدائی گنجائش 125 کلو واٹ تھی جو اب بمشکل 80 کلو واٹ رہ گئی ہے۔
ii - یورینیم کے ذرائع:	ڈیرہ غازی خاں میں کانوں سے خام یورینیم استعمال ہو رہا ہے اور وہیں اسے صاف کر کے یورینیم ہیکسافلورائیڈ تیار کرنے کا پلانٹ موجود ہے۔ جس کی سالانہ پیداوار تقریباً 200 میٹرک ٹن ہے۔

iii- ہیوی واٹر کی تیاری

i-	ملتان میں غالباً 1980ء میں پلانٹ قائم ہوا تھا جس کی سالانہ پیداوار 13 میٹرک ٹن ہے۔
ii-	کراچی میں کینیڈا کا فراہم کردہ ایک یونٹ 1976ء میں قائم ہوا۔ جو بمشکل (کانوپ) کی ضرورت پوری کرتا ہے۔

Marfat.com

iv- انرچمنٹ پلانٹ

i-	کہوٹہ میں الٹرا سنٹری فیوج پلانٹ کام کر رہا ہے جن کی سالانہ پیداوار 50 کلوگرام سے زیادہ ہے۔
ii-	سہالہ اور گولڑہ میں بھی اسی نوعیت کے الٹرا سنٹری فیوج نصب ہیں۔

v- پاور پلانٹ کے لیے ایندھن کی تیاری

i-	چشمہ (کندیاں) میں معمولی گنجائش کا یونٹ نصب ہے۔

vi- ری پراسسنگ پلانٹ

i- نیو لیب (راولپنڈی):	غالباً 1985ء میں ایک پلانٹ کام کر رہا ہے جس کی سالانہ پیداوار تقریباً 20 کلوگرام پلوٹونیم ہے۔
ii- پنسٹک (اسلام آباد):	تجرباتی بنیادوں پر قائم شدہ چھوٹا پلانٹ ہے۔

vii- ریسرچ ایکٹر

i- پنسٹک (Pinsteck) اسلام آباد:	امریکہ کا فراہم کردہ ریسرچ ری ایکٹر 1965ء میں نصب ہوا تھا۔ اس کی پیداواری گنجائش 5 میگا واٹ سے بڑھا کر 10 میگا واٹ کر دی گئی ہے۔
ii- ریسرچ ری ایکٹر i-	راولپنڈی میں چین کی مدد سے 1980ء میں ہوا تھا جو کہ 27 کلو واٹ ری ایکٹر ہے۔

Marfat.com

-iii ریسرچ ری -ii ایکٹر	50 میگا واٹ کا ری ایکٹر جو ملکی وسائل اور بیرونی تعاون کی بنیاد پر قائم ہوا تھا۔
o	وہ ایٹمی تنصیبات جو انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی (آئی۔اے۔ای۔اے (IAEA) کے ضوابط اور تحفظات کے تحت کام کر رہی ہیں۔ وہ تنصیبات جن کے تحفظات کو جزوی طور پر قبول کیا گیا ہے۔

ا ذریعہ معلومات: پاکستانی ایٹم بم از رضا علی ص ۱۸۶۔۱۸۷۔

Marfat.com

ایٹمی ری ایکٹر (بجلی گھر) کی ساخت

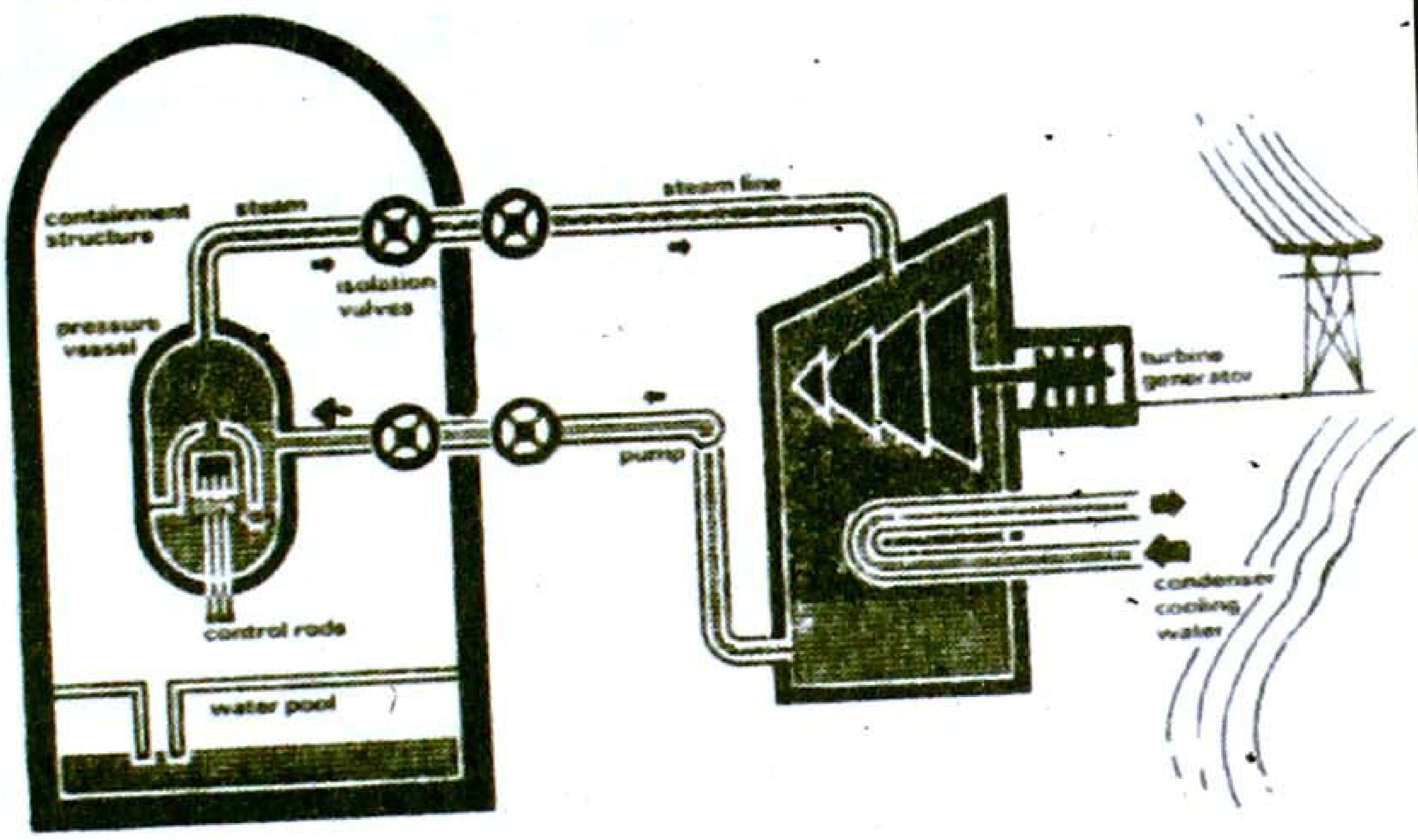

ایٹمی ری ایکٹر (بجلی گھر) کی ساخت

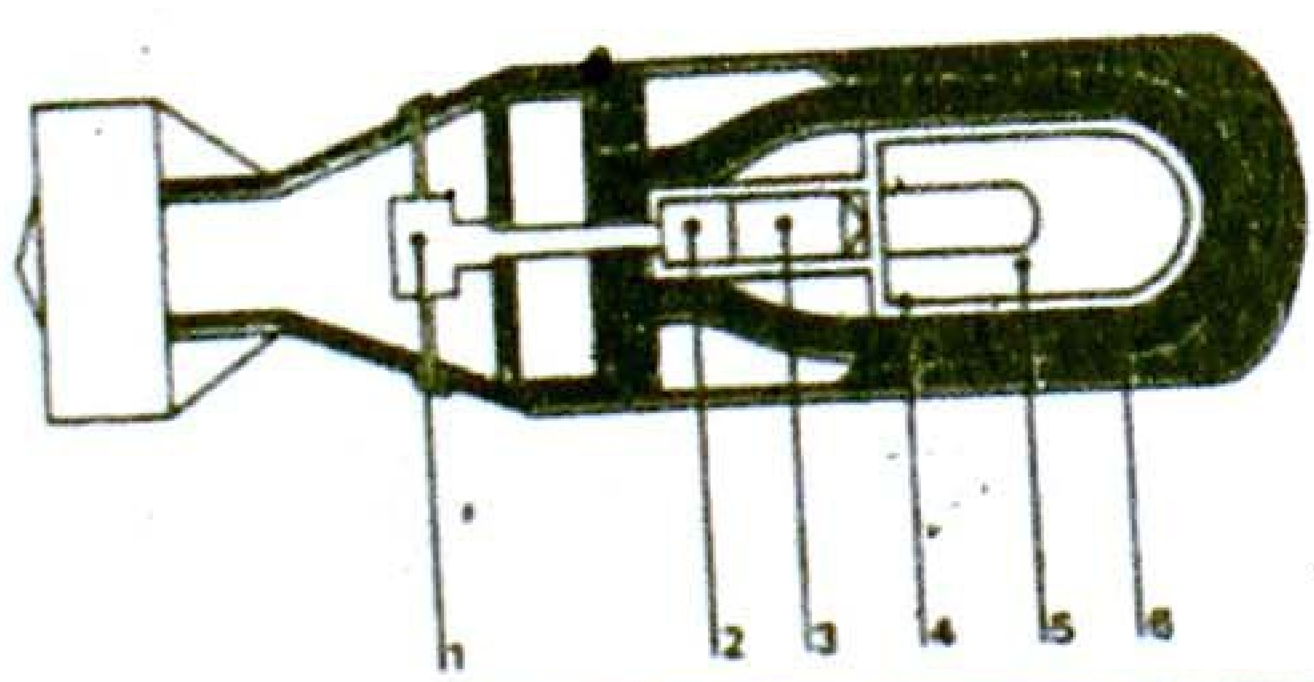

ہیروشیما پر گرائے جانے والے ایٹم بم (لٹل بوائے) کی اندرونی ساخت:

i- ایئر پریشر ڈیٹلونیٹر (Air Prassur Dilonatar) جس کے ذریعے ایٹم بم کے اندر دھماکے کا عمل شروع ہوتا ہے۔

ii- عام آتش گیر مادہ۔

iii- یورینیم 235 کا چھوٹا ٹکڑا۔

iv- نیوٹرون (فلکٹر)

v- یورینیم 235 کا بڑا ٹکڑا۔

vi- سیسے کا بنا ہوا خول جو یورینیم سے تابکاری کو باہر نکلنے سے روکتا ہے۔

Marfat.com

ایٹم بم کا ڈلیوری سسٹم

-A

-B

-C

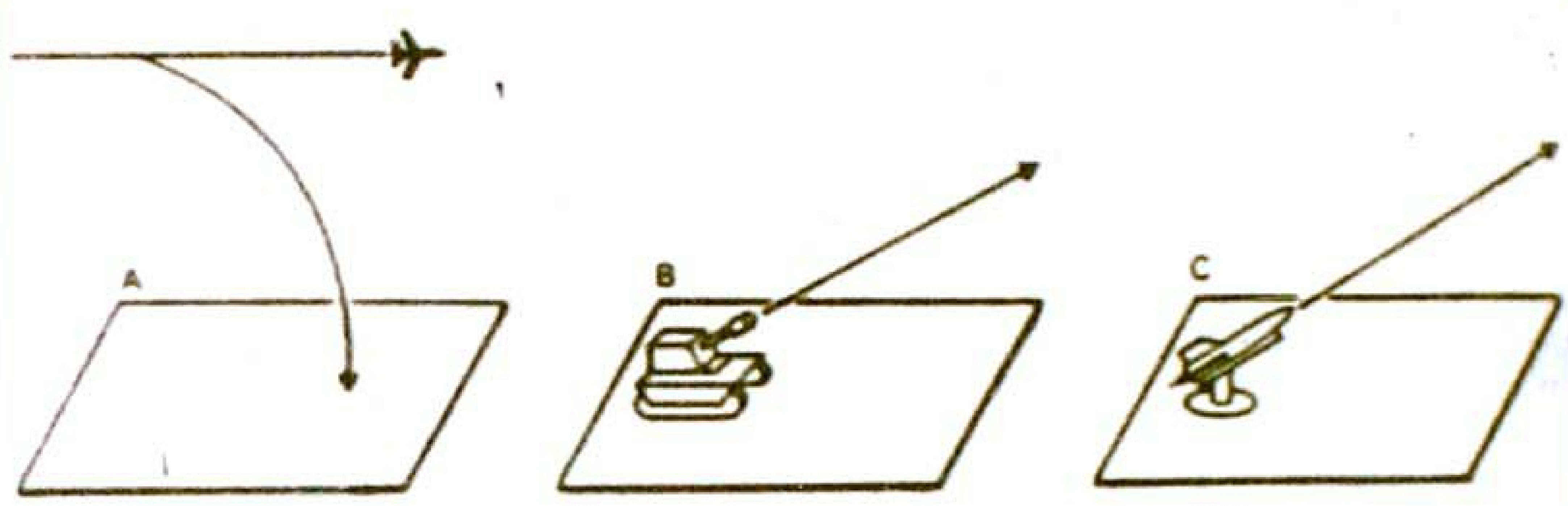

ایٹم بم کا ڈلیوری سسٹم

A- ہوائی جہاز کے ذریعے

B- توپ کے ذریعہ گولے کی شکل میں

C- میزائل کے ذریعہ

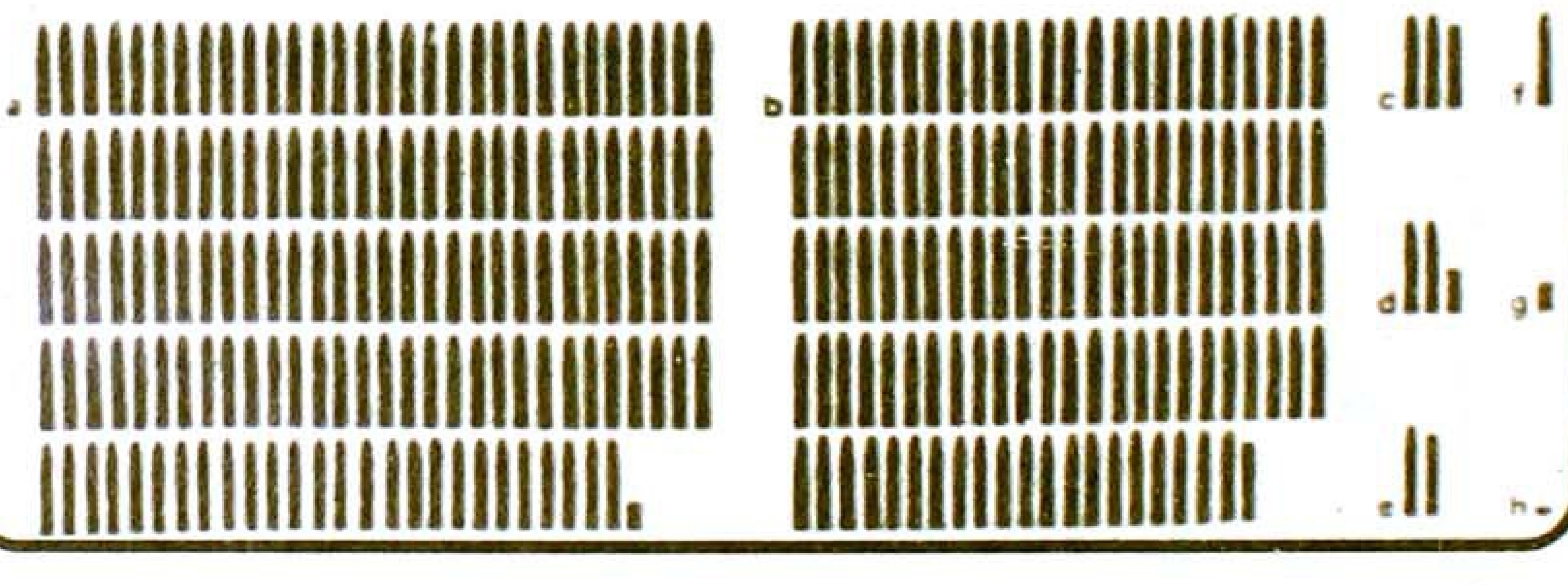

دنیا کے مختلف ممالک میں ایٹمی اسلحہ کا تقابلی جائزہ

Marfat.com

باب نمبر: 35

ایٹمی اسلحہ سازی کا سدباب

ایٹم (جوہر) کے اندر لامحدود قوت کا انکشاف تقریباً نصف صدی قبل ہوا تھا۔ صرف پانچ سال بعد یعنی 1945ء میں امریکہ نے جاپان کے دو شہروں ہیروشیما اور ناگا ساکی پر بارہ کلوٹن ٹی این ٹی قوت کے ایٹم بم گرائے جس کے نتیجے میں تین لاکھ سے زائد افراد ہلاک ہوئے اور اس قدر وسیع تباہی ہوئی جس کا اس سے قبل تصور بھی نہیں تھا۔

ایٹمی اسلحہ کے اس قدر ہولناک اثرات کے عملی مظاہرے نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا اور یہ دنیا میں خطرہ پیدا ہوا کہ:۔

"امریکہ کے بعد دیگر اقوام نے بھی ایٹمی اسلحہ بنانے کا سلسلہ شروع کر دیا تو کرہ ارض پر کوئی بھی خطہ تباہی سے محفوظ نہیں رہ سکے گا"۔

چنانچہ جلدی ہی عالمی سطح پر زور دیا گیا کہ ایٹمی قوت کو نوع انسانی کی تباہی و بربادی کی بجائے ترقی و خوشحالی کے لیے استعمال کیا جائے دوسری عالمی جنگ کے خاتمے کے بعد نو تشکیل شدہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے پہلی قرارداد اس ضمن میں یہ منظور کی۔ دسویں عشرے تک ایٹمی ٹیکنالوجی کا دائرہ بعض دیگر ممالک تک پھیل گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے سوویت یونین اور برطانیہ نے بھی ایٹم بم تیار کر لیے جس کی وجہ سے عالمی صورت حال اور زیادہ تشویش ناک نظر آنے لگی۔ ان خطرناک رجحانات کو قابو کرنے

Marfat.com

کے لیے اقوام متحدہ نے موثر انداز میں اپنی کوششوں کا آغاز کیا اور ایٹمی اسلحہ کی تیاری اور پھیلاؤ کو روکنے کے لیے دو تجاویز زیر غور آئیں۔

i- دنیا بھر میں ایٹمی ہتھیاروں سے پاک خطے قائم کیے جائیں۔

ii- ایک بین الاقوامی معاہدہ عمل میں لایا جائے جس کے تحت ایٹمی قوتیں ان ممالک کو ایٹمی اسلحہ یا اس کی ٹیکنالوجی فراہم نہ کریں جنھوں نے ابھی اس میدان میں قدم نہیں رکھا ہے نیز وہ خود بھی ایٹمی اسلحہ حاصل نہ کریں۔

شروع میں ان نکات پر کسی کو اختلاف نہ تھا' مگر اس میں ان ممالک کو مشکلات درپیش ہوئیں۔

i- وہ ممالک جو اصولی طور پر ایٹمی ہتھیار بنانے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ وہ کسی معاہدے کے حق میں نہ تھے۔

ii- بڑی طاقتوں کے درمیان سرد جنگ جاری تھی۔ وہ بھی اتفاق رائے نہیں رکھتے تھے۔

کافی خرابی اور بحث و تمحیص کے بعد امریکہ' برطانیہ اور روس نے اتفاق رائے سے ایک معاہدے کا مسودہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پیش کیا اور جنرل اسمبلی نے اس معاہدے کی منظوری 12 جون 1968ء کو دی۔ جس کو ''ایٹمی ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ'' (Nuclear Non-Proliferation Treaty) کا نام دیا گیا۔ یکم جولائی 1968ء کو تین بڑی طاقتوں نے یعنی امریکہ' برطانیہ اور سوویت یونین سمیت 62 ممالک کے نمائندوں نے اس پر دستخط کیے اور یہ معاہدہ NPT-5 مارچ 1970ء سے نافذ العمل ہوا۔ فرانس اور چین اس معاہدے پر مخلص تھے جس کی وجہ سے چین نے 1964ء میں ایٹمی دھماکہ کیا اور اس طرح فرانس بھی دنیا کی چوتھی بڑی قوت بن چکا ہے۔ اگست 1992ء تک تقریباً 160 ممالک نے اس معاہدے پر دستخط کیے ہیں۔ تاہم اب بھی چند ایسے ممالک جنھوں نے ایٹمی ٹیکنالوجی حاصل کر لی ہے اور انھوں نے ایٹمی اسلحہ بھی تیار کرلیا ہے ان میں اسرائیل' بھارت اور پاکستان جیسے ممالک شامل ہیں۔

Marfat.com

ایٹمی ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کا معاہدہ کیا ہے؟

i-دفعہ ایک: معاہدہ میں شامل ایٹمی ہتھیاروں سے لیس ہر ملک یہ عہد کرتا ہے کہ وہ کسی غیر ایٹمی ملک کو اسلحہ ایٹمی اور دھماکہ خیز آلات منتقل نہیں کرے گا اور نہ ہی وہ براہ راست یا بالواسطہ طور پر اس کی دسترس میں دے گا۔

ii-دفعہ دو: معاہدے میں شامل وہ ممالک جن کے پاس ایٹمی اسلحہ موجود نہیں ہے وہ یہ عہد کرتے ہیں کہ وہ براہ راست یا بالواسطہ طور پر ایٹمی اسلحہ دھماکہ خیز مواد حاصل نہیں کریں گے اور نہ ہی ایٹمی اسلحہ اور ایٹمی دھماکہ خیز مواد خود تیار کریں گے اور نہ ہی مذکورہ بالا اشیاء کی تیاری کے لیے کسی سے مدد لیں گے۔

iii-دفعہ تین: معاہدے میں شامل یہ غیر ایٹمی ممالک اس امر کا عہد کرتے ہیں کہ وہ انٹرنیشنل اٹامک انرجی (IAEA) ایجنسی کے جملہ تحفظات کو قبول کرلے گا تاکہ ایٹمی قوت کو پرامن مقاصد کی بجائے ایٹمی اسلحہ کی تیاری میں استعمال نہ کیا جا سکے۔

iv-دفعہ چار: معاہدے میں شامل ممالک کو ایٹمی قوت کے پُرامن استعمال اور ریسرچ کا حق حاصل ہو گا۔ معاہدے میں شامل ممالک کو یہ حق حاصل ہو گا کہ ایٹمی قوت کے پرامن استعمال کے لیے مواد سائنسی و فنی معلومات کا باہمی تبادلہ کریں اور ایٹمی ٹیکنالوجی کی مزید ترقی اور استعمال کے لیے باہمی طور پر اور بین الاقوامی اداروں کے ساتھ تعاون کریں۔

v-دفعہ پانچ: معاہدے میں شامل ممالک کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مناسب بین الاقوامی

Marfat.com

طریقہ کار اور معائنے کے تحت پُرامن مقاصد کے لیے کیے جانے والے ایٹمی دھماکوں کے چند نتائج سے ان غیر ایٹمی ممالک کو بلا امتیاز استفادہ کرنے کا موقع فراہم کرے۔

vi- دفعہ چھ: معاہدے کے ممبران عہد کرتے ہیں کہ جلد از جلد ایٹمی اسلحہ کی دوڑ کو روکنے اور ایٹمی اسلحہ کو ترک کر کے نیز ہر قسم کے اسلحہ کے مکمل خاتمے کے لیے نیک نیتی کے ساتھ موثر کوششیں کریں گے۔

vii- دفعہ سات: معاہدے کے تحت مختلف ملکوں کے گروہ کو یہ حق حاصل ہو گا کہ اپنے خطوں کو ایٹمی اسلحہ سے پاک علاقے قرار دیں۔

viii- دفعہ آٹھ: معاہدے کا فریق کوئی بھی ملک اس معاہدے میں ترمیم کے لیے تجویز پیش کر سکتا ہے اور ایک تہائی یا اس سے کم زیادہ ممالک کی درخواست پر اس ترمیم پر غور کرنے کے لیے تمام ارکان کا اجلاس لازمی طور پر بلایا جائے گا۔ اگر ارکان کی اکثریت جن میں ایٹمی طاقتیں بھی شامل ہوں تو معاہدے میں ترمیم کر دی جائے گی۔

این پی ٹی کے نافذالعمل ہونے کے ہر پانچ سال کے بعد معاہدے کے ارکان کی جائزہ کانفرنس جنیوا بھی ہو گی جس میں اس کے مقاصد کے حصول کی جانب پیش رفت کا جائزہ لیا جائے گا۔

ix- دفعہ نو: کوئی بھی ملک جو ایٹمی توانائی کی بین الاقوامی ایجنسی (آئی اے ای اے) (IAEA) کے متعلقہ تحفظات کو قبول کر لے معاہدے میں شامل ہو سکتا ہے۔

این پی ٹی کے تحت جس ملک نے یکم جنوری 1967ء سے قبل ایٹمی اسلحہ بنایا یا کوئی ایٹمی دھماکہ کیا اسے ایٹمی ملک تصور کیا جائے گا۔

x- دفعہ دس: ہر فریق کو اپنی قومی خود مختاری کا خیال رکھتے ہوئے اس بات کا پورا پورا حق

Marfat.com

حاصل ہو گا کہ وہ اگر محسوس کرے کہ اس سلسلے میں کسی غیر معمولی واقعہ سے اس کے عظیم تر قومی مفادات کو نقصان پہنچا ہے تو اُسے سمجھوتے سے علیحدگی اختیار کرنے کا حق ہو گا۔ وہ اس سلسلے میں تین ماہ قبل سمجھوتے کے تمام فریقوں اور اقوام متحدہ کی سلامتی کی کونسل کو ایک نوٹس کے ذریعہ آگاہ کرے گا اور اس نوٹس میں ان غیر معمولی واقعات کے بارے میں وضاحت کرے گا جس کی وجہ سے اسے علیحدگی کی ضرورت محسوس ہوئی ہے اور اس سمجھوتے کے 25 سال بعد ایک کانفرنس بھی بلا لی جائے گی جس میں اس بات پر فیصلہ کیا جائے گا کہ آیا یہ سمجھوتہ غیر معینہ مدت کے لیے جاری رہنا چاہیے یا کسی مقررہ مدت یا مدتوں کے لیے اس کی توسیع کر دی جائے۔ اس قسم کا فیصلہ سمجھوتے کے فریقوں کی اکثریت سے ہی کیا جائے گا۔

xi-دفعہ گیارہ: یہ سمجھوتہ جس کے انگریزی، روسی، فرانسیسی، سپینی اور چینی متن بھی اتنے ہی مستند ہیں۔ ڈیپازٹری حکومتوں (امریکہ، برطانیہ، سودیت یونین اور شمالی آئرلینڈ) کے قومی ورثے کے تحفظ کے ادارے میں جمع کر دیا جائے گا اور ڈیپازٹری حکومتیں اس سمجھوتے کی تصدیق شدہ نقول دستخط کرنے والے ملکوں اور اس سے اتفاق کرنے والے ملکوں کو بھیج دیں گے (تلخیص بہ شکریہ)

اگرچہ ایٹمی ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کے لیے مقررہ کردہ تمام دفعات میں کوئی بھی ایسی بات مضر معلوم نہیں ہوتی۔ مگر اس وجہ سے ایٹمی ہتھیاروں کے پھیلاؤ کی بڑی طاقتوں کی ہوس اور حرص ہے اور وہ اپنے علماء کے روّیوں کو برقرار رکھنے کی خواہش میں خود ہی ان دفعات کی خلاف ورزی کرتے ہیں جن کی وجہ سے چھوٹے ممالک کو بھی اپنے تحفظ کے لیے ایٹمی ہتھیاروں کی طرف بھاگنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ورنہ غریب ممالک جن کے عوام روٹی اور کپڑے کے لیے ترس رہے ہیں ان کو ایٹمی اسلحہ تک پہنچنے کی کہاں بساط حاصل ہے؟

Marfat.com

باب نمبر: 36

این پی ٹی پر اعتراضات

این پی ٹی دراصل ایک ایسا معاہدہ ہے جس کی رو سے ایٹمی ممالک وعدہ کرتے ہیں کہ وہ غیر ایٹمی ممالک کو بم فراہم نہیں کریں گے اور نہ ہی ایٹمی ٹیکنالوجی فراہم کر کے ایٹمی ہتھیار بنانے میں مدد دیں گے۔ (شق نمبر1)

اور دوسری طرف شق نمبر 2 کے تحت غیر ایٹمی ممالک وعدہ کرتے ہیں کہ وہ ایٹمی ہتھیار نہیں بنائیں گے اور نہ ہی اس مقصد کے لیے ایٹمی ممالک سے ٹیکنالوجی حاصل کریں گے۔

i- این پی ٹی میں شامل ارکان شق نمبر 4 کے تحت یہ مکمل حق اور اختیار رکھتے ہیں کہ ایٹمی توانائی کے پُرامن استعمال کے لیے ٹیکنالوجی حاصل کریں یا دوسروں کو اس مقصد کے حصول میں مدد دیں۔ شق نمبر 4 میں جن میں مراعات اور حقوق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ ان کی وجہ سے این پی ٹی سے مقاصد کے بارے میں سنگین قسم کی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں جن کی وجہ سے این پی ٹی غیر موثر ہو کر رہ گیا ہے کیونکہ گزشتہ چالیس سالوں کے دوران بہت سے ممالک نے مختلف ممالک سے شق نمبر 4 کے تحت ملنے والے حق کو استعمال کرتے ہوئے ایٹمی ٹیکنالوجی حاصل کی اور اس میں محنت اور لگن سے اسلحہ سازی کے پروگرام

Marfat.com

پر عمل پیرا ہو گئے اور غیر ایٹمی ممالک اس معاملے میں پابندیوں کو اپنے لیے یا اپنی خود مختاری کے خلاف تصور کرتے ہوئے این پی ٹی کی مذکورہ شق کو امتیازی سلوک سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ چین' پاکستان' فرانس اور بعض دیگر ممالک نے اس اعتراض سے این پی ٹی پر دستخط نہیں کیے تھے جبکہ چین بعد میں اس معاہدے میں شامل ہو گیا تھا لیکن وہ برابر یہی اعتراض کرتا رہا۔

-ii این پی ٹی کے بارے میں دوسرا بڑا اعتراض یہ بھی ہے کہ معاہدے میں غیر ایٹمی ممالک کو عدم پھیلاؤ کے سلسلے میں پابند کر دیا گیا ہے جبکہ ایٹمی ممالک ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد ہیں اور وہ خود ایٹمی اسلحہ یا اس کے اجزا بنا کر غیر ایٹمی ممالک کو فروخت کرتے ہیں۔

-iii معاہدے کی شق نمبر 10 کے مطابق ہر پانچ سال کے بعد جائزہ کانفرنس منعقد ہو گی۔ جس کی تعمیل میں کانفرنسیں منعقد بھی ہوئیں جن پر اس کی افادیت پر اطمینان کا اظہار کیا گیا حالانکہ عملی طور پر مطلوبہ مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔ اس سلسلے میں آخری کانفرنس 2000ء میں ہوئی ہے۔ جس کے تحت معاہدے میں توسیع واقع ہوئی مگر مقاصد کے حصول کے لیے ویسے ہی حالات پائے جاتے ہیں۔

-iv این پی ٹی میں ایک خامی یا اعتراض یہ بھی پایا جاتا ہے کہ غیر ایٹمی ممالک کی سلامتی کے لیے کوئی ضمانت نہیں دی گئی جس کی وجہ سے بعض ممالک اپنے ایٹمی حریفوں کی جانب سے ایٹمی حملے کا خطرہ ہروقت محسوس کرتے ہوئے خود کو ایٹمی ممالک میں شامل کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ سلامتی کونسل کی جولائی 1968ء کی اس قرارداد کے باوجود اور ہر کسی ایٹمی ملک کی طرف سے غیر ایٹمی ملک پر حملے یا اس کی دھمکی کی صورت میں کونسل اس کے خلاف

Marfat.com

کارروائی کرے گی غیر ایٹمی ممالک خود کو غیر محفوظ تصور کرتے ہیں۔

اس مسئلے پر اقوام متحدہ میں کافی بحث ہوتی ہے اور توقع کی جاتی ہے کہ 2000ء کی جائزہ کانفرنس کے موقع پر اس خامی کو دور کرنے کے لیے کوئی ترمیم کر سکے گی۔ سردست بعض ایٹمی ممالک مثال کے طور پر امریکہ، برطانیہ، چین اور فرانس نے اپنے طور پر ضمانت دی ہے کہ "وہ غیر ایٹمی ممالک کے خلاف ایٹمی اسلحہ استعمال نہیں کریں گے"۔

Marfat.com

این پی ٹی (N.P.T) معاہدہ عدم پھیلاؤ اسلحہ

(Nuclear Non Proliferation Treaty)

یہ امر سب سے واضح ہے کہ کسی معاہدے کو کامیاب بنانے کے لیے بنانے والوں کی نیک نیتی کا اس میں بڑا عمل دخل ہوتا ہے اور بنانے والے بڑے ممالک یا لوگ ہی ہوتے ہیں۔ اگرچہ این پی ٹی کی افادیت سب ممالک پر خواہ ایٹمی ہوں یا غیر ایٹمی مسلم ہے مگر اس مقصد کے حصول میں کامیابی کا دار و مدار بڑی حد تک سپر طاقتوں اور دیگر ایٹمی ممالک پر ہے۔ اگر وہ خلوص نیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے باہمی سمجھوتوں کے ذریعے تخفیف اسلحہ کی راہ اختیار کریں گے اور مکمل طور پر ترک اسلحہ کی منزل کو حاصل کرنے کے لیے ہمہ جہتی اقدامات کریں گے تو غیر ایٹمی ممالک بھی ایسا ہی طرز عمل اختیار کریں گے۔ اس سلسلے میں یہ امر بڑا خوش آئند ہے کہ روس اور امریکہ نے دسمبر 1991ء اور جون 1992ء کے دوران اپنے روایتی اور ایٹمی ہتھیاروں میں ایک تہائی کی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ رجحان پاکستان اور بھارت کے لیے یقینی طور پر قابل تقلید ہو گا۔

ایٹمی ساز و سامان فراہم کرنے والے ممالک نے از سر نو اس امر کا وعدہ کیا ہے کہ:۔

i- ایٹمی سامان خریدنے والوں پر یہ شرط عائد کریں گے کہ مطلوبہ سامان حاصل کرنے سے پہلے اپنی تمام ایٹمی تنصیبات آئی اے ای اے (IAEA) کے

Marfat.com

معائنے کے لیے کھول دیں۔

ii- آئی اے ای اے کے اس اختیار کو موثر بنایا جائے جس کے تحت وہ ان ایٹمی تنصیبات کا بھی معائنہ کرنے کی مجاز ہے۔ جس کا اعلان نہ کیا گیا ہو۔

iii- این پی ٹی کے ارکان غیر ایٹمی ممالک کو سلامتی کی ضمانت دینے کے لیے ایٹمی ممالک اپنی یقین دہانیوں کا اعادہ کریں اور اس ضمن میں مناسب اقدام اٹھائیں۔

iv- ایٹمی قوت کے پرامن استعمال میں بین الاقوامی تعاون کو فروغ دینے کے لیے تجاویز پر غور کیا جائے۔ علاوہ ازیں آئی اے ای اے کی کارکردگی کو موثر بنانے کے لیے ضروری وسائل فراہم کیے جائیں تاکہ ترقی پذیر ممالک کی اس میدان میں مدد بھی کر سکیں۔

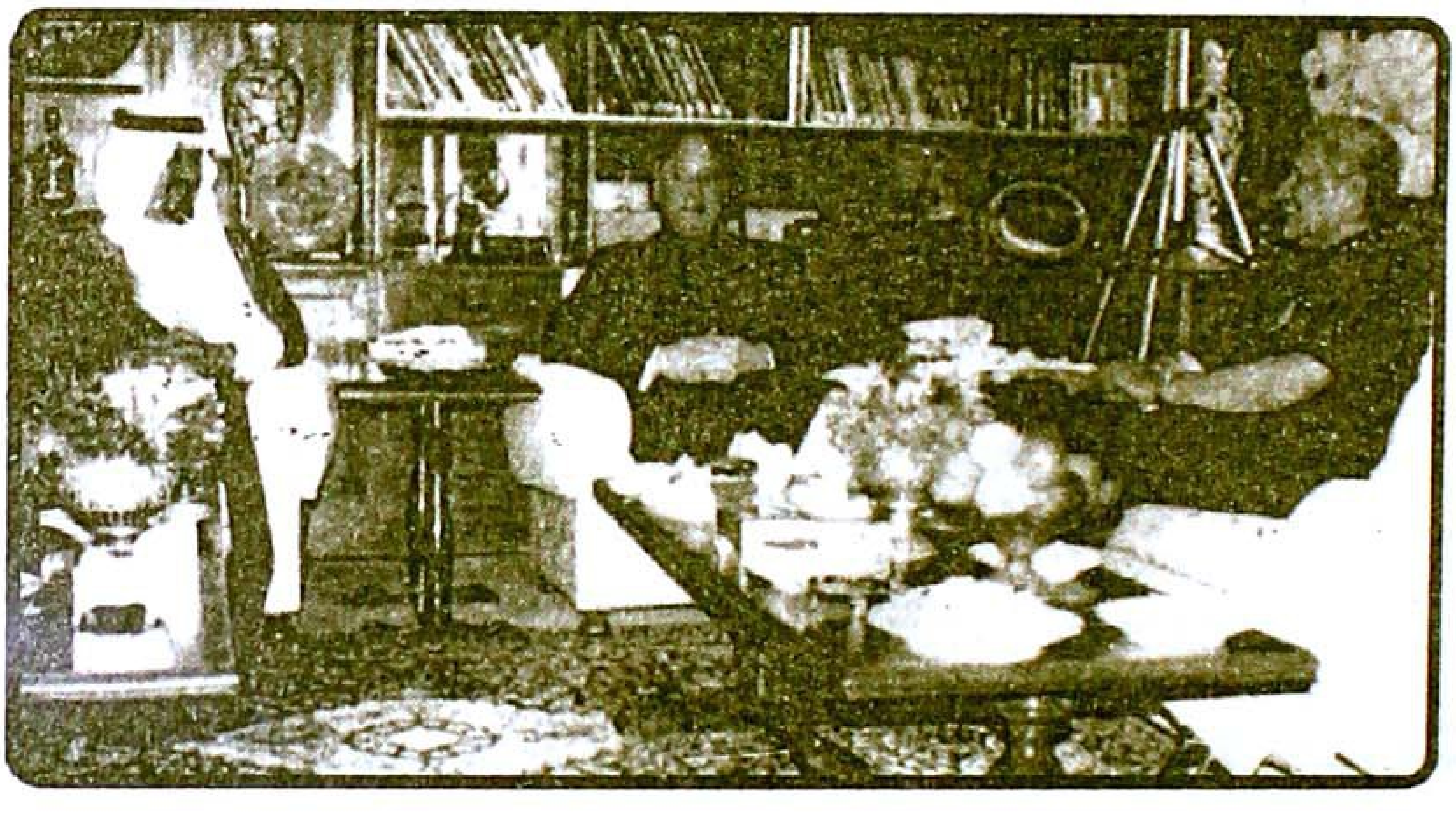

Marfat.com

باب نمبر: 37

انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی (IAEA)

(International Atomic Energy Agency)

اقوام متحدہ کے ایک ذیلی ادارے کی حیثیت سے انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی (IAEA) 1957ء میں قائم ہوئی۔ جس میں تقریباً 120 ممالک نے شرکت کی۔ اس ایجنسی کے دو اہم اور بڑے مقاصد تھے:۔

i- ایٹمی توانائی کو صرف پُرامن مقاصد یعنی قوت، زراعت، صحت اور صنعتی شعبوں میں احتیاط سے استعمال کیا جائے۔

ii- اس امر کی بھی نگرانی کی جائے کہ ایٹمی قوت کو صرف مذکورہ بالا مقاصد کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے اور متعلقہ ایٹمی تنصیبات میں حفاظتی اقدامات معیار کے مطابق ہیں۔ مارچ 1970ء میں N.P.T کے نافذ العمل ہونے کے بعد ایٹمی قوت کے پُرامن استعمال اور تنصیبات کے معائنے اور نگرانی کی ذمہ داری اس ایجنسی کے ذمہ کر دی گئی جس کا صدر دفتر ویانا (آسٹریا) میں ہے۔ (iAEA) کے نظام تحفظات کے دائرے میں ہر قسم اور ہر نوعیت کے ایٹمی پلانٹ اور دیگر تنصیبات شامل ہیں۔ اس ضمن میں ایجنسی کا طریقہ کار چار مراحل پر مشتمل ہے:۔

Marfat.com

i- ایجنسی کے ماہرین تنصیبات اور ان کے منصوبوں کا فنی لحاظ سے جائزہ لے کر اس امر کو یقینی بناتے ہیں کہ ان کے ڈیزائن اور تابکاری کو موثر طور پر کنٹرول کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔

ii- متعلقہ ملک کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ پلانٹ کی کارگزاری اور اس میں استعمال ہونے والے ایٹمی مواد کا تفصیلی ریکارڈ رکھے اور ایجنسی کو باقاعدگی سے رپورٹ فراہم کرتا رہے۔

iii- ایجنسی کے انسپکٹر صاحبان ایٹمی تنصیبات / ترجیحات کا موقع پر معائنہ کرتے ہیں۔ ہر ملک میں اس کی منظوری سے انسپکٹر متعین ہوتے ہیں۔

iv- یہ ایجنسی ہر سال اپنی کارکردگی کی رپورٹ اقوام متحدہ کی جنرل سلامتی کونسل اور اقتصادی سلامتی کونسل کو پیش کرتی ہے۔ اس وقت دنیا میں تقریباً ساڑھے چار سو سے پانچ سو تک ایٹمی بجلی گھر کام کر رہے ہیں۔ جن میں تقریباً 90 فیصد بجلی گھر ایجنسی کی نگرانی میں کام کر رہے ہیں اس کے علاوہ 95 فیصد جو ایٹمی مواد ملک سے باہر پیدا ہوتا ہے ایجنسی کو معائنے کے لیے پیش کیا جاتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیر ایٹمی ممالک میں موجودہ تقریباً 5 فیصد ایٹمی تنصیبات اور ایٹمی ممالک میں اسلحہ کے تمام ذخائر سر دست ایجنسی کی نگرانی سے باہر ہیں۔

ایٹمی قوت کے پرامن استعمال میں بھی زبردست اضافہ اور احتیاط ضروری ہے کیونکہ کوئی بھی جاندار ایک مقررہ حد سے زیادہ ایٹمی تابکاری یا شعاعیں جذب کرے تو اس کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ چنانچہ آئی اے ای اے (IAEA) کی ذمہ داری ہے کہ دنیا بھر میں ہر قسم کی تنصیبات میں معیار کے مطابق حفاظتی اقدامات اور انتظامات ہوں اور تابکاری شعاعوں کو کنٹرول کرنے کے لیے انتہائی موثر اقدامات کیے جائیں۔ اس مقصد کے لیے ایجنسی نے ایٹمی تنصیبات کے حفاظتی اقدامات کا معیار مقرر

Marfat.com

کیا ہے اور اس کے مقرر کردہ انسپکٹر ان حفاظتی تدابیر کے عمل درآمد کا جائزہ لیتے رہتے ہیں۔ ان حفاظتی اقدامات کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ:۔

i- کرہ ارض پر اور بیرونی فضا کو ایٹمی تابکاری سے آلودہ ہونے سے بچایا جائے۔

ii- دنیا بھر میں کہیں بھی ایٹمی تنصیبات میں حادثات کی صورت میں آئی اے ای اے کے ماہرین موقع پر پہنچ کر مشاورتی خدمات فراہم کرتے ہیں۔

ایجنسی نے ایٹمی تنصیبات میں حادثات کے سدباب کے لیے اور حفاظتی اقدامات کو فروغ دینے کے لیے بین الاقوامی سطح پر فنی معلومات کی فراہمی کا بھی انتظام کیا ہے۔

iii- ایجنسی اس امر کی بھی نگرانی کرتی ہے کہ دنیا بھر میں ایٹمی بجلی گھروں اور ری ایکٹروں کا فضلہ جو بہت تابکار ہوتا ہے حفاظت کے ساتھ ٹھکانے لگایا جائے؟

این پی ٹی (N.P.T) میں شامل غیر ایٹمی ممالک کو مکمل آزادی حاصل ہے کہ آئی اے ای اے (iAEA) کے متعلقہ قواعد و ضوابط کے دائرے میں رہتے ہوئے پُرامن مقاصد کے لیے ایٹمی ٹیکنالوجی حاصل کریں اور اسے قومی تقاضوں کے مطابق ترقی دیں۔ تاہم اس امر کی تصدیق کے لیے کہ مذکورہ زمرے سے تعلق رکھنے والے ممالک قواعد و ضوابط کی پیروی کر رہے ہیں؟ ایجنسی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ پُرامن مقاصد کے لیے ایٹمی ٹیکنالوجی استعمال کرنے والا ملک دو طرفہ معاہدے کے ذریعے ایجنسی کے تحفظات قبول کرتا ہے۔ اس وقت ایسے ممالک کی تعداد تقریباً 46 ہے۔

ان کے علاوہ ایٹمی ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کے معاہدے پر دستخط نہ کرنے والے غیر ایٹمی ممالک بھی مخصوص ایٹمی تنصیبات کی بنیاد پر آئی اے ای اے کے تحفظات قبول کرتے ہیں۔ ایسے انفرادی معاہدوں کی تعداد تقریباً 15 ہو گی مثال کے طور پر

Marfat.com

پاکستان نے چین سے ایٹمی گھر کے حصول کا جو معاہدہ کیا ہے اس کے لیے iAEA تحفظات قبول کر لیے گئے ہیں۔ اس طرح کراچی میں ایٹمی بجلی گھر ایجنسی کے تحفظات کے تحت کام کر رہا ہے۔

این پی ٹی کے مطابق ایٹمی ممالک کے لیے لازمی ہے کہ وہ اپنی پرامن ایٹمی تنصیبات کے لیے iAEA کے مروّجہ تحفظات قبول کریں۔ تاہم 86-1985ء کے دوران امریکہ، سابق سودیت یونین، برطانیہ اور فرانس نے رضا کارانہ طور پر مذکورہ تحفظات کو قبول کر لیا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق این پی ٹی میں شامل غیر ایٹمی ممالک 98 فیصد ایٹمی تنصیبات iAEA کے نظام تحفظات کے تابع ہیں اسی طرح اندازاً 200 ٹن پلوٹونیم 20 ٹن اعلیٰ طاقت کی یورینیم تقریباً 25 ہزار ٹن کم افزودہ یورینیم اور 35 ہزار ٹن خام مال ایجنسی کے تحفظات کے نظام میں شامل ہیں۔ اس ایجنسی کے اندازے کے مطابق 1992ء تک 30 غیر ایٹمی ممالک میں موجود ایٹمی بجلی گھر 316 ٹن پلوٹونیم پیدا کرنے لگیں گے۔ پلوٹونیم کی یہ مقدار ہیروشیما پر گرائے گئے ایٹم بم "لٹل بوائے" کی طاقت کے 40 ہزار ایٹم بم بنانے کے لیے کافی ہے۔

Marfat.com

I.A.E.A

انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی کو درپیش مشکلات

ایجنسی نے ایٹمی مواد اور متعلقہ ساز و سامان کو ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری میں استعمال سے روکنے کے لیے تحفظات کا نظام قائم کیا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ انھیں موثر بنانے کی کوشش بھی جاری ہے تاہم ایجنسی کی راہ میں بہت سی مشکلات کے سبب توقع کے مطابق مطلوبہ مقاصد حاصل نہیں ہو سکے جو کہ ذیل میں دیے جا رہے ہیں:۔

i- ایجنسی کا کام ہے کہ وہ ایٹمی مواد کی نگرانی کرے کہ مواد فوجی مقاصد کے لیے تو استعمال نہیں کیا جا رہا؟ مگر ممکن ہے کہ ایجنسی کے جانچ پڑتال کے دوران کے نظام ہی میں کوئی خامی یا کمزوری رہ گئی ہو یا نگرانی کرنے والے عملے نے اپنے فرائض کی انجام دہی میں نااہلی یا غفلت کا مظاہرہ کیا ہو یہ امر بھی قرین قیاس ہے کہ بعض معاملات میں ایجنسی بیرونی یا اندرونی دباؤ کا شکار رہی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایجنسی کے رکن ممالک کا ایک بڑا حلقے جن کا تعلق تیسری دنیا کے غیر ایٹمی ممالک سے ہوتا ہے مسلسل زور دیتا رہا ہے کہ ایجنسی کا کام تسلی بخش نہیں ہے کہ جو سالانہ رپورٹ پیش کرتی ہے وہ درست حقائق پر مبنی نہیں ہے اور ان رپورٹوں کو خفیہ نہیں رکھنا چاہیے۔

Marfat.com

ii- انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی کو بنیادی طور پر جو مشکلات درپیش ہیں ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ وہ ایٹمی ممالک جو ایٹمی اسلحہ سازی کے رستے پر چل رہے ہیں یورینیم انرچمنٹ اور ری پراسسنگ کی تنصیبات اُس کی نگرانی میں نہیں ہیں۔ ایسے ممالک میں ارجنٹائن' برازیل' بھارت' جنوبی افریقہ اسرائیل کے علاوہ پاکستان کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ ان تمام ممالک نے اپنی چند تنصیبات کو چھوڑ کر باقی تنصیبات کے لیے آئی اے ای اے کے تحفظات کو قبول کر لیا ہے۔ بعض ایٹمی تنصیبات میں ایسا مواد استعمال یا پیدا ہو رہا ہے جو پاوڈر' مائع یا گیس کی شکل میں ہوتا ہے جس کی ناپ تول کا حساب رکھنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے چنانچہ آئی اے ای اے کا نگران عملہ اس کا مکمل طور پر صحیح ریکارڈ نہیں رکھ سکتا۔ اس لیے جب بھی اس مواد کی کچھ مقدار فوجی مقاصد کے استعمال کے لیے چھپائی گئی تو اس کا صحیح علم نہیں ہو سکا۔

iii- ایجنسی کے مالی وسائل بھی محدود ہیں جن کی وجہ سے تمام تنصیبات کا ضرورت کے مطابق معائنہ نہیں ہو پاتا۔ اس کے علاوہ اس کے معائنہ افسران کے لیے یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ وہ کسی ایٹمی تنصیب کا اچانک معائنہ کر سکیں کیونکہ متعلقہ ملک کو اُن کی خفیہ رپورٹ یا اطلاع مل جاتی ہے اور بعض اوقات وہ ملک کسی خاص فرد کے معائنہ کرنے سے گریز بھی کر سکتا ہے۔

iv- ایجنسی کے پاس ایسے اختیارات نہیں ہیں کہ وہ تحفظات کی خلاف ورزی کرنے والے ممالک کے خلاف کوئی کارروائی کر سکے وہ صرف اس امر سے سلامتی کونسل کو آگاہ کر سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایٹمی سامان برآمد کرنے والے ممالک نے جن میں امریکہ سرفہرست ہے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ مقررہ حد سے زیادہ سطح پر یورینیم افزودہ کرنے والے ممالک کے ساتھ تجارت کو

Marfat.com

محدود کر دیں اور دیگر انداز میں دباؤ ڈالیں اس کی ایک مثال پاکستان کی ہے جس کی اقتصادی خصوصی امداد 1990ء میں اسی وجہ سے بند کی گئی تھی کہ وہ یورینیم 5 فیصد سے زیادہ سطح پر افزودہ کر رہا تھا۔

v- عالمی سطح پر وہ ممالک جو اسلحہ کے عدم پھیلاؤ کے حق میں ہیں وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ آئی اے ای اے کے تحفظات پر عملدرآمد کرنے کے لیے نئے قوانین موثر انداز میں بنائے جائیں۔

گذشتہ چند روز کے دوران یہ حقیقت منظر عام پر آئی ہے کہ بعض ممالک جو ایٹمی تحفظات کی آڑ میں ایٹمی اسلحہ سازی کے پروگرام پر عمل پیرا ہیں۔ یا اس عمل میں دوسرے ممالک کی معاونت کر رہے ہیں۔ یہ وہ ممالک ہیں جو این پی ٹی میں شامل ہیں عراق میں کچھ بھی نہیں نکلا۔ آئی اے ای اے نے ساری رپورٹوں میں یہ تسلیم کیا ہے۔ بعد ازاں برطانیہ اور امریکہ نے بھی اپنی انٹیلی جنس رپورٹیں غلط تسلیم کیں (پاکستان کے متعلق یہ لکھنا کہ وہ غلط کام کر رہا ہے اچھا نہیں لگتا) توقع ہے کہ آئندہ سالوں میں مذکورہ تحفظات کو موثر بنانے کے لیے نئے قوانین بنائے جائیں گے اس طرح خلاف ورزی کرنے والوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

Marfat.com

باب نمبر: 38

پاکستان کا پُرامن ایٹمی پروگرام

پاکستان کا بڑا دشمن ملک جو ہر وقت پاکستان کو ہڑپ کرنے کے خیال میں مگن رہتا ہے۔ وہ اس کا پڑوسی ملک ہے جس کا نام ہندوستان ہے۔ ایٹمی توانائی میں بہت ہی ایڈوانس ہو چکا ہے جس سے دفاع کے لیے لازمی طور پر پاکستان کو بھی کچھ اختیارات حاصل ہیں۔ تو پاکستان نے بھی ایٹمی ٹیکنالوجی کی طرف اپنے صبر آزما سفر کا آغاز کیا۔ جس کی ابتدا پاکستان نے گورنمنٹ کالج لاہور کے فزکس ڈیپارٹمنٹ سے کی۔ جہاں 1954ء میں پوسٹ گریجوایٹ طلبا کے لیے نیوکلیر ریسرچ لیبارٹری قائم کی گئی۔ اس دور میں امریکہ کے صدر مسٹر آئزن ہاور تھے اور اُن کے ''ایٹم برائے امن'' کے پروگرام کو مقبولیت حاصل ہو رہی تھی اور انٹرنیشنل اٹامک انرجی کونسل کا قیام بھی عمل میں آ چکا تھا۔

پاکستان نے ہندوستان کے مقابلے میں تقریباً دس سال بعد میں ایٹمی ٹیکنالوجی کے حصول کی جانب قدم بڑھایا کیونکہ ہندوستان میں ایک پارسی سائنسدان ہومی بھابھا کی سربراہی میں بمبئی 1944ء میں ایٹمی تحقیقاتی ادارہ قائم ہوا تھا جسے جواہر لال نہرو کی مکمل سرپرستی اور اعانت حاصل تھی۔ پاکستان میں 1955ء میں ایٹمی توانائی کے پُرامن استعمال کے لیے پاکستان اٹامک انرجی کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ ڈاکٹر نذیر احمد کی قیادت میں اس بارہ رکنی کمیٹی کو درج ذیل اُمور سونپے گئے۔

Marfat.com

-i ملک میں ایٹمی ٹیکنالوجی کے میدان میں تحقیق کے لیے درکار جملہ ضروریات اور لوازمات کو پیش نظر رکھتے ہوئے دستیاب وسائل کا جائزہ لے کر اس ضمن میں منصوبہ تیار کرے اور حکومت کو سفارشات پیش کرے۔

-ii 1956ء میں کمیٹی کی سفارشات کے مطابق ایک اعلیٰ اختیاراتی اٹامک انرجی کونسل قائم کی گئی جو:۔

-i ایک گورننگ باڈی اور

-ii اٹامک انرجی کمیشن پر مشتمل تھی۔

گورننگ باڈی دو مرکزی وزراء اور دو سیکرٹریوں اور ایک چیئرمین پر مشتمل تھی۔ ڈاکٹر نذیر احمد کو اس کا چیئرمین مقرر کیا گیا۔ کمیشن میں سائنسدان بھی شامل تھے' پاکستان اٹامک انرجی کمشن کی درج ذیل ذمہ داری تھیں:۔

-i ایٹمی توانائی کے پُرامن استعمال کے سروے اور منصوبہ بندی۔ پُرامن تابکاری استعما۔

-ii مواد کا حصول۔

-iii نیوکلیر (Nuclear) ریسرچ انسٹی ٹیوٹ Reserch Institute کا قیام۔

-iv ریسرچ اور پاور ری ایکٹروں کی تعمیر۔

-v ایٹمی توانائی کے میدان میں تعاون اور کارکنوں کی تربیت کے انتظامات۔

-vi تابکار مواد کا زراعت' صحت اور صنعتی شعبوں سے حاصل کرنا۔

کمیشن کے اخراجات کے لیے 56-1955ء کے منصوبے میں 25 لاکھ روپے کی رقم مختص کی گئی تھی۔ جس کو بڑھا کر 57-1956ء میں 50 لاکھ تک کر دیا گیا اور 60-1955ء یعنی پہلے پانچ سالہ منصوبے کے دوران ایٹمی توانائی کے شعبے میں تحقیق کے لیے 235 ملین روپے مختص کیے گئے تھے۔ مگر کمیشن کو ایٹمی توانائی کے مقاصد کے حصول

Marfat.com

کے لیے صبر آزما مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جس کی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے:۔

i- ملک میں کوالیفائیڈ اور تربیت یافتہ سائنسدانوں، انجینئروں اور فنی ماہرین کی سخت قلت تھی۔

ii- عملے کو تربیت کی سہولیات کا فقدان تھا۔

مندرجہ بالا مشکلات پر قابو پانے کے لیے برطانیہ، امریکہ، فرانس اور کینیڈا کے ممالک میں مختلف ضروری انجینئروں کی تربیت کا انتظام کیا گیا جو کہ بہت اخراجات کا باعث ثابت ہوئے۔

پاکستانیوں نے وہاں ریڈیو آئسو ٹوپ اور ری ایکٹر ٹیکنالوجی کے شعبوں میں مہارت حاصل کی۔

مگر قومی بدقسمتی سے بروقت المیہ شانہ بشانہ رہا اور اٹامک انرجی کمشن میں کام توقعات کے مطابق شروع نہ ہو سکا۔

1959-60ء تک پاکستان کے پاس تقریباً 100 تربیت یافتہ انجینئر اور سائنسدان وطن آ چکے تھے اور وہ کام کرنے کے اہل تھے۔

کمشن کا یہ پروگرام تھا کہ:۔

i- ایٹمی ٹیکنالوجی کے استعمال کے لیے ملک کے دونوں حصوں میں دو دو مراکز قائم کیے جائیں گے۔

ii- سرطان جیسی موذی امراض کے علاج کے لیے ملک میں 8 میڈیکل سنٹروں کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔ مگر ان پر حسب توقع پیش رفت نہ ہو سکی۔ جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ پاکستان اٹامک انرجی کا یہ پروگرام محض زبانی جمع خرچ اور کاغذی کارروائی تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ جس کی درج ذیل وجوہات تھیں:۔

i- ڈاکٹر نذیر احمد چیئرمین پاکستان اٹامک انرجی کو شکایت تھی کہ افسر شاہی کے

Marfat.com

تاخیری حربے پروگرام پر عمل درآمد میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔

ii- مگر دوسری طرف سے ڈاکٹر نذیر احمد پر یہ الزام لگایا گیا کہ ان میں انتظامی صلاحیتوں کی کمی ہے جس کی وجہ سے پروگرام کے مطابق کام نہ ہو سکا۔

iii- افسر شاہی اور ڈاکٹر نذیر احمد چیئرمین میں ذہنی اور عملی مطابقت کا فقدان تھا۔

iv- ایٹمی پروگرام کو خاصی اُہمیت نہیں تھی۔ اگرچہ ملکی سطح پر پروگرام کے مطابق اٹامک انرجی کمیشن کا کام شروع نہ ہو سکا مگر بین الاقوامی سطح پر پاکستان نے معاہدہ بغداد کے رکن کی حیثیت سے بغداد نیوکلیر سنٹر کے ساتھ تعاون شروع کر دیا اور ''ایٹم برائے امن'' کے حوالے سے مختلف بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت جاری رکھی اور پاکستان کو (iAEA) آئی اے ای اے کمیٹی میں رکن منتخب کرلیا گیا وغیرہ۔

1958ء میں جب جنرل محمد ایوب خاں برسر اقتدار آئے تو قدرتی وسائل کا قلمدان ذوالفقار علی بھٹو کے سپرد تھا۔ مگر اس کے اختیارات محدود تھے زیادہ اختیارات اس معاملے میں صدر ایوب خان اور ڈاکٹر عبدالسلام کے پاس تھے جو کہ پاکستان کے مشیر برائے سائنسی امور تھے اور وہ ذوالفقار علی بھٹو کے خیالات کے حامی نہیں تھے۔ مگر اس وقت کے چیئرمین اٹامک انرجی جناب ڈاکٹر عشرت عثمانی تھے جو کہ ڈاکٹر عبدالسلام کے ساتھ کافی حد تک ذہنی مطابقت رکھتے تھے اور ہم خیال تھے۔

ان ہم خیال افراد کی وجہ سے ایٹمی پروگرام کو نئی زندگی نصیب ہوئی اور دوبارہ اٹامک انرجی کمیشن فعال حالت میں آ گیا۔

مگر ایوب خاں کی کابینہ میں وزیر خزانہ مسٹر محمد شعیب تھے جو ذوالفقار علی بھٹو کو پسند نہیں کرتے تھے جس کے نتیجے میں وزیر خزانہ نے ایٹمی توانائی کی ترقی کے لیے رقوم میں بہت کمی کر دی۔ 68-1960ء کے دوران مغربی پاکستان میں گیارہ ریسرچ سنٹر قائم

Marfat.com

کیے گئے اور کراچی میں ایٹمی بجلی گھر کی تعمیر پر 40 کروڑ روپے صرف ہوئے۔ کمیشن کا بجٹ جو 61-1960ء میں صرف 70 لاکھ روپے تھا وہ 1966ء میں کم ہو کر 8 کروڑ روپے رہ گیا۔

مگر ذوالفقار علی بھٹو اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک تھے اور وہ قومی امور کے بارے میں کسی قسم کی حوصلہ شکنی سے متاثر نہیں ہوتے تھے اس لیے ان کی عملی اور انتظامی صلاحیتوں اور دلچسپی کی وجہ سے اسلام آباد میں نیلور کے مقام پر ''پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف نیوکلیر سائنس اینڈ ٹیکنالوجی (Pakistan instituete Nuclear Science and Techonology) قائم کیا گیا۔ جس کی تعمیر کے لیے عالمی مایہ ناز آرکیٹک ایڈورڈ سٹون کی خدمات حاصل کی گئی تھیں جس نے بعد میں ایوان صدر کا تعمیراتی منصوبہ بھی بنایا۔ پنسٹک کے لیے امریکہ نے 5 میگا واٹ کا سوئمنگ پول ٹائپ ریسرچ ری ایکٹر اور افزودہ یورینیم فراہم کیا جو آئی اے ای اے کے تحفظات کے تحت کام کر رہا ہے یہ ری ایکٹر 5 فیصد افزودہ یورینیم 235 بطور ایندھن استعمال کرتا ہے۔

1965ء میں ایک معاہدے کے تحت کینیڈا نے پاکستان کو 97 ملین ڈالر کے قرضے پر 137 میگا واٹ کا ایٹمی پاور پلانٹ فراہم کر دیا۔ اس ہیوی واٹر ری ایکٹر میں قدرتی یورینیم بطور ایندھن استعمال ہوتا ہے اور کینڈو (Canadu) ٹائپ کا یہ ری ایکٹر کراچی میں نصب کیا گیا تھا جو کراچی نیوکلیر پاور پلانٹ کہلاتا ہے۔ اس پلانٹ کا افتتاح ذوالفقار علی بھٹو نے 1972ء میں کیا اور پہلی مرتبہ ملک میں ایٹمی توانائی کے ذریعے بجلی کی پیداوار شروع ہو گئی۔ مگر بعد میں امریکہ نے کینیڈا پر دباؤ ڈال کر تعاون کا سلسلہ منقطع کرایا۔ مگر اس کے تعاون کے ختم ہونے کے بعد پاکستان نے اپنے وسائل سے کانوپ کے لیے یورینیم تیار کر لیا اور بڑی کامیابی سے ری ایکٹر کم گنجائش پر کام کرتا رہا۔ 1980ء میں اس کو مشکلات کے تحت بند کرنا پڑا جو کہ 1981ء میں دوبارہ چالو ہو گیا۔

Marfat.com

نومبر 1991ء میں ماہرین نے نیلور کے مقام پر نصب شدہ پنسٹک ریسرچ ری ایکٹر میں تبدیلیاں لا کر اس کی پیداواری گنجائش دوگنی یعنی 10 میگا واٹ اور اس کی عمر میں 25 سال کا اضافہ کر دیا۔ اس ریسرچ ری ایکٹر میں اب بھی HEU کی بجائے LEU بطور ایندھن استعمال ہو رہا ہے۔

عشرت عثمانی کے بعد اٹامک انرجی کمیشن کے چیئرمین ڈاکٹر اشفاق احمد خاں مقرر ہوئے۔ جن کی سرپرستی میں پنسٹک ریسرچ ری ایکٹر کی ریموونگ اور اس کے ڈیزائن میں عمدہ تبدیلیاں لائی گئیں۔ چیئرمین کے کہنے پر ری ایکٹر کے لیے اعلیٰ سطح پر افزودہ یورینیم (HEU) استعمال کیا جاتا تھا مگر اسے LEU میں تبدیل کیا گیا کیونکہ پاکستان میں HEU قسم کا یورینیم دستیاب نہیں تھا۔

1974ء میں پاکستان اٹامک انرجی کمیشن نے ایٹمی کارکردگی کا جائزہ لیا اور بجلی کی پیداوار کے لیے ایک مربوط پروگرام بنایا جس کے تحت ملک میں 2000ء تک 24 پاور پلانٹ لگانے کا منصوبہ بنایا گیا۔ مگر 1990ء تک کوئی بھی کانوپ اور پنسٹک کے بعد پلانٹ میں اضافہ نہ ہو سکا۔ جس کی ناکامی کی یہ وجہ بتائی گئی تھی کہ ایٹمی پاور پلانٹ بنانے والے ممالک نے اس شبہ کی بنا پر کہ:۔

"پاکستان ایٹم بم بنانے کی صلاحیت حاصل کرنے کے درپے ہے
اس شعبے میں کسی بھی قسم کے تعاون کرنے سے انکار کر دیا"۔
اور انھوں نے یہ شرط لگائی کہ:۔
"پاکستان تمام ایٹمی تنصیبات کے لیے iAEA کے مکمل تحفظات
قبول کرے"۔

سابق سودیت یونین نے چند سال پیشتر یہ اشارہ دیا تھا کہ پاکستان افغانستان مسئلے کے پُرامن حل کے سلسلے میں سودیت موقف کی حمایت کرے۔ مگر پاکستان نے اس

Marfat.com

پیشکش کو مسترد کر دیا کیونکہ یہ قومی مفاد کے خلاف کام تھا۔

اس وقت پاکستان میں توانائی کی شدید قلت ہے پاکستان کا رقبہ 7,96,095 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی تقریباً 15 کروڑ نفوس پر مشتمل ہے اور کم از کم 20,000 میگا واٹ بجلی کی ضرورت ہے جبکہ تمام وسائل سے حاصل ہونے والی بجلی کی مجموعی پیداوار صرف 8174 میگا واٹ ہے اور اس میں سے ملک کے واحد بجلی گھر کانوپ سے حاصل ہونے والی بجلی کا حصہ صرف 85 میگاواٹ ہے۔ ملک میں دیگر وسائل یعنی کوئلے' معدنی تیل اور گیس کے ذخائر کی بھی کمی ہے اور تھرمل بجلی کی پیداواری لاگت بہت زیادہ ہے مثال کے طور پر ایک ہزار میگاواٹ کے تھرمل بجلی گھر میں سالانہ 14 لاکھ ٹن تیل خرچ ہوتا ہے جس کی کل لاگت 30 کروڑ ڈالر آئی ہے۔ اس کے برعکس ایک ہزار واٹ کے ایٹمی گھر کا سالانہ خرچ 3 تا 4 کروڑ ڈالر ہوتا ہے اور ایٹمی بجلی گھروں سے فضا میں آلودگی بھی نہیں ہوتی۔

تیل کی درآمدی قیمت میں اضافے اور اندرون ملک پیدار میں کمی کے باعث پاکستان کو ہر سال اپنے زرمبادلہ کی آمدنی کا 25 فیصد تیل کی درآمد پر خرچ کرنا پڑتا ہے اس توانائی کے بحران کو حل کرنے کے لیے کالا باغ کے مقام پر ڈیم تعمیر کرنے کی اشد ضرورت ہے مگر ملکی حالات اور اختلاف رائے کی وجہ سے کالا باغ ڈیم التوا میں پڑا ہوا ہے۔

زرعی شعبے میں اٹامک انرجی نے قابل قدر خدمات سرانجام دی ہیں فیصل آباد' ٹنڈو جام' ترناب (پشاور) ملتان' لاڑکانہ' جام شورو اور اسلام آباد میں زرعی تحقیقاتی مراکز نے تابکار آئسوٹوپ استعمال کے لیے مختلف اجناس خصوصاً گندم' چاول' کپاس اور سبزیوں اور پھلوں کی عمدہ اور اعلیٰ پیداواری قسمیں تیار کی ہیں جن کی وجہ سے ملک میں اشیاء کی سالانہ پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ یہ مراکز زرعی پیداوار کو مضر اور

Marfat.com

مہلک بیماریوں سے بچاؤ کے لیے بڑی اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ پاکستان کے پُرامن ایٹمی پروگرام کے تحت ملک کے مختلف حصوں میں 9 میڈیکل سنٹر کام کر رہے ہیں جہاں ریڈیو آئسوٹوپس اور ایٹمی شعاعوں کے ذریعہ ہر سال تقریباً لاکھوں افراد کا علاج کیا جا رہا ہے جن کا تعلق ابتدائی قسم کے کینسر اور بعض دیگر امراض سے ہے۔

Marfat.com

باب نمبر: 39

پاکستان کاری پراسسنگ پلانٹ

پاکستان میں ایٹم بم کے خیالات کو جنم دینے والے سابقہ وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو ہی نظر آتے ہیں کیونکہ جب وہ فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کے دور حکومت میں وزیر سائنسی اُمور تھے تو انھوں نے بھارتی ایٹم بم کے جواب میں پاکستانی بم بنانے کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا تھا اور انھوں نے محمد ایوب خاں صدر پاکستان کو اس مقصد کے لیے قائل کرنے کی بسیار کوششیں کیں اور اس نے صدر پاکستان محمد ایوب خاں کو نہایت پُر جوش انداز میں کہا کہ:۔

''دنیا میں یہودی بم، کرسچن بم اور ہندو بم ہو سکتا ہے تو اسلامی بم بھی ہونا چاہیے''۔

مگر محمد ایوب خاں نے اُن کی تجویز سے اتفاق نہ کیا کیونکہ وزیر خزانہ محمد شعیب بھی ایٹم بم بنانے کے حق میں نہیں تھے مگر ذوالفقار علی بھٹو مخالفت کے باوجود اپنے موقف پر قائم رہے اور 1965ء میں وزیر خارجہ کی حیثیت سے انھوں نے یہ نعرہ قلندرانہ بلند کیا کہ:۔

''ہم ایٹم بم بنائیں گے چاہے گھاس ہی کیوں نہ کھانی پڑے''۔

بھارت میں آزادی کے فوراً بعد رازداری کے ساتھ ایٹم بم بنانے کی تیاریاں

Marfat.com

شروع ہو گئی تھیں اور جواہر لال نہرو اس پروگرام کی ذاتی طور پر نگرانی کر رہے تھے۔

پاکستان کی قیادت سنبھالتے ہی بھٹو مرحوم نے پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کو از سرِ نو منظم کیا اور جنوری 1972ء میں ملتان میں ملک کے نامور سائنسدانوں کا اجلاس بلا کر تین سال کے اندر اندر ایٹم بم بنانے کی ہدایت کی بقول مولانا کوثر نیازی:۔

"ایٹم بم کا حصول مسٹر بھٹو کا جنون تھا"۔

ملتان کانفرنس کے نتیجہ میں پاکستانی سائنسدانوں نے خصوصی طور پر منیر احمد خاں نے انھیں ری۔ پراسسنگ پلانٹ لگانے کا مشورہ دیا جو نیوکلیر پاور ری ایکٹر کے استعمال شدہ ایندھن کو ری پراسس کر کے یورینیم کے علاوہ پلوٹونیم بجلی فراہم کرتا ہے۔ ایٹم بم میں یورینیم اور پلوٹونیم تو قابل انشقاق مادے یعنی **Fissile Material** کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

پاکستان نے ری پراسسنگ پلانٹ خریدنے کے لیے فرانس کی ایک فرم ایس جی این (SGN) سے پہلا رابطہ نویں عشرے کے اواخر میں کیا۔ مگر رقم کی ادائیگی کے لیے بندوبست نہ ہو سکا اور معاہدہ کھٹائی میں پڑ گیا۔ فروری 1973ء میں ذوالفقار علی بھٹو نے دوبارہ فرانس سے ری پراسسنگ کے معاملے میں فرانس سے رابطہ کیا۔ اس پراسسنگ پلانٹ کے معاملے میں تین سال کے مذاکرات کے بعد دونوں ملکوں نے 16 مارچ 1976ء کو ایک معاہدے پر دستخط کیے کیونکہ دو ماہ قبل پاکستان نے iAEA کے تحفظات کو قبول کر لیا تھا اور یہ اقرار کیا تھا کہ:۔

"پاکستان مذکورہ پلانٹ اور اس سے حاصل شدہ ایندھن کو اسلحہ سازی کے لیے استعمال نہیں کرے گا"۔

منصوبے کے مطابق اس پلانٹ کو چشمہ کے مقام پر نصب ہونا تھا اور سالانہ 80 ٹن سے چھ سو ٹن یورینیم اور کچھ پلوٹونیم حاصل ہونا تھا۔ ایس جی این نے شروع میں

Marfat.com

پلانٹ کی قیمت 150 ملین ڈالر مقرر کی تھی جو بعد میں 300 ملین ڈالر تک پہنچ گئی۔

ستمبر 1977ء میں پاکستان کو فرانس نے اس کی بجائے کوپروسسنگ پلانٹ کا مشورہ دیا جس کو پاکستان کے وزیر خارجہ آغا شاہی نے مسترد کرتے ہوئے کہا کہ:۔

"فرانس معاہدے کے تحت اپنی ذمے داریاں پوری کرے"۔

ری پراسسنگ کے حصول میں بنیادی رکاوٹ بھارت کی سیاست کا دخل تھا کیونکہ انڈیا نے 1974ء میں راجستھان میں ایٹمی دھماکے کر کے کینیڈا اور امریکہ کے ساتھ معاہدوں اور آئی اے ای اے کے ضوابط کی خلاف ورزی کی تھی۔ بھارت کے ساتھ امریکہ بھی تعاون کر رہا تھا امریکہ نے کینیڈا پر زور دیا کہ:۔

حفظ ماتقدم کے تحت کانوپ (پاکستان) کے لیے ایندھن اور فالتو پرزوں کی فراہمی روک دے اور اس کے ساتھ پاکستان کے ساتھ اس میدان میں کسی قسم کا تعاون نہ کرے"۔

مگر امریکہ نے بھارت کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی۔ امریکہ کے اس غیر منصفانہ رویے کا نہ صرف پاکستان بلکہ فرانس نے بھی سنجیدگی سے نوٹس لیا۔ صدر جمی کارٹر نے کوتاہ اندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے اس معاملے میں غیر ضروری اور ہٹ دھرمی کا ثبوت دیا۔ دوسری جانب ذوالفقار علی بھٹو نے ری پراسسنگ کو اپنی اَنا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔

بقول مولانا کوثر نیازی:۔

"یہ پلانٹ سفید ہاتھی تھا جس کی ملک کو فوری طور پر ضرورت نہ تھی"۔

چونکہ پاکستان نے iAEA کی تحفظات کو قبول کر لیا تھا جس کی وجہ سے اس نوعیت کے تحفظات اور پابندیوں کی صورت میں انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی کا خصوصی عملہ متعلقہ پلانٹ اور اس سے متعلقہ تنصیبات کی نگرانی کے لیے ہے اور پلانٹ کی خود کار کے

Marfat.com

ذریعے نگرانی ہوتی رہتی ہے اس لیے اسی صورت میں مذکورہ پلانٹ سے پلوٹونیم یا اعلیٰ سطح پر افزودہ یورینیم لے کر کسی اور مقصد کے لیے استعمال کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

امریکہ نے پاکستان کو ری پراسسنگ پلانٹ کے حصول سے باز رکھنے کے لیے پہلے کینیڈا کے ذریعہ دباؤ ڈالا 18 نومبر 1976ء کو کینیڈا کے وزیر خارجہ ڈونالڈ جیمز نے پاکستان کو یوں پیشکش کی کہ:۔

''نیوکلیر ٹیکنالوجی میں باہمی تعاون کے لیے حسب ذیل تین شرائط میں سے کم از کم ایک تسلیم کر لے''۔

i- پاکستان اس امر کی یقین دہانی کرائے کہ ایٹمی توانائی صرف پُرامن مقاصد کے لیے استعمال کرے گا تو کینیڈا دس سال تک ایٹمی ایندھن کی فراہمی جاری رکھے گا۔

ii- اگر پاکستان ری پراسسنگ پلانٹ کے حصول پر بضد رہا تو کانوپ کے بعد ایندھن صرف دو سال تک فراہم کیا جائے گا۔

iii- کینیڈا کو مجوزہ ری پراسسنگ پلانٹ کی کارکردگی کا جائزہ لینے کی اجازت دی جائے۔

چونکہ پاکستان نے ان تینوں شرائط میں سے کسی ایک کو بھی قبول نہ کیا جس کی وجہ سے کینیڈا نے دسمبر 1976ء کو کانوپ کے لیے ایندھن اور فاضل پرزوں کی فراہمی روک دی۔ ذوالفقار علی بھٹو نے ری پراسسنگ کے لیے بہت تگ و دو کی مگر امریکہ شک وشبہات میں مبتلا ہو گیا اور اس نے فرانس پر دباؤ ڈالا کہ ''وہ پاکستان کو مذکورہ پلانٹ فراہم نہ کرے'' معاہدے کے تحت ایس جی این (SGN) کمپنی نے پاکستان کو پلانٹ کے ڈیزائن کی تقریباً 90 فیصد ڈرائنگ فراہم کر دی تھی اور فرانسیسی انجینئروں نے چشمہ میں پلانٹ کے لیے ابتدائی ڈھانچہ تعمیر کرنا شروع کر دیا تھا۔ اسی دوران امریکہ کے صدر

Marfat.com

نے پیرس میں جا کر اپنی ضد کو منوایا۔

جون 1977ء کو بھارتی وزیر اعظم نے پیرس جا کر خدشہ ظاہر کیا کہ:۔

"پاکستان کو پلانٹ مل گیا تو وہ ایٹم بم بنائے گا"۔

اس دوران فرانس میں حکومتی سطح پر اہم تبدیلیاں آ چکی تھیں۔ چنانچہ جنوری 1988ء میں صدر فرانس دبستان نے صدر ضیا الحق کو ملازمت کے ساتھ یہ پیشکش کی کہ:۔

"ری پراسسنگ پلانٹ کی بجائے کوپر پراسسنگ پلانٹ قبول کر لیں جس سے پلوٹونیم تیار نہیں کیا جا سکتا"۔

صدر ضیا الحق نے سختی کے ساتھ اس مشورے کو مسترد کیا اور اپنے فرانس کے معاہدے پر قائم رہا۔ اس سے قبل پاکستان این پی ٹی پر دستخط کرنے کی شرط کو بھی مسترد کر چکا تھا۔ چنانچہ اس طرز عمل سے فرانس کو بھی پاکستان کی نیت پر شک ہو رہا تھا۔ جولائی 1977ء کو امریکی حکام نے فرانس کو پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے حوالے سے ایسی خفیہ رپورٹیں دکھائی تھیں جن کی روشنی میں پیرس کے شبہات یقین میں تبدیل ہو گئے تھے۔

ری پراسسنگ پلانٹ کے بین الاقوامی تعلقات پر طویل عرصہ تک ناخوشگوار اثرات مرتب ہوتے رہے بعض مبصرین نے اخذ کیا ہے کہ ذوالفقار بھٹو کے بعد آنے والے صدر پاکستان ضیا الحق بھی ان کی پالیسی پر بضد رہے جس کے منفی نتائج برآمد ہوئے اور امریکی حکام اس قدر مشتعل ہوئے کہ انھوں نے پاکستان پر بھارت کو ترجیح دینی شروع کر دی۔ باوجودیکہ بھارت 12 جولائی 1974ء کو ایک ناکام دھماکہ کر چکا تھا اور امریکہ کے صدر کسنجر نے پاکستان کو عبرت ناک انجام کی دھمکی دی کسنجر نے اپنی عوام سے الیکشن کے دوران وعدے کے مطابق برسر اقتدار آتے ہی اپریل 1977ء میں پاکستان کے لیے منظور شدہ اقتصادی اور فوجی امداد روک دی' اور یہ حالت 1980ء تک جاری رہی۔ عالمی بینک کے قرضوں میں رعایت بند کر دی۔ پاکستانی افواج کو فوجی ساز و سامان ملنے کی وجہ سے بھی مشکلات کا سامنا رہا۔

Marfat.com

ری پراسسنگ پلانٹ کی خریداری کا معاہدہ مارچ 1977ء میں ہوا تھا مگر اگست 1977ء میں صدر فورڈ کی ہدایت پر وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے اسلام آباد اور پیرس کا پہنچ کر دونوں حکومتوں کو اس سودے کو منسوخ کرنے پر مجبور کیا مگر مسٹر بھٹو اپنے موقف پر جمے رہے۔ جس کے نتیجہ میں اس نے عبرت ناک انجام کی دھمکی سنائی۔

جب جمی کارٹر امریکہ کے صدر منتخب ہو گئے تو انھوں نے عنان حکومت سنبھالتے ہی جوش و خروش کا مظاہرہ کرتے ہوئے پاکستان کے خلاف جارحانہ سفارت کاری کا اختیار کیا اور پاکستان کو اس کے نتیجہ میں 78-1977ء کے دوران امداد سے محروم رکھا۔ جس سے مزید حالات کشیدہ ہو گئے۔ حکومت پاکستان نے بھی امریکہ کو تنقید کا نشانے بنایا اور بھٹو حکومت نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ:۔

''انھیں اقتدار سے محروم کرنے کی مہم میں امریکہ کا ہاتھ ہے کیونکہ ان دنوں قومی اتحاد حکومت کے خلاف احتجاج میں مصروف تھا''۔

قومی اتحاد نے الیکشن میں دھاندلی کا الزام لگایا اور دوبارہ صاف و شفاف الیکشن کرانے کے لیے کہا۔ فوجی انقلاب کے نتیجہ میں مسٹر بھٹو جولائی 1977ء کو اقتدار سے محروم ہوئے اور ان کے خلاف قومی اسمبلی کے رکن صاحب زادہ احمد رضا قصوری کے والد کے قتل کے الزام میں مقدمہ چلایا۔ بالآخر انھیں موت کی سزا دی گئی۔ ذوالفقار علی بھٹو کو 4 اپریل 1978ء کو پھانسی دی گئی تھی۔ بھٹو مرحوم نے ایوان اقتدار سے پھانسی تک آنے کے بارے میں مختلف آرا ہیں۔ جن میں سے بعض نے امریکہ کو مورد الزام ٹھہرایا ہے۔ مگر بے نظیر بھٹو نے واضح طور پر کہا تھا۔

''ان کے والد کی موت میں امریکہ ملوث نہیں تھا''۔

مگر 1977ء میں پیپلز پارٹی کا اقتدار سے الگ ہونے کو امریکہ کو مورد الزام ٹھہرایا ہے۔

Marfat.com

عالمی رویہ

چونکہ خوشحال ممالک دنیا کے عوام کے ہر عمل پر حاوی ہوتے ہیں اسی طرح بڑی طاقتیں بھی چھوٹے ملکوں کے ہر عمل و کردار پر نظر رکھنے کے علاوہ ان کو اپنی مرضی کے مطابق چلانے کی خواہشمند ہوتے ہیں۔ بڑی طاقتوں جن میں امریکہ' برطانیہ اور فرانس وغیرہ نے ذوالفقار علی بھٹو کو اپنے موقف سے ہٹانے کے لیے بہت زور لگایا مگر وہ اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔

بھارت نے 1976ء میں ایٹمی دھماکہ کیا تو اس میں امریکہ نے 166 ٹن ہیوی واٹر فراہم کیا اور برطانیہ نے ری پراسسنگ پلانٹ مغربی جرمنی اور فرانس نے دیگر ضرور سامان فراہم کیا تھا۔ مگر یہاں پاکستان کے مخالف تینوں طاقتیں پاکستان میں ری پراسسنگ پلانٹ کی مخالفت کر رہی تھیں جو کہ سوتیلی ماں کے سلوک سے مترادف تھا۔ مگر بھٹو نے ایٹمی ممالک کے اس امتیازی سلوک کو پاکستان کے وقار کے منافی تصور کیا اور اپنے رویے سے مزید تقویت دی اور ان کے بعد جنرل ضیا الحق نے بھی اسی جوش و جذبے کے ساتھ ایٹمی پروگرام کو آگے بڑھایا۔

ان طاقتوں کے علاوہ شاہ ایران نے بھی پاکستان کے ری پراسسنگ پلانٹ کو اپنے ملک کی سلامتی کے لیے خطرے کا باعث تصور کیا اور شاہ ایران نے بھی مسٹر بھٹو کو لاڑکانہ میں آ کر مشورہ دیا کہ:۔

"اپنے قیمتی وسائل ری پراسسنگ پلانٹ خریدنے پر ضائع نہ کریں"۔

Marfat.com

شاہ نے بھٹو کو مزید بتایا کہ:۔

''ایران خود بھی ری پراسسنگ پلانٹ حاصل کر رہا ہے اور پاکستان اس پلانٹ سے اپنی ضروریات پوری کر سکتا ہے''۔

شاہ ایران کا کہنا تھا کہ:۔

''پاکستان نوپ پلانٹ کا استعمال شدہ ایندھن جس کی مقدار صلاحیت کم ہے ایرانی پلانٹ سے ری پراسیس کرے تو نہ صرف داخلی و خارجی مسائل سے نجات حاصل کرے گا بلکہ اپنا پلانٹ لگانے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی''۔

مگر ذوالفقار علی بھٹو نے شاہ ایران کی اس ناصحانہ تجویز کو کوئی اہمیت نہ دی کیونکہ ذوالفقار علی بھٹو بقول مولانا کوثر نیازی:۔

''بھٹو امریکہ کو ''فلیراَپ'' کرنے میں مصروف تھے''۔

پاکستان کے اس طرز عمل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ:۔

''پاکستان ری پراسسنگ پلانٹ کو ایٹمی ایندھن کی بجائے پلوٹونیم تیار کرنا چاہتا تھا''۔

ری پراسسنگ کے معاملے میں پاکستان کے امریکہ اور فرانس کے ساتھ تعلقات خراب ہو گئے۔ اس سے قبل حالات خوشگوار ہونے کے ساتھ ساتھ فرانس ایٹمی پاور ری ایکٹر فراہم کرنے کے لیے بھی تیار تھا۔ پاکستان میں ایٹمی بجلی گھروں کے قیام کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا کیونکہ چشمہ میں اس نوعیت کا ری ایکٹر نصب کرنے کے لیے بین الاقوامی ٹینڈر طلب کیے گئے تو کسی بھی ملک نے ٹینڈر داخل نہ کیے۔ اس کا یہ مطلب کہ پاکستان عالمی برادری میں بالکل اکیلا نظر آ رہا تھا اور ہم سب کی نظروں میں مطعون ہو گئے۔

Marfat.com

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ری پراسسنگ پلانٹ کے معاملے میں ذوالفقار علی بھٹو اور صدر ضیا الحق نے جو طرز عمل اختیار کیا اس میں کون سی حکمت عملی پوشیدہ تھی؟

1- مولانا کوثر نیازی جو کہ بھٹو کی کابینہ میں وزیر اطلاعات ونشریات نیز مذہبی امور کی وزارتوں کے انچارج بھی تھے۔ وہ بھٹو صاحب کے راز دانوں میں شمار ہوتے تھے اور بھٹو صاحب بھی ان پر اعتماد کرتے تھے تو مولانا کوثر نیازی صاحب نے اپنی کتاب ''اور لائن کٹ گئی'' میں ری پراسسنگ پلانٹ کے موضوع پر تفصیل سے لکھا ہے:
اس معاملے میں جناب بھٹو کی حکمت عملی کے حوالے سے اپنے تاثرات بیان کیے ہیں کہ:۔

''مولانا کے یہ تاثرات کسی حد تک بحث طلب ہیں اور ان حضرات کو لب کشائی کی تحریک فراہم کرتے ہیں۔ جو خود بھی ایٹمی پروگرام سے کسی نہ کسی طرح وابستہ رہے ہوں۔ ری پراسسنگ پلانٹ کا قضیہ پاکستان کی تاریخ کا اہم باب ہے جس کے ہماری زندگی پر انتہائی اہم اثرات مرتب ہوئے۔ اس لیے ریکارڈ درست کرنے کی خاطر ضروری ہے کہ حقائق کو قوم کے سامنے لایا جائے''۔

مولانا کوثر نیازی کے بیان کردہ تاثرات میں حسب ذیل نکات اہم اور قابل غور بھی ہیں:۔

i- پاکستان کے ری پراسسنگ پلانٹ کی کوئی افادیت اور اس کے حصول کے لیے جدوجہد کا جواز نہیں تھا۔ ایٹم بم کے لیے جناب بھٹو کے ''جنون'' سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے سائنسی مشیروں نے انھیں بے حد غلط اور ادھوری معلومات فراہم کر کے اچھا خاصا دھوکا دیا تھا جس کا یہ پردہ چاک ہو چکا تھا۔

Marfat.com

ii- فرانس کے ساتھ معاہدہ بہت آگے بڑھ چکا تھا اور اس کی واپسی ممکن نہیں تھی۔ منسوخی کی صورت میں بھاری اخراجات کا نقصان برداشت کرنا پڑتا تھا اور معاہدے سے پھرنے کی صورت میں بھاری تاوان بھی ادا کرنا پڑتا تھا جسے پاکستان برداشت کرنے سے قاصر تھا۔

iii- 8 اگست 1976ء کو کسنجر نے پاکستان میں آ کر مسٹر بھٹو کو دھمکی دی تھی حالانکہ یہ بات ان سے واضح تھی کہ ری پراسسنگ پلانٹ پاکستان کے لیے کسی مطلب کا نہیں کہ خصوصاً مغربی آپشن کے اعتبار سے بالکل بے مقصد تھا۔

iv- مسٹر بھٹو نے کہوٹہ لیبارٹریز کے کام کو ساری دنیا سے چھپانے کے لیے ری پراسسنگ پلانٹ کا ڈرامہ رچایا اور اس نمائشی گھوڑے کے معاملے پر نہایت شدت سے سٹینڈ لیا گیا۔

v- ذوالفقار علی بھٹو سے عالمی سطح پر ہونے والے دستور میں اضافہ کیا اور امریکہ کو ''فلیر اَپ'' کرنے کا کوئی موقع نہ چھوڑا۔

vi- مسٹر بھٹو ری پراسسنگ پلانٹ کو پاکستان کی اقتصادیات کے لیے سم قاتل تصور کرتے تھے۔

حالات سے شواہد حاصل ہوتے ہیں کہ مسٹر بھٹو نے فرانس کے تاوان سے بچنے کے لیے اور معاہدہ منسوخ کرنے کی ذمہ داری فرانس پر ڈالنے کی خاطر اس قدر مشکل راستہ اختیار کیا تھا۔ حالانکہ امریکہ کی امداد کی بندش اور عالمی بنک کی جانب سے عدم تعاون کی صورت میں اس سے کئی گنا زیادہ نقصان برداشت کرنا پڑا تھا اور عین ممکن تھا کہ:۔

فرانس کی حکومت امریکہ کے مشورے پر خود تاوان طلب نہ کرتی اور معاملہ طوالت اختیار کرنے سے پہلے ہی طے پا جاتا۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا کہ پاکستان فرانس سے ایٹمی بجلی گھر رعایتی قیمت پر حاصل کر سکتا ہے۔

Marfat.com

vii- عالمی طاقتوں کو شواہد کی رو سے یقین ہو چکا تھا کہ پاکستان اس پلانٹ کو پلوٹونیم کے حصول کے لیے استعمال کرے گا۔

viii- کہوٹہ کے پراجیکٹ کو اس دور میں ایسے عالمی نظروں سے پوشیدہ رکھنا ناممکن نظر آ رہا تھا۔ کہوٹہ لیبارٹریز کے لیے سامان کی خریداری کی مہم 1976ء میں شروع ہو گئی تھی۔ مزید پوشیدگی ممکن نہیں تھی۔ کیونکہ امریکہ و یورپ میں بعض ایجنٹوں کی پکڑ دھکڑ کے بعد کہوٹہ کا دور افتادہ پسماندہ قصبہ عالمی شہرت اختیار کر چکا تھا۔

ix- یہ ایک معمولی بات ہے کہ مفت میں کسی کو اپنے مخالف بنانا اور پھر عالمی سطح پر امریکہ جیسے امیر اور ترقی یافتہ ملک کو ناراض کرنا تو حماقت سے کم نہ تھا۔ جس کی وجہ سے مسٹر بھٹو نے اپنے ملک کے مفادات کو گزند پہنچایا۔ اس طریقے سے امریکہ کو مشتعل کر کے خود پاکستان نے ہی نقصان اٹھایا اس کے برعکس ان طاقتوں کو تو کوئی نقصان نہ ہوا۔

مولانا صاحب نے خود ہی انکشاف فرمایا کہ:۔

"پلانٹ کے لیے رقم کی فراہمی کا وعدہ عرب دوست ممالک پہلے ہی کر چکے تھے"۔

Marfat.com

انرچمنٹ (متبادل راستہ)

نیوکلیر ٹیکنالوجی کی مبادیات سے واقف حضرات اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ پاور ری ایکٹر اور ایٹم بم کے لیے افزودہ یورینیم بطور ایندھن درکار ہوتا ہے۔ جن کے حصول کے لیے دو ہی راستے ہیں جن پر قدم رکھا جا سکتا ہے:۔

i- انرچمنٹ پلانٹ۔

ii- ری پراسسنگ پلانٹ۔

i- انرچمنٹ کے ذریعے خام یورینیم کو ضرورت کے مطابق مطلوبہ سطح تک افزودہ کرلیا جاتا ہے۔ پاور ری ایکٹر کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ 4 فیصد تک اور ایٹم بم کے لیے 30 فیصد سے 90 فیصد تک۔

ii- ری پراسسنگ پلانٹ میں ری ایکٹر کے استعمال شدہ ایندھن کو دوبار کارآمد بنایا جاتا ہے۔ اس عمل میں ری ایکٹر کے لیے ایندھن کے علاوہ پلوٹونیم حاصل ہوتا ہے جس سے ایٹم بم بنتا ہے۔ مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کی قیادت میں پاکستان کے ایٹمی پروگرام کا آغاز ہوا تو ان کے پیش نظر دو اہم مقاصد تھے:۔

i- پُرامن مقاصد خصوصاً بجلی کی پیداوار۔

ii- فوجی مقاصد یعنی ایٹمی اسلحہ سازی وغیرہ۔

جنوری 1972ء میں ملتان کانفرنس میں ان دونوں مقاصد کے حصول کے لیے ری پراسسنگ پلانٹ حاصل کرنے کا فیصلہ کیا گیا چنانچہ فروری 1973ء میں فرانس سے

Marfat.com

مذکورہ پلانٹ کے لیے بات چیت شروع ہوئی اور طویل گفتگو اور نشیب و فراز کے بعد یہ باب 1978ء میں اختتام پذیر ہوا۔

مسٹر بھٹو نے شروع میں ہی ایٹمی پروگرام کی کامیابی کے لیے دو متوازی رائے اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

i- ری پراسسنگ طریقہ۔

ii- انرچمنٹ کا طریقہ۔

انرچمنٹ کے طریقے کے لیے 1974ء میں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے مسٹر بھٹو کو یقین دہانیاں کرائی تھیں اور مسٹر بھٹو نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو واضح کر دیا تھا کہ:۔

i- ری پراسسنگ پلانٹ پراجیکٹ ناکام ہو جانے کی صورت میں ایٹمی پروگرام متاثر نہیں ہونا چاہیے۔

ii- اور ہمارا قیمتی وقت اور رقم ضائع نہ ہو لہٰذا 18 مارچ 1976ء کو پاکستان اور فرانس کے درمیان معاہدے پر دستخط ہوئے۔ جن کے ناکام ہونے کے واضح اثرات اُسی وقت نظر آ رہے تھے مگر بھٹو صاحب خوش فہمی میں مبتلا تھے۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں دسمبر 1975ء کو ہالینڈ سے فارغ ہو کر پاکستان آئے اور 31 جولائی 1976ء کو کہوٹہ انجینئرنگ لیبارٹریز کا قیام عمل میں آیا جبکہ ان کے لیے ابتدائی کام اور سامان کے حصول کا کام 1975ء سے شروع ہو چکا تھا۔ 1976ء کی آخری ششماہی میں پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی یہ حالت تھی کہ:۔

بھٹو صاحب کی نگرانی میں دو متوازی راستوں سے جدوجہد شروع ہو چکی تھی۔ ایک طرف ری پراسسنگ پلانٹ کے لیے سفارتی محاذ پر جنگ لڑی جا رہی تھی جبکہ دوسری طرف سہالہ میں انرچمنٹ پلانٹ پائلٹ پراجیکٹ پر تیز رفتاری کے ساتھ کام جاری ہو چکا تھا۔

Marfat.com

کہوٹہ پراجیکٹ پر کام شروع کرنے کے لیے فوراً بعد میں اٹامک انرجی کمیشن سے وابستہ بعض اعلیٰ عہدیداروں میں اختلاف رائے کے سبب کام کی رفتار متاثر ہوئی۔ تو ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے خصوصی رفقائے کار کے ساتھ مشورے کے بعد اس پراجیکٹ کو جس کا نام ''پراجیکٹ 706'' تھا کمیشن کے دائرہ کار سے نکال کر ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے حوالے کر دیا اور پراجیکٹ کی نگرانی کے لیے ایک کمیٹی مقرر کر دی جس میں درج ذیل اہم ممبران تھے:۔

i- غلام اسحاق خاں۔

ii- آغا شاہی۔

iii- اے۔ جی۔ این۔

اسی دوران اسلام آباد سے 30 کلو میٹر کے فاصلے پر کہوٹہ میں 175 ایکڑ رقبے میں پھیلی ہوئی کہوٹہ ریسرچ لیبارٹریز کے تعمیراتی فرم کا آغاز ہوا۔ اسی دوران سہالہ ریسرچ لیبارٹریز میں تجرباتی پلانٹ اپنے آخری مراحل میں تھا۔ 1978ء میں مذکورہ پلانٹ میں یورینیم افزودہ کرنے کا تجربہ کامیاب رہا۔

یورینیم انرچمنٹ کرنے کے دنیا میں کئی طریقے رائج ہیں مگر ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے کہوٹہ پلانٹ کے لیے گیس سنٹری فیوج کا طریقہ اختیار کیا۔ Ultra gas Centrifuage) جس میں قدرتی یورینیم کو ایک پیچیدہ عمل سے گزارنے کے بعد ضرورت کے مطابق افزودہ کیا جاتا ہے اور 1980ء میں کہوٹہ انرچمنٹ پراجیکٹ ہر لحاظ سے مکمل ہو گیا۔ اس میں گیس سنٹری فیوج کے ایک ہزار یونٹ نصب کیے گئے تھے۔

Marfat.com

ڈاکٹر عبدالقدیر خان صدر غلام اسحاق خان سے ہلال امتیاز
کا اعزاز حاصل کر رہے ہیں۔ (23 مارچ 1990ء)

Marfat.com

باب نمبر: 40

ایٹم بم کے لیے سامان کی فراہمی

یہ بڑا مشکل مرحلہ تھا کہ اس وقت ساری دنیا پاکستان کے اس عمل کے خلاف غوغا کر رہی تھی مگر حکومت نے اس پراجیکٹ کے سربراہ کو فری ہینڈ دے دیا تھا۔ اس نے بھی ضرورت سے زیادہ عقل سے کام لے کر پراجیکٹ کا سامان فراہم کیا۔ انھوں نے سامان کی فراہمی کے لیے دو طریقے اختیار کیے۔

i- سامان کا آرڈر کسی ایک فرم کو نہ دیا بلکہ زیادہ کو دیا اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اگر ایک فرم سے سامان پکڑا بھی جائے تو دوسری فرم پہنچا دے اور کام متاثر نہ ہو۔

ii- سامان کو ہوائی جہاز کے ذریعے منگوایا گیا جو کہ مہنگا تو پڑتا تھا مگر بروقت میسر آ جاتا تھا۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے کچھ دن مغربی ممالک میں ملازمت اور تعلیم کے سلسلے میں گزارے تھے اس لیے وہ ان کے طور وطریقوں کو بخوبی سمجھتے تھے۔

انھوں نے کہا کہ:۔

بعض لوگ ہمارے اس پروگرام میں بڑے سرگرم عمل ہوئے اور چھپ چھپ کر ہمیں مطلوبہ سامان پہنچانے لگے۔ بعض مغربی تجارتی اداروں اور فرموں نے پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کو پیش کش کی کہ:۔

Marfat.com

"ہالینڈ کے المیلو پلانٹ (Almelo) میں استعمال ہونے والے آلات اور ساز و سامان خرید لیں۔ چنانچہ ہم نے جہاں سے بھی اور جو بھی سامان مناسب خیال کیا خریدا اور اپنے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچایا"۔

چونکہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو المیلو سنٹری فیوج اور یورنیکو انرجمنٹ میں کام کرنے کا کافی تجربہ تھا اور ان کے دوست و احباب کا دائرہ بھی وسیع تھا۔ مگر انھوں نے کہوٹہ سامان کی خریداری کے لیے احتیاط سے کام لیا البتہ منہ مانگی قیمت فرمیں ضرور وصول کرتی رہیں۔ پراجیکٹ کے لیے نہایت اہم آلات اور مشینری کی فرموں میں مغربی جرمنی کے ایک تاجر البریخت میگول نے اہم کردار ادا کیا حتیٰ کہ اُس نے 80-1977ء کے دوران پورا پلانٹ اسلام آباد پہنچا دیا۔ یہ پلانٹ سنٹری فیوج کا دل ہے جس کے ذریعے یورینیم کو یورینیم ہیکسا فلورائیڈ (Uranium Hexafloride) میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ بعدازاں گیس سنٹری فیوج کے ذریعے مطلوبہ سطح تک افزودہ کر لیا جاتا ہے۔ یورینیم ہیکسا فلورائیڈ ڈیرہ غازی خاں میں نصب کیا گیا۔ جہاں مقامی طور پر حاصل ہونے والے خام یورینیم کو استعمال میں لایا جاتا ہے۔ 1980ء میں البریخت سمگلنگ کے الزام میں گرفتار ہوا اور اسے دس ہزار ڈالر جرمانے کی سزا ملی۔

اُن کے علاوہ جرمنی کی دو فرموں کے جن کے نمایاں نام یہ ہیں۔ انھوں نے پراجیکٹ کا کافی سامان پاکستان کے ہاتھ فروخت کیا۔ اسلحہ سازی کے سامان میں اشیا امریکی ساخت کی لیزر ویلڈنگ مشین اور ایک پلانٹ کا ڈیزائن فراہم کیا۔ کہوٹہ پلانٹ میں یورینیم کی افزودگی کے لیول کی تصدیق کے لیے سپیکٹرو میٹر (Spectro Meter) اور اعلیٰ درجے پر افزودہ یورینیم کو پوڈر میں تبدیل کرنے کی خاص مشین بھی مغربی جرمنی کی فرموں نے فراہم کی۔ امریکہ نے دباؤ کے تحت ان اشیاء کی برآمد رکوا دی لیکن

Marfat.com

حکومت نے مطلوبہ لائسنس جاری کر دیے۔ اور زیادہ تر وہ سامان خریدا گیا جس پر کوئی پابندی نہ تھی فرموں نے سامان کی فراہمی میں جائز اور ناجائز طریقے بھی استعمال کرنے سے گریز نہیں کیا جو کہ کامیاب طریقے رہے اس قسم کے سودے سوئٹزرلینڈ کی ایک فرم کے ساتھ طے پائے جس نے محض سرسری چھان بین کے بعد خاص قسم کے والو اور بعض دیگر اشیا فراہم کیں۔ اس طرح کورا انجینئرنگ نامی فرم نے بھی کچھ آلات فراہم کیے۔ ہالینڈ کی ایک فرم دان دون کو ہارڈ سٹیل کے بنے ہوئے ساڑھے چھ ہزار ٹیوب کی سپلائی کا آرڈر دیا گیا۔ فرم نے اپنی حکومت سے پرمٹ طلب کیا مگر جاری نہ ہو سکا لیکن فرم نے اپنے ذرائع سے پاکستان کو مطلوبہ سامان فراہم کر دیا اور کہوٹہ کا پراجیکٹ بڑی خوش اسلوبی سے اپنی مشکلات کے مراحل طے کرتا ہوا مکمل ہو گیا۔

Marfat.com

Marfat.com

باب نمبر: 41

منیر احمد خاں

مولانا کوثر نیازی کے انکشافات کی نظر میں کیا تھے؟

Marfat.com

منیر احمد خاں

Marfat.com

i- مسٹر منیر احمد خاں

جب ڈاکٹر عبدالقدیر خاں ہالینڈ سے واپس اپنے وطن لوٹے تو منیر احمد خاں پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کے چیئر مین تھے۔ جو کہ ایک معتبر ادارہ تھا۔ مگر مسٹر منیر احمد نے اسے سفید ہاتھی بنا کر رکھا ہوا تھا۔ منیر احمد خاں اندرونی طور پر امریکہ کا پٹھو شخص تھا اس ایمان فروش اور کینہ پرور شخص کا اصل چہرہ جس نے ایٹمی توانائی کمیشن کو نمائشی ادارہ بنا کر ملک کا مستقبل داؤ پر لگا رکھا تھا اور کہوٹہ پراجیکٹ کو سبوتاژ کرنے کے لیے دشمنوں کا آلہ کار بنا رہا۔ مگر اپنی غداری کا ثبوت دیتا رہا۔ اس نے امریکی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے نہ صرف مسٹر بھٹو کو فریب دیئے بلکہ نوجوان اور محبّ وطن سائنسدانوں کی صلاحیتوں کو بھی زنگ لگا دیا۔ منیر احمد خاں کے دور میں توانائی کمیشن سازشوں کا گڑھ بن چکا تھا اور وہاں کوئی ایسا کام نہیں ہو رہا تھا جس کی وجہ سے ایٹمی حصول کی عمارت کھڑی کی جا سکتی۔ مگر مسٹر بھٹو پاکستان کو ایٹمی قوت بنانا چاہتے تھے جس کے لیے وہ امریکہ کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہو گئے۔ جب 1974ء میں بھارت نے ایٹمی دھماکہ کیا تو بھٹو کو مسٹر منیر احمد خاں نے یقین دہانی کرائی کہ وہ جلد پاکستان کو ایٹمی طاقت بنا دیں گے مگر محض فریب کاری ہی ثابت رہی۔

منیر احمد خاں ذوالفقار علی بھٹو کے جذبات و خیالات کے لیے دیمک ثابت ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اس ملک کو ایک عظیم محبّ الوطن مسٹر عبدالقدیر خاں نوازا اور وہ پاکستان کے لیے فرشتہ سیرت بن کر ثابت ہوئے۔ اگرچہ غیر ممالک نے پاکستان کو

Marfat.com

ری پراسسنگ کے معاملے میں کس قدر بلیک میل کیا۔ اس کا اندازہ مولانا کوثر نیازی کی کتاب ''اور لائن کٹ گئی'' کے اقتباسات سے ہوتا ہے۔

جب 1974ء میں بھارت نے راجستھان میں دھماکہ کیا تو بھٹو نے ملک کو ایٹمی طاقت بنانے کا عزم کیا اور اس سلسلے میں اس نے فرانس کی ایک فرم سے 1973ء میں ایس جی این سے ری پراسسنگ پلانٹ کے لیے معاہدہ کیا۔

مسٹر بھٹو مسٹر منیر احمد خاں کے بارے میں سخت ناراض ہوئے کیونکہ ان کی دانست میں قوم کے سامنے انھوں نے اسے شرمسار کرا دیا تھا۔ لاہور کی ایک میٹنگ میں جس میں آغا شاہی اور ڈاکٹر امیر محمد خاں بھی شامل تھے۔ تو وہاں مسٹر بھٹو نے منیر احمد خاں کے بارے میں سخت الفاظ استعمال کیے۔ جن کی وجہ سے مسٹر بھٹو کو ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئرمین ڈاکٹر محمد امیر خاں کو لگانے کا مشورہ دیا گیا ان کے علاوہ کئی اور نام بھی تجویز کیے گئے۔ مولانا کوثر نیازی نے بڑے واضح انداز میں ایٹم سازی کے حصول میں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی کوششوں اور منیر احمد خاں کی سازشوں پر روشنی ڈالی ہے۔ جب بھٹو اور ضیا الحق پر منیر احمد خاں کی حقیقت کھلی تو وہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں سے کہا کرتے تھے کہ:۔

''وہ منیر احمد خاں کو اپنے منصوبوں اور عزائم کی خبر نہ ہونے دیں اور اُن سے بہت ہوشیار رہیں''۔

یہ بڑی ہی حیرت کی بات ہے کہ مسٹر منیر احمد خاں کے پاس کون ساگر تھا کہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور جنرل ضیا الحق دونوں اس کی سازشوں اور ملک دشمن طریقوں سے واقف ہونے کے باوجود اس کو ملازمت سے نہ نکال سکے تھے اور وہ توانائی کمشن کے چیئرمین تقریباً بیس سال تک رہے جو ایک بہت طویل عرصہ ہے۔

منیر احمد خاں کے بارے میں جب یہ معلوم ہوا کہ:۔

Marfat.com

''امریکہ کا بہت لاڈلا ہے اوراس کا کردار مشکوک ہے''۔

اس بات کی تصدیق جنرل نقوی نے کی۔ جنرل نقوی نے جنرل ترمذی جو کہ آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر بھی تھے سے کہا:۔

''جنرل ترمذی معلوم کرو کہ منیر احمد خاں کیا شے ہے اور یہ کنفرم کرو کہ کیا وہ امریکہ کا خفیہ دوست ہے اس کی حرکتیں اور کوششیں پاکستانی ایٹمی توانائی کو پروان چڑھنے نہیں دے رہیں۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ منیر احمد نادان شخص ہے یا انتہائی درجے کا عیار کیا یہ شخص عقل کا کورا ہے یا پھر جان بوجھ کر ایسی حرکتیں کر رہا ہے''؟

بھٹو کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ منیر احمد خاں قادیانی ہے۔ مگر حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر منیر احمد خاں کے پیچھے درج ذیل بڑی اہم شخصیات تھیں جن کی اہمیّت کے پیش نظر حکومت بھی خاموش رہنے پر مجبُور تھی۔

i- جنرل عارف صاحب۔

ii- اے۔ کے بروہی صاحب

iii- منیر احمد خاں کی لابی پُرزور اور مضبوط تھی۔

iv- آفتاب احمد خاں۔

v- میجر جنرل احسان الحق صاحب۔

ان کے بارے میں تحقیقات کے دوران بتایا کہ:۔

''منیر احمد خاں نے انھیں کبھی کوئی ایٹمی توانائی یا ایٹمی پاور پلانٹ پالیسی تیار کرنے کی نہ تو اجازت ہی دی اور نہ خود ایسی کوئی پالیسی بنائی''۔

بہت سے سائنسدانوں سے بات کی گئی وہ سب کے سب اس بات پر متفق تھے کہ:۔

Marfat.com

''منیر احمد خاں نے جان بوجھ کر غلط پالیسیاں بنائیں اور نہ اپنے ساتھیوں اور ماتحتوں کے کام کو سراہا اور نہ ہی قومی مفاد میں استعمال کرنے کی اجازت ہی دی''۔

مسٹر منیر احمد خاں کی یہ بڑی معاندانہ رویے کی مثال ہے کہ:۔

''ان کی وجہ سے بہت سے لائق' قابل اور باصلاحیت نوجوان سائنس دان پاکستان چھوڑنے اور بیرون ملک جانے پر مجبور ہو گئے منیر احمد خاں کی آقا پرستی کی اس سے بڑی اور کیا مثال ہو سکتی ہے''۔

Marfat.com

ii- آغا شاہی کے انکشافات

چونکہ ڈاکٹر عبدالقدیر سے منیر احمد خاں بہت حسد کرتے تھے اور ہروقت اُن کے ایٹمی پروگرام کو ناکام اور سپوتاژ کرنے کے درپے تھا مگر آغا شاہی وزیر خارجہ پاکستان کے ایٹمی پراجیکٹ کی باریکیوں کو سمجھتے تھے۔ انھوں نے یکم جولائی 2001ء کو روزنامہ جنگ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ:۔

"منیر احمد خاں کی ڈاکٹر عبدالقدیر خاں سے دشمنی ڈھکی چھپی نہیں ہے"۔

انھوں نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی ریٹائرمنٹ اور دیگر محرکات کے حوالے سے کہا کہ:۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کا کہنا ہے کہ سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے سے پاکستان کی ایٹمی صلاحیت پر فرق نہیں آئے گا مجھے قدیر خاں کے اس نقطہ نظر سے اتفاق نہیں ہے۔

اگر ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو حالیہ تبدیلی کی رو سے دیکھا جائے تو انھوں نے حکومت کے راستے میں کبھی کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی۔ لیکن ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے خلاف غلط پروپیگنڈا بہت ہوتا رہا ہے۔

1989ء میں جنرل اسلم بیگ اور بے نظیر بھٹو نے کہا تھا کہ:۔

"اب یورینیم کی مزید افزودگی کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ پاکستان کے پاس دو تین بموں کے لیے میٹریل موجود ہے مگر ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے ان کی بات نہ مانی اور یورینیم کی نوے فیصد افزودگی

Marfat.com

کرنے کے کام کو جاری رکھا"۔

انھوں نے مزید انکشاف کیا کہ:۔

"اٹامک انرجی کمیشن کے افسران بہت حسد کرتے اور ان سے جلتے تھے۔ اٹامک انرجی کمیشن کے چیئرمین ان کے بہت خلاف تھے حالانکہ خود اُن کا اُس میں کوئی حصّہ نہ تھا"۔

منیر احمد خاں اور ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کا آپس میں عناد اور جھگڑا تھا وہ ڈاکٹر خاں کو یہاں سے نکالنا چاہتے تھے۔ آغا شاہی کا کہنا ہے کہ:۔

میں نے محسوس کیا کہ اگر ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اور منیر احمد خاں دونوں اکٹھے رہے تو ڈاکٹر خاں چل نہیں سکیں گے۔ لہٰذا میں نے مسٹر بھٹو کو تجویز دی کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کا پروجیکٹ الگ کر دیا جائے۔ جس کو بھٹو صاحب نے مان لیا اور ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کا پراجیکٹ الگ کر دیا گیا اور انھوں نے پاکستان کے لیے بم بنایا"۔

مسٹر بھٹو نے نیوکلیر پروگرام کو بڑی جرأت اور بہادری سے چلایا اور وہ اُس کریڈٹ کا حقدار ہے حالانکہ مسٹر بھٹو کو امریکہ کی طرف سے دھمکیاں بھی دی گئیں مگر انھوں نے پرواہ نہ کی۔

میں نے اُس موقع پر مسٹر بھٹو سے پوچھا کہ ایٹمی پروگرام کے سلسلے میں امریکہ پاکستان پر دباؤ ڈال رہا ہے ہم اس دباؤ کو کس حد تک برداشت کریں گے تو مسٹر بھٹو نے کہا کہ:۔

"ہم اُس وقت تک دباؤ برداشت کریں گے جب تک امریکہ ہمارے گھٹنے نہیں ٹیک دیتا"۔

اس قدر جرأت کی میں داد دیتا ہوں۔ آغا شاہی نے مزید کہا کہ:۔

Marfat.com

"میں نے تو مسٹر بھٹو سے یہ طے کیا تھا کہ ری پراسسنگ پر زور دیتے رہیں حالانکہ اگر وہ ہمیں مل بھی گیا تو معائنہ کی صورت میں کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا اور جان بوجھ کر ہم واویلا کرتے رہے"۔

1977ء میں امریکہ یہ سمجھ گیا کہ پاکستان یورینیم افزودہ کر رہا ہے۔ مگر امریکہ بھی اپنی پالیسی سے باز نہیں آیا بھٹو کے بعد جنرل ضیا الحق پر بھی دباؤ رہا۔ مگر پاکستان نے کہوٹہ کو بند نہ کیا اور پراجیکٹ پر کام ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ پراجیکٹ مکمل ہو گیا۔ اتنی کڑی مخالفت اور ذہنی دباؤ کے تحت پراجیکٹ کی کامیابی ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی نمایاں کامیابی تھی جبکہ پوری پاکستانی قوم کی کامیابی تھی۔

Marfat.com

باب نمبر: 42

ڈاکٹر عبدالقدیر کی شخصیت

i- ہنس مُکھ انسان

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب بندوں میں شامل کیا ہوا ہے اُن کے چہرے پر ہروقت مسکراہٹ رہتی ہے اور روحانی تابندگی و جلالت کا یہ کمال ہے کہ ان کے حلقہ سحر میں رہنے والے ان کے زیر اثر آ جاتے ہیں اور وہ بھی ان کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔ یعنی وہ بالکل سچے' پکے مسلمان اور پاکستانی بن کر اپنے فرائض ادا کرتے ہیں۔ اُن پر کسی قسم کا خوف غالب نہیں آتا۔ ڈاکٹر نذیر احمد کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کے قول و فعل سے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کا عکس جھلکتا ہے۔ انھوں نے ڈاکٹر عبدالقدیر کی شخصیت کو عیاں کرنے کی کوشش کی ہے جن سے دنیا آگاہ نہیں ہے۔

ذیل میں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی شخصیت کے بارے میں مختصر طور پر روشنی ڈالی جا رہی ہے کیونکہ ان کی شخصیت کے تمام پہلوؤں پر قلم اٹھانا بڑا ہی محنت طلب کام ہے اور اتنی طویل زندگی کے سفر کو الفاظ کی شکل میں لانا بذات خود ایک اچھا کام ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا مشکل اور کٹھن بھی ہے۔

Marfat.com

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ:۔

''کسی شخص کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ہمراہ سفر کیا جائے''۔

کیونکہ سفر کی صعوبتوں' علتوں اور آزمائشوں اور دوران سفر حاصل ہونے والی چھوٹی موٹی خوشیوں سے اس شخص کی شخصیت کے تمام پہلو نمایاں طور پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔

تو ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کا یہ بیان ہے کہ انھوں نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے ساتھ ملک کے اندر اور بیرون ملک کئی مرتبہ سفر کیا ہے۔ جن کی وجہ سے ان کے خیالات اور مشاہدات بالکل مستند اور مصدقہ ہو سکتے ہیں۔ انھوں نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے بارے میں بڑے اہم پہلوؤں سے آگاہی حاصل کی ہے ان کے تمام رفقائے کار اور دوست احباب سے بھی انھوں نے ملاقات کی ہوگی۔ انھوں نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ:۔

ڈاکٹر صاحب! ایسے گوہر نایاب ہیں جن سے ہر لمحے ہم سب نے کچھ نہ کچھ سیکھا ہے۔ شہرت یافتہ عالمی مبصرین نے خیال کیا کہ:۔

ڈاکٹر صاحب تضاد رکھنے والی خصوصیات کے مالک شخصیت ہیں جو ایک طرف تو وطن عزیز کے ایٹمی پروگرام کے بانی تصور کیے جاتے ہیں تو دوسری طرف درد دل رکھنے والی ایسی انسان دوست شخصیت کے مالک ہیں جو انسان کو ہی نہیں بلکہ پرندوں اور جانوروں کو تکلیف میں مبتلا ہوتے دیکھ کر پریشان ہو جاتے ہیں۔ جو ایک طرف تو ملک کے دفاع میں استعمال ہونے والے سامان حرب کے خالق ہیں تو دوسری طرف ادب سے بھی لگاؤ رکھتے ہیں وہ ایسے محبّ وطن ہیں کہ جس نے اپنی زندگی کی اس طرح منصوبہ بندی کی

Marfat.com

ہے کہ آنے والا ہر لمحہ وطن عزیز کی خدمت کرتے ہوئے گزارا جائے اور مضبوط اعصاب اور قوت ارادی رکھنے والے ایسے رہنما ہیں کہ جو ماہرانہ مشوروں سے اپنے ماتحتوں میں اعتماد کی روح پھونک دیتے ہیں۔ جو انھیں مشکل گھڑی میں جرأت عطا کرتی ہے:
وہ ایسے پیروکار ہیں کہ جو اپنے رہنماؤں کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی جو خصوصیت انھیں دوسری شخصیات سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ:۔

''وہ اس بات کی نصیحت نہیں کرتے جس پر وہ خود عمل نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ ان کی بات میں تاثیر ہوتی ہے''۔

Marfat.com

ii- قوتِ فیصلہ

ڈاکٹر عبدالقدیر خان میں بلا کی قوت فیصلہ تھی کہ جب کبھی اس کے پاس اس کے دفتر کے افسران میں سے بھی کسی کو ان سے رہنمائی حاصل کرنی پڑتی تو وہ بے شک اپنے کسی دفتری اہم کام میں ہی مشغول کیوں نہ ہوں اور رہنمائی حاصل کرنے والے افسر کا کام بھی بے شک کتنا ہی طویل اور گھمبیر ہو اس کے بارے میں وہ فوری طور پر فیصلہ دے دیتے تھے خواہ ان کا فیصلہ ہاں میں ہوتا یا نہ میں ہوتا۔ انھوں نے کبھی دفتری معاملے کو کل کے لیے معطل نہیں کیا تھا خواہ ان کو دفتری اوقات کے بعد ہی کیوں نہ کام کرنا پڑے اور دوسرے وہ کام ان کی پسند کے مطابق ہو یا ناپسند ہی کیوں نہ ہو انھوں نے اس کام کے بارے میں اسی وقت فیصلہ دے دیا ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ بڑے ذہین اور محنتی شخص تھے وہ کام کی نوعیت کی سمجھ رکھتے تھے اور قوت فیصلہ اُن میں بلا کی تھی ان کو اپنے فیصلوں کے درست ہونے پر اعتماد اور یقین ہوتا تھا۔ وہ فیصلہ کرنے میں لیت ولعل یا کل پر رکھنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ جو کہ کسی اعلیٰ صلاحیت کے ایک افسر کی خوبی اور صفت ہوتی ہے۔

Marfat.com

iii- ماتحت عملے سے شفقت

ماتحت عملے سے شفقت سے پیش آنا اور ان سے مہربانوں کی طرح سلوک کرنا ایک اعلیٰ صفت یا اعلیٰ ظرف انسان کی خوبی ہوتی ہے۔ کیونکہ عام طور پر ادنیٰ ملازمین افسران سے شاکی ہی ہوتے ہیں اور وہ ہمیشہ اُن کا گلا کرتے ہی نظر آتے ہیں۔ کبھی ماتحت عملہ کسی بھی افسر سے مطمئن نہیں ہوتا مگر یہاں معاملہ اس کے برعکس نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے ساتھ کام کرنے والا عملہ ان سے بہت ہی خوش تھا بلکہ وہ اس کے کردار وسلوک کی بہت تعریف کرتے تھے اور ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اپنے ماتحتوں سے شفقت سے پیش آتے تھے اور کام کرنے والے جونیئر افسران اور سٹاف کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ان کی ذاتی زندگی میں اچھے یا برے حالات کا بہت خیال رکھتے تھے تاکہ وہ اپنی زندگی سے مطمئن ہو کر ان کے ساتھ کام کریں جو کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کا مقصود تھا۔ وہ ماتحت عملے کے اطمینان وسکون کے ہروقت خواہاں ہوتے تھے۔ انھوں نے اپنے ماتحت عملے کے لیے کہوٹہ میں تعلیم اور صحت کی سہولیات کا بھی سرکاری طور پر انتظام کروا رکھا تھا تاکہ وہ گھریلو زندگی سے بے فکر ہو کر اپنے فرائض منصبی ادا کر سکیں۔ وہ اپنے ماتحت عملے کے ساتھ اس قدر شفقت کرتے اور اس کی تکالیف کا احساس کرتے جس کا اندازہ درج ذیل سطور سے لگایا جا سکتا ہے:۔

ڈاکٹر صاحب جب طویل سفر پر گاڑی پر روانہ ہوتے تھے تو چونکہ ڈرائیور گاڑی

Marfat.com

چلانے میں تو ماہر تھا مگر اس کے باوجود ڈرائیور کا نفسیاتی طور پر مطالعہ کرتے ہوئے اس کی خاطر اکثر چائے پینے کے بہانے سے رُک جاتے تھے۔ کسی نے ڈاکٹر صاحب سے راستے میں بار بار رکنے کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے کہا کہ:۔

''میں اپنے لیے نہیں رُکتا مجھے غریب ڈرائیور کا خیال ہے تم جانتے ہو کہ ڈرائیونگ بڑا توجہ طلب کام ہے جس کی وجہ سے ڈرائیور پر بڑا ذہنی تناؤ ہوتا ہے اس لیے ڈرائیور کو ہر گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد ضرور بریک ملنی چاہیے''۔

Marfat.com

iv- شفیق انسان

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں بڑے رحم دل اور شفیق انسان ہیں۔ کوئی آدمی اس بات کا خیال بھی ذہن میں نہیں لا سکتا کہ:۔

"پاکستان کے ایٹمی پروگرام اور ایٹم بم کا خالق اس قدر رحم دل اور مشفق بھی ہوسکتا ہے؟ جو انسانوں کی ہلاکت کے آلات اور بارود تیار کرنے کا موجد کہلاتا ہے"۔

خاص طور پر ان کو جانوروں اور پرندوں سے بہت لگاؤ تھا ان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ ان بے زبان جانوروں اور پرندوں کو کم از کم ان سے کوئی گزند نہ پہنچے۔ انھوں نے اپنے گھر میں ایک چڑیا گھر بنا رکھا تھا جس کی وہ خود دیکھ بھال کرتے تھے۔ ہر روز صبح کے وقت مارگلہ کی پہاڑیوں سے بندروں کے غول ان کے گھر کے سامنے آ جمع ہوتے تھے جن کو وہ مونگ پھلی اور پھل وغیرہ بلا ناغہ کھلاتے تھے۔ خواہ کیسا ہی موسم خراب کیوں نہ ہو۔ بندر بھی ضرور آتے اور ڈاکٹر صاحب بھی ان کو ضرور پھل وغیرہ کھلاتے تھے۔ یہ ان کی مشفق انسان ہونے کی بڑی مثال ہے ان کی ہمدردی سے متعلق ایک مثال قارئین کی نذر کی جاتی ہے کہ:۔

ایک دفعہ ڈاکٹر صاحب نے ایک بھڑ کو تالاب میں اترتے ہوئے دیکھا جو خود تالاب کے پانی سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ تو ڈاکٹر

Marfat.com

صاحب نے جب اس بھڑ کو اس قدر مشکل میں پایا تو ان کے دل میں رحم کا جذبہ بیدار ہو گیا تو انھوں نے فوراً ایک لکڑی کی چھڑی لی اور غریب بھڑ کو پانی سے نکال کر خشکی پر رکھ دیا تاکہ دھوپ میں اس کے گیلے پر وغیرہ سوکھ جائیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس بھڑ کے ساتھ اس قدر احسان کیا کہ کوئی عام آدمی ایسا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مگر ایک دوسرے اسی قسم کے انسان کے کردار کا جائزہ لیں کہ اُس نے اُس بھڑ پر اپنا پاؤں پورے زور سے مارا کہ وہ بے چاری وہیں ڈھیر ہو گئی۔ تو جب ڈاکٹر صاحب کو اس شخص کی اس حرکت کا علم ہوا تو انھوں نے اس شخص کے ساتھ انتہائی ناراضی کا اظہار کیا۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں جانوروں اور پرندوں کے شکار کے سخت خلاف تھے۔ جب کبھی کوئی شخص اُن کے سامنے شکار کی کوئی بات کرتا تو اُن کو سخت ناگوار گزرتی۔ ایک مرتبہ انھوں نے بہاولپور کے ڈپٹی کمشنر کا واقعہ یوں سنایا کہ:۔

وہ بہاول پور کے کینال ریسٹ ہاؤس میں مقیم تھے کہ ڈپٹی کمشنر صاحب نے اُن کی خدمت تو بہت کی مگر ایک دن انھوں نے ڈاکٹر صاحب کے کھانے میں تیتر یا بٹیر رکھے جو کہ شکار کیے ہوئے تھے تو ڈاکٹر صاحب ان کے بارے میں سُن کر بہت آبدیدہ سے ہو گئے اور انھوں نے کہا کہ:۔

"یار میں تو بریڈ ٹوسٹ اور چائے لوں گا کیونکہ شکار کیے ہوئے پرندوں کا گوشت نہیں کھاؤں گا"۔

ڈپٹی کمشنر یہ سن کر بڑے شرمندہ اور حیران ہوئے۔

ان کی سمجھ میں یہ بات جو کہ بہت حد تک متضاد تھی کہ ملک میں ایٹمی پروگرام کا خالق جس کے پروگرام کی بنیاد ہی ان کی ہلاکت کے پروگرام پر ہے وہ اس قدر جانوروں

Marfat.com

اور پرندوں کے شکار کے خلاف بھی ہوسکتا ہے اور اس قدر رحم دل کیسے ہوسکتا ہے؟

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے ایسے رحم دلی اور ہمدردی کے بے شمار واقعات لوگوں نے بتائے ہیں جن کے یہاں بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

بہرحال وہ متضاد شخصیت کے مالک ہونے کے باوجود بہت انسان دوست شخص ہی نہیں تھے بلکہ وہ ہر ذی روح مخلوق سے محبت اور عمدہ سلوک کرتے تھے۔ ان کے دل میں اُن کے لیے بڑا درد ہوتا تھا اور ان کو تکلیف میں دیکھ ان کا دل پسیج جاتا تھا۔ مگر وہ ہر ممکن طریقے سے ان کی مدد کرنے کے لیے تیار ہوتے تھے۔

Marfat.com

۷- بلا کے ذہین ہیں

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں جو کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خالق سمجھے جاتے ہیں۔ وہ بلا کے ذہین اور منصوبہ ساز شخص تھے۔ ان کی یادداشت کے بہت سے قصے لوگوں نے سنائے اور لوگوں نے بتایا ہے کہ:۔

"وہ جب بھی کبھی اچانک یا پروگرام سے کسی شخص کے ساتھ ملاقات کرتے تھے تو وہ اس کے خدوخال تک نہیں بھولتے تھے اور وہ شخص جب وہ دوبارہ ملتے تھے اس کا نام تک بتا دیتے تھے جو کہ ایک شخص کی ذہانت پر دلالت ہے"۔

Marfat.com

vi- پکے مذہبی اور دین دار

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے بارے میں عام لوگوں کا یہ مشاہدہ تھا کہ وہ بڑے خدا ترس اور پکے مذہبی اور دیندار انسان تھے۔ وہ ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل کرتے تھے۔ وہ موت سے کبھی نہیں ڈرتے تھے بلکہ موت کو اٹل سمجھتے تھے۔ وہ اس بات پر پختہ یقین رکھتے تھے کہ:۔

"موت کا ایک دن معین ہے جو کبھی ٹل نہیں سکتا"۔

اس ضمن میں ایک واقعہ قارئین کی نذر کیا جاتا ہے کہ نومبر 1995ء میں پشاور ہیڈکوارٹر AVM میں مشتاق لغاری صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو پشاور لیکچر دینے کے لیے بلایا۔ تو ڈاکٹر صاحب کے سٹاف افسر نے بتایا کہ:۔

"ڈاکٹر صاحب سڑک کے راستے پشاور جائیں گے"۔

مگر مشتاق لغاری نے کہا کہ:۔

"اُن کے لیے جہاز بھیجیں گے وہ سڑک کے راستے نہ آئیں"۔

چنانچہ چکلالہ ائیرپورٹ پر وہ جہاز سنگل انجن سینا کے ذریعے پشاور پہنچے۔

وہاں پر مشتاق احمد لغاری صاحب نے دریافت کیا کہ:۔

"آپ پشاور کیسے تشریف لائے ہیں؟"

ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا کہ:۔

Marfat.com

''ائیر فورس والوں کے جہاز کے ذریعے''

یہ سن کر لغاری صاحب سٹاف پر بڑے برہم ہوئے انھوں نے ڈاکٹر صاحب کو بتایا کہ:۔

''آپ ViP شخصیت ہیں آپ کے لیے سینا جہاز نہیں بھیجنا چاہیے تھا یہ تو ایس او پی کے خلاف ہے آپ خیریت سے تشریف لا چکے ہیں اس لیے آئندہ دوبارہ غلطی نہیں دہرائیں گے''۔

ڈاکٹر صاحب نے مسکرا کر کہا کہ:۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ موت کا وقت معین ہے جو کبھی ٹل نہیں سکتا''۔

واپسی کے لیے جہاز کے انتظار کے لیے کچھ دیر ہو گئی تو ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ:۔

''لغاری صاحب! اَب میں مزید انتظار نہیں کر سکتا۔ مجھے پتہ ہے کہ میں وقت سے پہلے نہیں مر سکتا' چاہے چار انجن والا جہاز لے آئیں یا دو انجن والا اب: مجھے اسی انجن والے جہاز پر جانا ہے''۔

ڈاکٹر صاحب کا اللہ تعالیٰ پر یقین کامل تھا اور وہ دیکھ کر بڑے حیران ہوئے اور متاثر بھی ہوئے کہ ڈاکٹر صاحب کا موت کے بارے میں اس قدر یقین پختہ ہے۔

Marfat.com

vii- وقت کی قدر اور پابندی

کسی قوم یا فرد کی کامیابی میں وقت کی قدر اور اس کی پابندی کو بڑا دخل ہوتا ہے، تو ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی کامیابی کا ایک اہم راز وقت کی قدر اور اس کی پابندی میں پوشیدہ ہے وہ وقت کے بہت پابند تھے۔ ان کا اپنا ایک ٹائم ٹیبل ہے جس پر وہ سختی سے عمل کرتے ہیں ان کی شخصیت کو دیکھ کر اس کو صدق دل سے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ:۔

"بڑا آدمی وہ ہوتا ہے جو وقت کی قدر کرتا ہے اور ہمیشہ وقت سے آگے چلتا ہے"۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی تمام کامیابیاں اس مشقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ انھوں نے کبھی بھی وقت کی پابندی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ انھوں نے ہر معاملے میں وقت پر فیصلے کیے جس کے نتائج ان کے سامنے ظاہر ہوئے اور آج پاکستان اللہ تعالٰی کے فضل و کرم سے دنیا کا ساتواں ایٹمی ملک بن چکا ہے اور دفاعی لحاظ سے خود کفیل ہے۔

وقت کی قدر اور پابندی کا ایک واقعہ مثال کے طور پر قارئین کی نذر کیا جاتا ہے کہ:۔

ایک مرتبہ غوری میزائل کے کامیاب تجربے کے بعد 1991ء میں ڈاکٹر صاحب کے اعزاز میں کراچی والوں نے ایک بہت بڑی تقریب کا اہتمام کیا جس میں

Marfat.com

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں صاحب کو اُن کی قومی لازوال خدمات کے صلے میں گولڈ میڈل سے نوازا جانا تھا اور تقریب کے مہمان خصوصی جناب لیفٹیننٹ معین حیدر گورنر سندھ تھے۔ یہ تقریب میریٹ میں منعقد ہونی تھی اور تقریب کا وقت 8 بجے مقرر کیا گیا تھا اور ڈاکٹر عبدالقدیر خاں صاحب ٹھیک وقت مقررہ پر تقریب کے ہال میں تشریف لے آئے تو معلوم ہوا کہ تاحال مہمان خصوصی ہال میں تشریف نہیں لا سکے۔ ڈاکٹر صاحب کو ہال میں بٹھا دیا گیا تو معین حیدر صاحب مہمان خصوصی تقریباً ساڑھے آٹھ بجے ہال میں تشریف لائے تو ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے ان کا استقبال کیا جس سے معین حیدر صاحب خاصے حیران اور شرمندہ بھی ہوئے۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو معین حیدر صاحب دیکھتے ہی بڑی حیرانی سے بولے:۔

''ڈاکٹر صاحب! آپ یہاں موجود ہیں؟''

ڈاکٹر صاحب عبدالقدیر خاں نے جواب دیا کہ:۔

''میں تو ٹھیک آٹھ بجے یہاں پہنچ گیا تھا''۔

معین حیدر صاحب نے جو دیر سے آئے وہ کچھ شرمندہ دکھائی دے رہے تھے بولے کہ:۔

''دراصل میرا یہ پروگرام تھا کہ میں آپ کا استقبال کروں۔ آپ قوم کے ہیرو ہیں اور ویسے بھی آپ یہاں مہمان ہیں میرے شہر میں تشریف لائے ہیں اس لیے میرا فرض بنتا تھا کہ میں آپ کا استقبال کروں''۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ:۔

''کوئی بات نہیں میں تو وقت کا پابند آدمی ہوں مجھے جو وقت دیا جاتا ہے میں اس پر پہنچ جاتا ہوں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ

Marfat.com

کون کس وقت آ رہا ہے"؟ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے اسی موقع پر مزید بتایا کہ:۔

"بعض اوقات اپنی اس عادت کی وجہ سے مجھے بڑی عجیب صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ میں نے تو کئی مرتبہ ایسی تقاریب میں شرکت کی ہے کہ جہاں آرگنائزر سے پہلے ہال میں میں پہنچ گیا ہوں"۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے زندگی میں بے شمار ملکی اور غیر ملکی تقاریب میں شرکت کی مگر ہر موقع پر وقت مقررہ پر ہی پہنچے جس سے ان کا اپنا ضمیر بھی مطمئن نظر آیا اور ان سے دوسرے افراد نے بھی سبق سیکھا۔

اگر نظام قدرت کا مطالعہ اور مشاہدہ کیا جائے تو یہی نظر آئے گا کہ ہر کسی کا نظام ایک وقت مقررہ کے تابع ہے۔ کوئی بھی کسی قسم کی بے قاعدگی اور حکم عدولی کسی بھی نظام میں نظر نہیں آ رہی تو کاش پاکستانی قوم کو نظام قدرت کو ہی دیکھ کر عقل آ جائے تو غنیمت ہے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں تو ایک اس کائنات کے عظیم افراد میں سے ایک ہیں۔

Marfat.com

viii- خلق خدا کی مدد اور خدمت

اسلام میں خدمت خلق کا بہت بڑا درجہ اور ثواب بتایا گیا جس پر عمل کرنے کی ہر جگہ اسلامی کتب میں قرآن و حدیث کے حوالوں سے تاکید فرمائی گئی ہے۔ تو ڈاکٹر عبدالقدیر خاں بھی بڑے مذہبی اور دیندار شخص ہیں انھوں نے اس میں اپنی مثال آپ قائم کی ہے۔ اس سلسلے میں ان کا ایک واقعہ پیش خدمت ہے کہ:۔

''جس کسی ادارے یا شخص کے پاس جاتے تھے تو اس کے ماحول اور ضروریات کا خوب جائزہ لے کر مشاہدہ کرتے تھے اور وہ ایسے طریقے یا ذرائع تلاش کرتے رہتے تھے کہ کس طریقے سے ان کی مدد کی جاسکتی ہے اگر وہ ان کی مدد و تعاون کے محتاج نظر آئیں تو ایک مرتبہ ڈاکٹر صاحب کو 1994ء میں ازبکستان جانے کا موقع ملا اور انھوں نے اس وقت کے وزیر برائے سائنس اور ٹیکنالوجی جناب پروفیسر حبیب اللہ یوسف سے ملاقات کی جس نے پاکستان کا بھی دورہ کیا تھا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے ان کو غلام اسحاق (جی آئی ادارہ) ادارے کا بھی تعارف کروایا۔ انھوں نے ازبکستان میں ادارے کے ڈپٹی ڈائریکٹر عبداللہ سعیدوف سے بھی ملاقات کی۔ تو ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے ان کے ادارے کی حالت خستہ کو دیکھ کر

Marfat.com

حیرانی کا اظہار کیا۔ میٹنگ ہوئی فوٹو کاپی کروانے کی ضرورت محسوس ہوئی تو انھوں نے فوٹو کاپی کرانے کی سہولت سے معذرت چاہی' تو ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے اپنے اخراجات سے اس ادارے کو بازار سے اسی وقت ایک فوٹو مشین گفٹ کر دی تا کہ ان کے ادارے میں وقت کے ضیاع کے بغیر کام ہو سکے۔ اس کے علاوہ انھوں نے محسوس کیا کہ پروفیسر ڈاکٹر عبداللہ سعیدوف کے ہاتھ میں گھڑی نہیں ہے تو ڈاکٹر صاحب نے ان کو گھڑی بھی استعمال کرنے کے لیے خرید کر دی تا کہ وہ بھی اپنے وقت کی قدر کریں۔ انھوں نے خوش ہو کر بار بار ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کیا اور بہت خوش ہوئے۔

Marfat.com

ix- غربا کی مدد

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں صاحب کسی غریب آدمی کو مصیبت میں گھرے ہوئے دیکھ کر بڑے پریشان اور دکھ محسوس کرتے تھے اور ان کی ہر ممکن طریقے سے امداد کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ٹمبکٹو کے قدیم بازار کی سیر کے دوران بھی ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ جب ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے اپنی فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک غریب مقامی عورت کی مدد کی جس کی تفصیل کچھ یوں بیان کی جاتی ہے کہ:۔

"بازار سے گزرتے ہوئے ہم نے ایک غریب عورت کو دیکھا جو کہ چھوٹی چھوٹی مچھلیاں فرائی کر رہی تھی تو ڈاکٹر صاحب اس کے پاس جا کر رک گئے۔ انھوں نے فوراً ہی اپنے ساتھی سے کہا کہ:۔

"اس عورت سے ساری مچھلیاں خرید لو"۔

لہٰذا اس عورت سے ساری مچھلیاں خرید لی گئیں تو ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے کہا کہ:۔

"یہ مچھلیاں اس کے ساتھ ہی چھوٹے چھوٹے بچوں کے ہمراہ بیٹھی ہوئی اس عورت کو یہ کہہ کر دے دو کہ یہ تمھارے بچوں کا تحفہ ہے"۔

وہ عورت بھنی ہوئی مچھلیاں لے کر اتنی خوش ہوئی کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو بہت دعائیں دیں۔

Marfat.com

اسی طرح ڈاکٹر عبدالقدیر خاں بیماروں کے علاج کے سلسلے میں بڑے ہی مخلص اور ہمدرد تھے۔ انھوں نے جونہی کسی غریب اور مفلوک الحال فرد کو کسی مرض میں مبتلا دیکھا تو اس کا مفت علاج کروانے کے انتظام کر دیے جس طرح انھوں نے عبدالرحمٰن جیسے غریب آدمی کی داستان سنی تو انھوں نے ان کے علاج کے لیے پاکستان میں آنے کی دعوت دی ان کے لیے آنے جانے کا کرایہ اور ادویات کے اخراجات کا فوری طور پر بندوبست کر دیا تاکہ غریب آدمی کو کسی قسم کی مشکل کا سامنا نہ ہو۔

Marfat.com

X- اچھے منتظم ہیں

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں بڑے اعلیٰ پایہ کے منصوبہ ساز اور منتظم اعلیٰ تھے۔ وہ ہر کام کے بارے میں پہلے ہی منصوبہ سازی کرتے تھے۔ اس کام کے بارے میں وسائل اور اوقات کا تعین کرتے اور پھر جب ان کو ان کے بارے میں تسلی ہو جاتی تھی ان کو استعمال کرنے کی فکر کرتے تھے۔ ہر کام کے لیے وقت اور وسائل مقرر ہوتے ان سے زائد نہ وقت دیتے اور نہ وسائل کا ہی ضیاع کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کامیاب و کامران نظر آئے۔

کسی بھی فرد کی منصوبہ سازی اور منتظم اعلیٰ ہونے کی خوبی بڑی عمدہ اور ممتاز ہوتی ہے تو ڈاکٹر عبدالقدیر خاں میں یہ خداداد صلاحیت ہے۔ اس سلسلے میں ان کے عمرہ کے وقت کا ایک واقعہ قارئین کی معلومات کے لیے پیش کیا جاتا ہے کہ:۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں 2000ء میں عمرہ کے لیے بیت اللہ شریف تشریف لے گئے تو ڈاکٹر صاحب نے اپنے ساتھیوں کو یہی ہدایات دے رکھی تھیں کہ:۔

"ہم نے سب سے پہلے طواف کرنا ہے اس کے بعد نماز پڑھنی ہے اور صفا و مروہ کی سعی کرنی ہے۔اس کے بعد واپس آ کر نفل پڑھ کر رخصت ہو جانا ہے"۔

انھوں نے ہر کام کے لیے وقت مقرر کیا ہوا تھا یہی وجہ تھی کہ ہم تمام فرائض

Marfat.com

سے دو گھنٹے میں ہی فارغ ہو گئے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اتنے اچھے منتظم تھے کہ وہ جہاں کہیں بھی جاتے وہ پہلے ہی اپنے تمام کاموں کو آرگنائز کر لیتے تھے اور کام ایک منصوبہ بندی کے تحت کرنے کے عادی ہوتے تھے۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں عام لوگوں کے ساتھ بھی بڑی سادگی' انکساری اور اخلاق سے ملتے ہیں اور وہ اس قدر ان سے متاثر ہوتے ہیں اور اکثر کہتے ہیں کہ:۔

یہ شخص عام زندگی میں کتنا سادہ اور خوش اخلاق ہے اور کسی کو یقین نہیں آتا کہ یہ وہی خوش نصیب شخص ہے جو ہمارے ایٹمی پروگرام کا خالق ہے اور دعائیں دیتے ہیں۔

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ:۔

کہوٹہ جیسے حساس پراجیکٹ کی منظوری جدید لیبارٹریز کا قیام' بین الاقوامی پابندی کے باوجود بیرونی ممالک سے حساس اور اہم پرزہ جات کی درآمد اور ان کی تنصیب کا مسئلہ خواندگی کی شرمناک صورت حال' فنی ماہرین جو سٹاف اور متعلقہ فیلڈ میں پی ایچ ڈی (ph:D) انجینئر اور سائنسدانوں کی عدم دستیابی' یہ تمام مشکلات اور کام نامساعد حالات میں کیونکر ممکن ہو سکے؟

ان کے علاوہ غوری میزائل کا کامیاب تجربہ اور کامیاب ایٹمی دھماکے کے یہ سب مراحل کیسے طے ہو سکے؟۔

لیکن جن لوگوں نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی شخصیت کو قریب سے دیکھا تو ان کو بہت سے سوالات کے جوابات مل گئے۔

Marfat.com

باب نمبر: 43

مسز ہینی خان

(Mrs Henny Khan)

ایک وفا شعار خاتون

Marfat.com

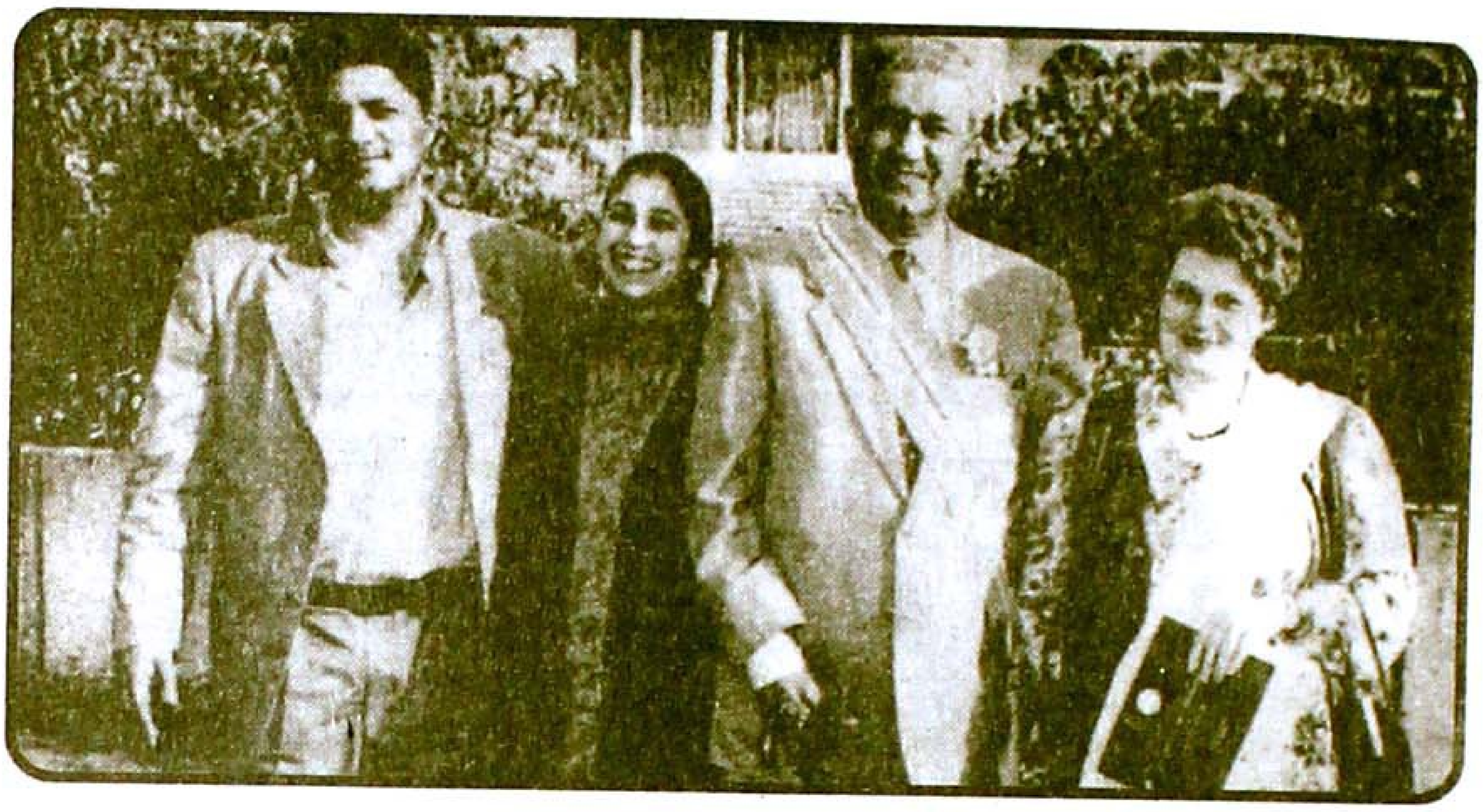

مسز ہینی خاں، ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا چھوٹی بیٹی عائشہ
اور داماد کے ساتھ گروپ فوٹو

Marfat.com

Mrs.and Dr. A.Q.Khan in s memorable photograph taken on the first wedding anniversary

Dr.A.Q.Khan`s mother** **Dr.A.Q.Khan`s father

Marfat.com

مسز ہینی خان

(Mrs Henny Khan)

خاندانی پس منظر

مسز ہینی خان کے والدین ڈچ (پرتگال کے باشندے) تھے اور انھوں نے اس کی پیدائش سے قبل جنوبی افریقہ ہجرت کر لی تھی۔ اُن کے والد جنوبی افریقہ کی فوج میں جنگ کے دوران ملازم تھے۔ اس کے بعد وہ شمالی رہوڈیشیا جو کہ دب زمبیا کہلاتا ہے چلے گئے۔ ان کے والد نے وہاں ایک تعمیراتی کمپنی جس میں اُس کی والدہ بھی ملازم تھی خرید لی۔ اس کا ایک بھائی تھا جو کہ پیشہ کے لحاظ سے نقشہ نویس تھا۔ وہ 1955ء میں امریکہ چلا گیا تھا اس کے بہت سے رشتہ دار ہالینڈ میں رہائش پذیر تھے مگر ان میں نزدیکی رشتہ دار صرف اس کی ایک خالہ تھی جو کہ ہالینڈ میں ہی رہائش پذیر تھی۔

بچپن

مسز ہینی خان نے بچپن کے چھ سال جنوبی افریقہ میں گزارے اور سولہ سال کی عمر تک زمبیا میں والدین کے ساتھ رہیں۔ سکول کے جس ادارے میں زیر تعلیم تھی اس کا ذریعہ تعلیم انگریزی تھا۔ اور اس ادارے میں مختلف قومیتوں کے بچے زیر تعلیم

Marfat.com

تھے۔ مقامی بچے ان اداروں میں داخلہ حاصل کرتے تھے جہاں ان کے مطابق زبان ذریعہ تعلیم ہوتی تھی۔

تعلیم

او لیول تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ ہالینڈ چلی گئیں وہاں ذریعہ تعلیم بہت مختلف تھا۔ اپنی تعلیم کو جاری رکھنے کے لیے اُس نے آفس ایڈمنسٹریشن کورس میں داخلہ لے لیا تاکہ اُن کا ایک سال ضائع نہ ہو۔

اے لیول مکمل کرنے کے بعد اُس نے لنڈن یونیورسٹی میں شعبہ نفسیات میں داخلہ لے کر ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔

ملازمت

اُس نے مختلف ممالک میں مختلف ملازمتیں حاصل کیں۔ مگر اُس نے بچوں کی پیدائش سے قبل ملازمت ترک کر دی تھی تاکہ بچوں کی صحیح طریقے سے دیکھ بھال کر سکے۔ یہ میاں بیوی کا آپس کا فیصلہ تھا جس پر دونوں کو اتفاق رائے تھا۔ سیکنڈری ایجوکیشن کے دوران اُس نے مختلف ممالک کی والدین کے ساتھ سیر کی جن میں جرمنی، یورپ، آسٹریا، سوئٹزرلینڈ، اٹلی، بلجیم اور فرانس وغیرہ شامل ہے۔

شادی

مسز ہینی کی پہلی ملاقات مسٹر عبدالقدیر خاں کے ساتھ 1962ء میں ہیگ (ہالینڈ) میں ہوئی جبکہ مسٹر خاں جرمنی سے ہیگ میں تعطیلات گزارنے کے لیے آیا تھا اُس وقت اُس نے ایک خط ڈاک میں دینا تھا مگر انھیں ڈاک خرچ کا علم نہیں ہو رہا تھا اتفاقاً اس (ڈاکٹر عبدالقدیر خاں) کی ملاقات بیگم ہینی کے ساتھ ہو گئی جس نے عبدالقدیر خاں کو اپنے گھر خط ارسال کرنے میں مدد دی اور یہی اتفاقیہ ملاقات جیون بھر کے ساتھ

Marfat.com

میں بدل گئی۔

اس ابتدائی ملاقات کے بعد دونوں نے ایک دوسرے کو خط لکھنے کا وعدہ کیا ڈاکٹر خاں تعطیلات گزارنے کے بعد ٹیکنیکل یونیورسٹی برلن لوٹنے والے تھے جب ہینی ان کی دعوت پر اُن سے ملنے ڈوسلڈورف گئیں۔ یہ ملاقات نہایت خوش کن ماحول میں ہوئی اور اس کے بعد دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ جاری کر دیا اور دونوں نے یہ فیصلہ کیا کہ:۔

''کوئی سنجیدہ فیصلہ کرنے سے قبل انھیں ایک دوسرے کو مکمل طور پر سمجھ لینا چاہیے''۔

لہٰذا ہینی خان نے اس مقصد کے لیے برلن میں ملازمت اختیار کر لی اور ایک سال تک برلن میں ملازمت کرتی رہیں۔ مگر چند ہی روز کی ملاقاتوں کے بعد دونوں نے اپنا سنجیدہ فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ دونوں ایک دوسرے کو بہت پسند کرتے تھے۔ ہینی خان نے پہلے اسلام قبول کیا اور اس کے بعد دونوں نے آپس میں شادی کر لی۔ شادی کے وقت ہینی خان کی عمر 21 سال اور ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی عمر 27 سال تھی۔ مگر شادی کے بعد ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے اپنی تعلیم جاری رکھی۔ والدین نے ہماری شادی پر کسی قسم کا منفی ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ کیونکہ شادی کے لیے یورپی رسم و رواج کے مطابق لڑکے کی طرف سے ابتدا کی جاتی ہے اور چونکہ ہماری دونوں کی رائے ایک تھی لہٰذا کسی کی طرف سے بھی ابتدا نہیں ہوئی تھی البتہ ڈاکٹر خاں کی والدہ نے میرے والدین سے رشتہ کی درخواست کی جس کو میرے والدین نے قبول کر لیا۔

نکاح کی رسم

چونکہ ہم دونوں غیر ملکی باشندے تھے اس لیے ہالینڈ کے رواج کے مطابق سٹی ہال میں نکاح کرنے کی ضرورت نہ تھی سٹی ہال کے اہلکاروں نے ہمیں پاکستانی سفارت

Marfat.com

خانے میں نکاح کرنے کا مشورہ دیا۔ لہٰذا اُن کو رجسٹریشن کے لیے نکاح نامہ بھجوا دیا گیا۔ ہمارا نکاح جمال الدین حسن ہیگ میں جو کہ سفارت خانہ میں فرسٹ سیکرٹری تھے نے پڑھایا۔ سفارت خانے کے عملے کے علاوہ میرے چند دوست اور عزیز و اقارب نے رسم نکاح میں شرکت کی۔ ان دنوں قدرت اللہ شہاب ہالینڈ میں سفیر تھے اس نے ڈاکٹر خاں کی طرف سے گواہی دی اور میری طرف سے میرے چچا نے یہ ذمہ داری قبول کی۔

نکاح کے بعد سفارت خانے میں ہلکی سی چائے پارٹی کا انتظام کیا گیا۔ اس طرح ہماری رسم نکاح بڑی سادگی اور پرتپاک انداز سے اختتام پذیر ہوئی۔

میرے خاوند کی طرف سے کسی نے بھی شادی میں شرکت نہیں کی تھی حتیٰ اُن کا بڑا گہرا ایک دوست لندن میں قیام پذیر تھا وہ بھی شرکت نہ کر سکا جس کا مجھے تا حال بڑا افسوس ہے صرف اُن کے ایک ڈچ کلاس فیلو دوست نے شادی میں شرکت کی۔

پاکستان میں آمد

شادی کے تین سال کے بعد پہلی بار ہم پاکستان آئے پاکستان میں پہلی بار آمد پر میرے خاوند کے گھر والے (والدین وغیرہ) پاکستان رسوم کے مطابق شادی کرنا چاہتے تھے مگر میرے خاوند نے اتفاق نہیں کیا۔

شادی کے بعد کے حالات

جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ ہم نے اپنے مستقبل کے بارے میں پہلے ہی مسائل کا تجزیہ کر لیا تھا جس کی وجہ سے شادی کے بعد کوئی مشکل درپیش نہ ہوئی۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے پانچ سال کے بعد جلدی ہی تعلیم مکمل کر لی تھی۔ وہ مجھ سے پہلے ہی گھر آ جاتے تھے اور دوپہر کا کھانا اکٹھے کرتے تھے۔ جو کہ عام طور پر وہ میرے آنے سے پہلے ہی خود تیار کرتے تھے اور اُن کی آج تک بھی ویسی ہی عادات ہیں جو اُن کی شادی سے پہلے تھیں۔

Marfat.com

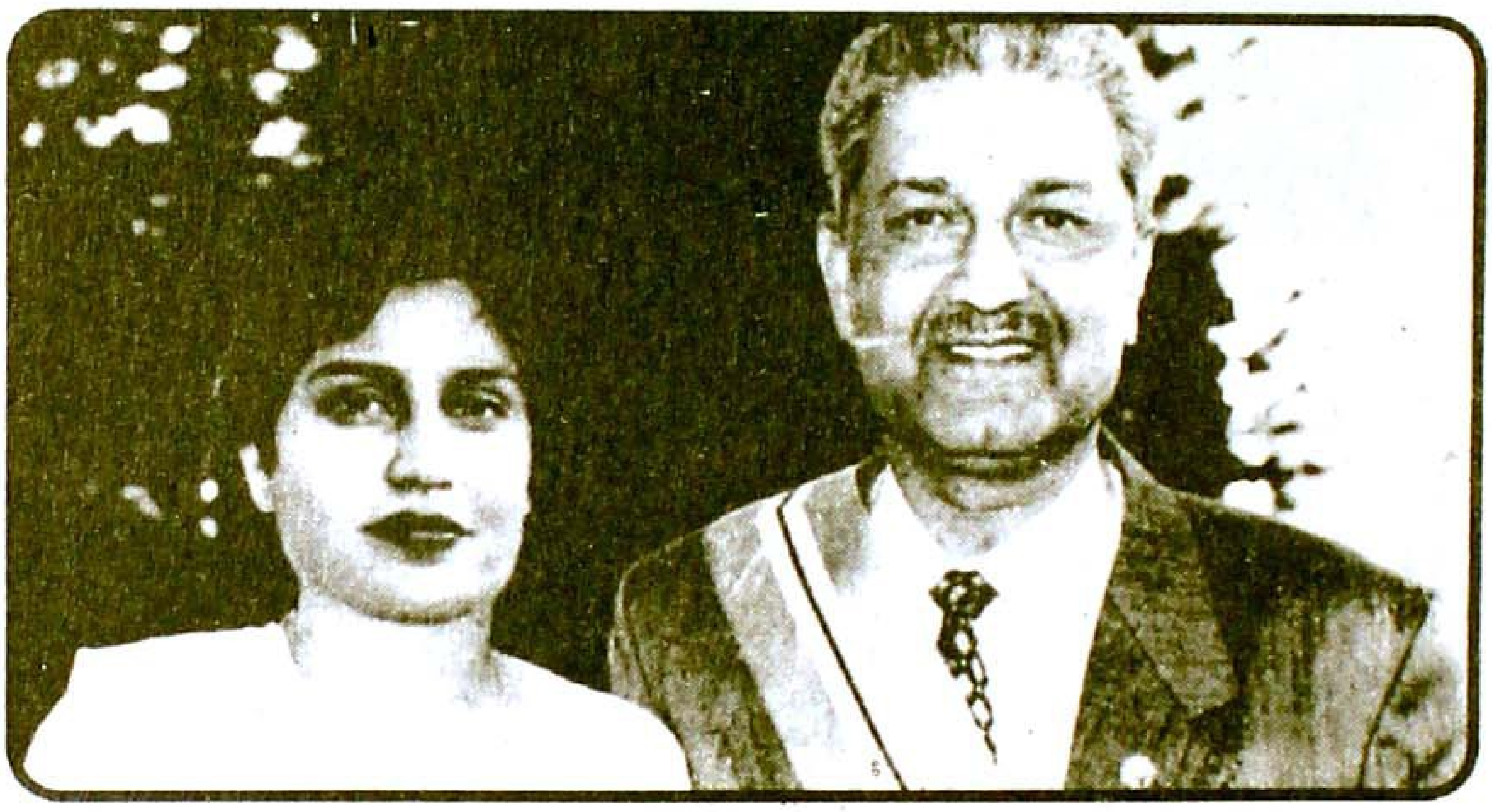

ڈاکٹر عبدالقدیر خان اپنی صاحبزادی ڈاکٹر دینا کے ساتھ

Marfat.com

Dr.A.Q.Khan and his family: L to R: Ms. Dina Khan, Dr.A.Q.Khan, Mrs. Henny Khan and Ms. Ayesha Khan.

Marfat.com

اولاد

میں دو سال تک پہلی بچی کی پیدائش سے پہلے زیر علاج رہی اور ہم دونوں پہلی بچی کی پیدائش پر بہت خوش تھے اور پہلی بچی شادی کے پانچ سال بعد ہوئی۔ میری دونوں بچیاں بلجیم کے ہسپتال میں پیدا ہوئیں اور میری بچیوں کی پیدائش کے وقت ڈاکٹر خان ہسپتال میں موجود رہے جس نے میرا حوصلہ بلند رکھا۔

جب ہماری پہلی بچی پیدا ہوئی تو ہمیں لڑکے/لڑکی کی کوئی فکر نہ تھی کیونکہ ہمیں صرف اولاد کی ضرورت تھیں۔ جو کہ جسمانی اور ذہنی لحاظ سے صحت مند ہو۔

جب میں دوسری بچی کے لیے امید سے ہوئی تو میں نے اپنے خاوند سے دریافت کیا کہ:۔

''کیا آپ بیٹا چاہتے ہیں؟''

تو انھوں نے جواب دیا کہ:۔

''اس کا کوئی مسئلہ نہیں ہے خواہ لڑکا ہو یا لڑکی''۔

"He always said it did not matter to him wheather it was a boy or girl?"

دونوں بچیوں کی پیدائش کے بعد میں نے اُس کو یقین دہانی کرائی کہ دو بچے کافی ہیں اور اُس (ڈاکٹر خاں) نے بھی اتفاق کیا' اُس کے خاندان میں سے بھی کسی نے اصرار نہیں کیا کہ بیٹا ہونا چاہیے۔

پاکستان میں ملازمت

ڈاکٹر خاں نے شادی کے بعد پاکستان آنے کا خیال کیا تو میں نے بھی اُن سے اتفاق کیا۔ انھوں نے کئی جگہوں پر مختلف حکام کو ملازمت کے سلسلے میں رابطہ کیا مگر

Marfat.com

کوئی بات نہ بنی۔ آخر کار 1975ء میں جب ہم اپنی تعطیلات گزارنے کے لیے پاکستان آئے تو اُس کو موجودہ ملازمت کی پیشکش ہوئی ہم دونوں نے باہمی رضامندی سے اسے قبول کر لیا۔

پاکستان کے بارے میں تاثرات

پاکستان میں مستقل طور پر آنے سے پہلے چار مرتبہ پاکستان آ چکے تھے۔ پہلے ہم بطور مہمان کے تین چار ماہ رہ کر جاتے تھے مگر اب جب مستقل طور پر آ گئے تو بڑا فرق محسوس ہوا مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسائل حل کر لیے گئے۔ پاکستان میں آنے کے بعد ہم نے گلگت' سوات' ایبٹ آباد' مری اور کوئٹہ جیسے صحت افزا مقامات کی سیر کی۔ کوئٹہ میں سیبوں کے بڑے سرسبز باغات دیکھ کر بڑا دل خوش ہوا اور آج تک وہ خوشگوار ایام کی یادیں موجود ہیں۔

میرے خیال کے مطابق پاکستان میں جو فضول رسوم پر رقم صرف کی جاتی ہے۔ وہی رقم جوڑا اپنی زندگی کی ضروری اشیاء پر خرچ کرے تو زیادہ بہتر ہو۔ مثلاً کھانے' کپڑوں کی آرائش اور دیگر رسومات پر بے جا اخراجات وغیرہ۔

خاوند کے بارے تاثرات

میرے خیال کے مطابق ڈاکٹر عبدالقدیر کی خدمات ناقابل فراموش اور عظیم ہیں کہ انھوں نے پاکستان کو ایک نیوکلیر ٹیکنالوجی ممالک میں شامل کر دیا ہے۔ مجھے اس کی بڑی خوشی ہے کہ انھوں نے وہ کچھ کر لیا جو کہ وہ پاکستان کے لیے کرنا چاہتے تھے اور تاحال وہ کر رہے ہیں۔ اُن کی وجہ سے مجھے بھی بڑی شہرت حاصل ہوئی ہے۔ مجھے بھی لوگ ایک شہرت یافتہ آدمی کی بیوی سمجھ کر سلوک کرتے ہیں کیونکہ ViP ہونے سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

Marfat.com

بچوں کی تعلیم

ہماری صرف دو ہی بیٹیاں ہیں جنھوں نے سائنس مضامین کا انتخاب کیا ہے مگر دونوں نے ہی فزکس یا مٹالرجی میں دلچسپی کا اظہار نہیں کیا اور دونوں ہی وہ ڈاکٹر بننا پسند نہیں کریں گی۔

Marfat.com

کتابیات

-1	پاکستانی ایٹم بم اور علاقائی پس منظر	رضا علی
-2	Gibrielis islamic bomb.	....
-3	ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اور ایٹمی پاکستان	شاہد نذیر چوہدری
-4	ڈاکٹر عبدالقدیر خاں ''دی اسلامک بم''	زاہد ملک

Marfat.com

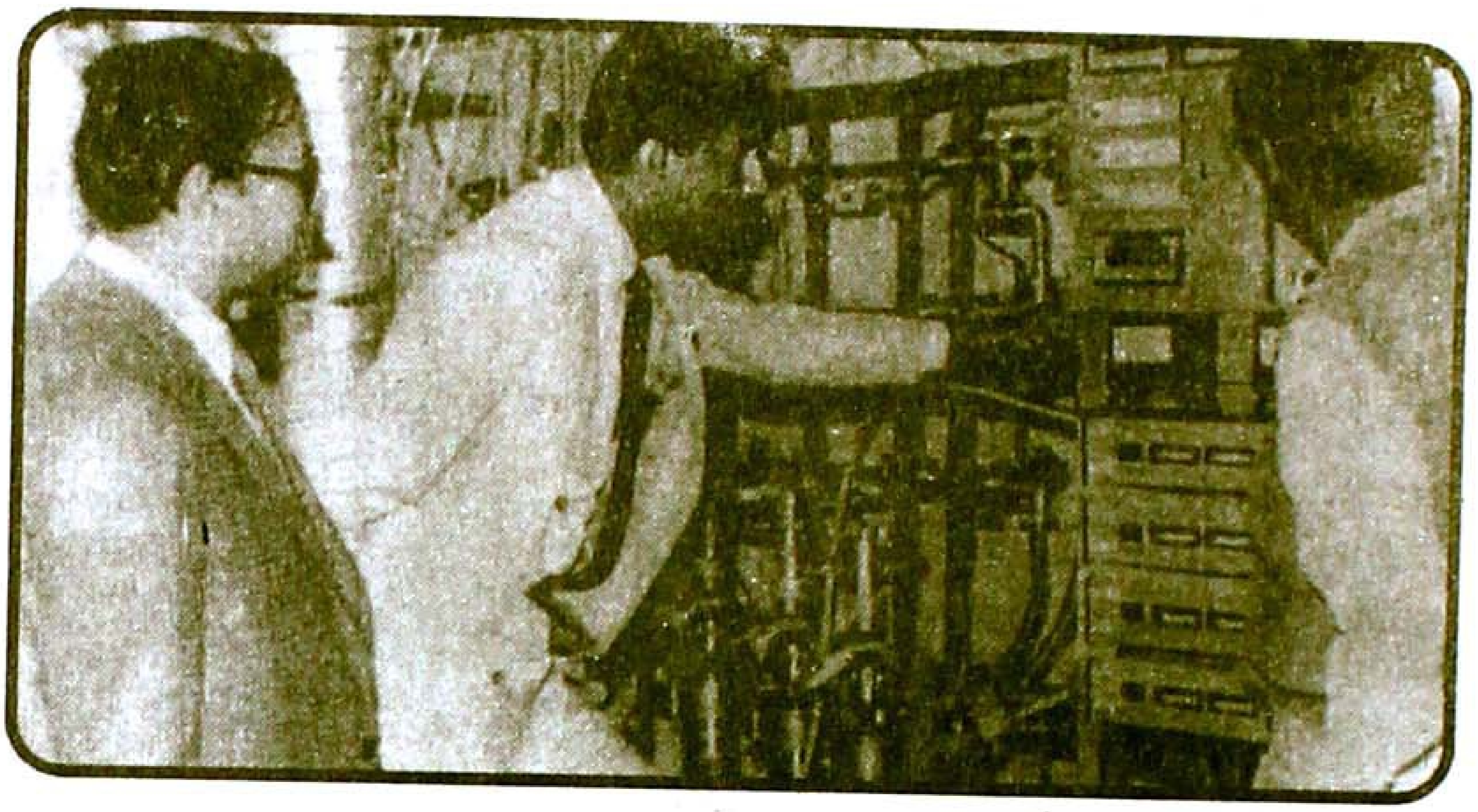

ڈاکٹر عبدالقدیر خان ایٹمی جولان گاہ چاغی کے اس غار
میں جس میں ایٹمی دھماکے کیے گئے

Marfat.com

سابق چینی وزیر اعظم لی پنگ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے ساتھ

Marfat.com

Dr.A.Q.Khan presenting the "Anza" SAM Missile

to Gen. Mirza Aslam Beg, former Chief of Army Staff.

Dr.A.Q.Khan with Gen. Asif Nawaz Janjua,

Chief of Army Staff.

Marfat.com

Dr.A.Q.Khan with the engineers, scientists, Local and foreign delegates at a dinner reception held in Islamabad

Marfat.com

Marfat.com

شفاف دل، روشن دماغ اور چمکیلی آنکھوں والے، جواں سال، جواں فکر عمران حسین چوہدری اپنی تگ و تاز کے ذریعے برطانوی مسلمانوں کے سماجی، سیاسی، مذہبی اور صحافتی حلقوں میں ایک منفرد اور نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ افسانوی شہرت کے حامل اس انتہائی متحرک، فعال اور محنتی نوجوان کی تابناک زندگی کا معرکہ آرائیوں سے بھرا ہوا شاندار سفر بورے والا سے میرپور اور میرپور سے بریڈفورڈ تک پھیلا ہوا ہے۔ لاتعداد نوجوانوں کو حوصلے کی دولت دینے والے عمران چوہدری نے بہت مختصر عرصہ میں اپنی ذہانت، غیر معمولی محنت اور جہد مسلسل کے بل پر کامیابیوں کے ڈھیر لگا دیئے ہیں۔ بظاہر دیکھنے میں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ نوجوان جس کے چہرے پر ابھی تک لڑکپن کے آثار نمایاں ہیں، وہ اتنی سی عمر میں سات کتابیں تحریر کر چکا ہے، تین میگزینوں کی ادارت سنبھالے ہوئے ہے اور برطانیہ کے پارلیمانی انتخابات میں شریک ہو کر سب سے کم عمر امیدوار ہونے کا اعزاز حاصل کر چکا ہے۔

میں نے عمران چوہدری کی رات رنگ آنکھوں میں بے پناہ تخلیقی اضطراب دیکھا ہے۔ اس پر ہمہ وقت کچھ نہ کچھ ایسا کر گزرنے کی دھن سوار رہتی ہے جو پہلے کبھی نہ ہوا ہو۔ شاداب چہرے والے اس خوش اطوار نوجوان نے زندگی میں گھاس بننے کی بجائے درخت بننے کی کوشش کی ہے۔ وہ فرعون جیسی زندگی اور موسیٰ جیسی آخرت کے فارمولے کا قائل نہیں اور نہ ہی اس نے کوئی ایسی غافل آنکھ پائی ہے جو اس وقت کھلے جب بند ہونے کے قریب ہو۔ بیدار دل اور زندہ ضمیر رکھنے والے اس نوجوان نے قلم و قرطاس کے سائے میں جو راہِ شوق اختیار کی ہے اس راستے میں بہت سے مقاماتِ آہ و فغاں بھی آتے ہیں مگر گرمیٔ شوق سے تپتے ہوئے جذبوں والا یہ بلند ہمت اور پرعزم نوجوان اپنے رستوں میں آنے والے آگ کے دریاؤں میں ڈوب کر صورتِ خورشید ابھرنے اور راستہ بنانے کا ہنر جانتا ہے۔

زندگی کی خوبصورتیاں جمع کر کے چاروں طرف بانٹنے میں مصروف یہ سلگتے جذبے رکھنے والا صاحب صلاحیت نوجوان اسلام، پاکستان اور کشمیر کے لیے بہت کچھ کر گزرنے کا عزم رکھتا ہے۔ یہی عزم اسے ہر وقت متحرک اور سرگرم رکھتا ہے۔ منافقتوں سے لتھڑے ہوئے اس بے چہرہ دور میں وہ سر سے پاؤں تک دوستی، محبت، اخلاص اور دردمندی کی خوشبو میں بسا ہوا ہے۔ انہی اوصاف کی وجہ سے وہ ہر دلعزیزی کی ہر حد پھلانگ چکا ہے۔ امنگوں کے دن اور مرادوں کی راتوں والی پرشباب زندگی کے رومان پرور دور کو ایک عظیم مقصد کے لیے صرف کر دینے والے دھرتی ماں کے اس بانکے اور سجیلے بیٹے کے کردار، گفتار اور رفتار پر قوم بجا طور پر فخر کر سکتی ہے کیونکہ عمران چوہدری کا شمار ان نوجوانوں میں ہوتا ہے جو ستاروں پر کمند ڈالتے ہیں۔ ایسے نوجوانوں سے اگر اقبال محبت کر سکتا ہے تو ہم کیوں نہیں کر سکتے۔

علم و عرفان پبلشرز
34 اردو بازار، لاہور۔ فون: 7232336-7352332
E-Mail:ilmoirfanpublishers@hotmail.com

Marfat.com